www.pakistanipoint.com
اردو ادب کی ہزاروں مفت کتب کی آن لائن لائبریری
http://www.pakistanipoint.com/forumdisplay.php?239-Urdu-Library
Find us on: facebook.
ppoint.library

فیشن اور دوشیزاؤں سے متعلق ایک سو ستر صفحوں کا سفرنامہ

اردو ڈائجسٹ

FEBRUARY
2017

پاکستانی پوائنٹ

www.pakistanipoint.com
اردو ادب کی ہزاروں مفت کتب کی آن لائن لائبریری
http://www.pakistanipoint.com/forumdisplay.php?239-Urdu-Library
Find us on: facebook.
ppoint.library

ڈاٹ کام

ماڈل: صائمہ انصاری

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

www.pakistanipoint.com
اردو ادب کی ہزاروں مفت کتب کی آن لائن لائبریری
http://www.pakistanipoint.com/forumdisplay.php?239-Urdu-Library
Find us on: facebook.
ppoint.library

فوٹو گرافی: موسیٰ رضا

ردِ اگست

خط و کتابت کا پتہ
ردِ اگست
۱۳۶-ڈی-بلاک ۲
پی-ای-سی-ایچ-ایس
کراچی

چیف ایڈیٹر
صالحہ محمود

ایڈیٹرز
سعدی محمود جعفری، بلال جعفری
نمائندہ امریکہ: فراز جعفری
E-Mail: frazjafri@aol.com
نمائندہ UAE: عمیر علی جعفری
E-Mail: saprchit@emirates.net.ae
نمائندہ لندن: شبانہ آصف خان
آرٹسٹ: جنید انصار

گوشہ آگہی — صالحہ محمود — ۶

انٹرویو

قربان علی — نگہت اکرم — ۹

سلسلے وار ناول

صحراؤں کی گلیوں میں عشق — قمروش شہک — ۱۲
زندگی، پھول، محبت، خوشبو — شازیہ مصطفیٰ — ۱۰۸
عشق کی داستاں جدا — ریحانہ آفتاب — ۱۹۰

مکمل ناول

اعتبار — عائشہ الیاس — ۳۴
رات وہ پورے چاند کی — رابعہ افضال — ۱۱۸

ناولٹ

من جاوے — مصباح مسکان — ۷۲
چاہتوں کے ہزار موسم — سحر مبین — ۱۴۴

افسانے

ہماری ہیر — ایقان علی — ۸۸
بس تم — جویریہ بانو — ۹۴
اسٹولر — عائشہ انصاری — ۱۰۰
شکست — نظیر فاطمہ — ۱۷۱
محبت جنوری سے دسمبر — سیدہ عروج فاطمہ — ۱۷۴
نوک شمشیر — سمیرا ستار — ۱۷۸
وہ اک خواب — ماریہ خان — ۱۸۲
ہیپی ویلنٹائن ڈے — ثناء کنول — ۱۸۶

مستقل سلسلے

ردائے جنت — صالحہ محمود — ۷
ردا کی ڈائری — صدف سعد — ۲۰۳
ذرا پھر سے کہنا — شہلا مشائق — ۲۱۳
خوشبو — نورین ملک — ۲۱۰
اس ماہ میں — نورین ملک — ۲۰۷
سندیسے — صالحہ محمود — ۲۱۸
کچن — ثریا اقبال — ۲۲۲
سنگھار — شہلا مشائق — ۲۲۵
اشعار — نورین ملک — ۲۰۵
دوستوں کے نام پیغام — ادارہ — ۲۲۰

فروری 2017ء
جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 2
قیمت 60 روپے

www.facebook.com/rida.digest

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ماہ نامہ ''ردا'' ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چوری کی ایف آئی آر درج کرا دے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ ''ردا پبلیکیشن''۔

صالحہ محمود

گوشہ

قارئین! فروری کا شمارہ موسم بہار کی طرح آپ کے ہاتھوں میں ہوگا۔ یعنی موسموں کو چھوڑ کر زندگی آگے بڑھ گئی۔ یہ رُت یہ موسم ہماری زندگی کی نوید ہے کہ ہم آگے بڑھتے جارہے ہیں اور پھر ایک دن خزاں بھی کوئی نوید دیتی ہے جہاں دل کی دھڑکنیں رک جاتی ہیں۔ سو بہار و موسم سب تمہارے ہیں یہ زندگی تمہاری ہے ان لمحات میں آپ اپنے لیے کچھ نہ کچھ کر لیجیے۔

یاد رکھیے بصیرت اور سماعت یہ اور اوصاف وہ گوہر ہیں جنہیں کبھی زوال نہ ہو، ہم کبھی ان چیزوں کو جھٹلا نہیں سکتے جو سماعت نے سن لیا وہی بصیرت ہے۔ جہاں بصیرت کام آگئی وہیں پر آپ سمجھ لیجیے خزانہ زیست آپ کے ذہنوں میں اتر گیا۔

بے شک دنیا سمٹ کر ایک نقطے پر آگئی ہے مگر اللہ کے حکم کو ہم کبھی نہیں جھٹلا سکتے ہم کتنا بھی آگے چلے جائیں لیکن اللہ نے اتنی زیادہ صلاحیتیں ایک انسان کو دیں بجز اس کے کہ وہ چھین لے کوئی نہیں چھین سکتا۔ انسان کے دماغ کی جگہ کمپیوٹر کبھی نہیں لے سکتا۔ ہر وقت انسانی دماغ اتنا تیز ہے کہ کمپیوٹر کبھی اس کی جگہ نہ لے سکا ہے نہ لے گا۔ ایسے ہی ایک بات کہی ہے کتابوں کو ہاتھوں کا لمس چھو جائے تو یہ احساس زندگی ہے، ہر پڑھنے والے کے لیے۔ کتنا بھی الیکٹرونک میڈیا اس دور میں اسٹرونگ ہو جائے۔ پرنٹ میڈیا کا تعلق انسانی ذہن و دل سے ہے۔ ایک کتاب کو ہاتھ میں لے کر چھونا اور اپنی بصیرت کو استعمال کرنے میں ہمارے وجود کی ایک دائمی شکل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی وہ تخلیق جو ہماری روح میں سربستہ رازوں کی طرح دفن ہے ہر فرد واحد کا وہ حصہ ہے۔

تمہاری بصیرت اور سماعت کے لمس کو نہ دوسرا چھو سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ اس پر غور کیجیے گا بات سمجھ میں آجائے گی۔ اپنے اس تخلیقی عمل کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم جو کچھ پڑھیں وہ کتابی شکل میں ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا یہ انسانی ورثہ ہے جو انسان در انسان انسانوں میں منتقل ہوتا رہا اور اس کو آپ سے نہ کوئی چھین سکا اور نہ چھین سکے گا۔ ہر انسان اپنی تخلیق اور اپنی سماعت و بصیرت کا مالک ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں کہ دنیا سمٹ کر ایک مرکز پر آجائے۔ انسان ایک فٹ کے فاصلے پر بھی نہیں سمجھ پاتے کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے سمجھ رہا ہے اور سوچ رہا ہے۔

ردا کا تخلیقی عمل اپنے انصاف کے مراحل سے گزرتا رہتا ہے۔ اپنی طرف سے ہم بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم کس حد تک اپنے اس عمل میں کامیاب ہوئے ہیں یہ آپ ہمیں سندیسے میں بتائیں گی۔ ہم نے اس بار ایک ایسی لکھاری کو ردا کے لیے منتخب کیا ہے جو یقیناً آپ کو بھی پسند آئیں گی ریحانہ آفتاب کو آپ سلسلے وار ناول میں پڑھ سکیں گے۔

سندیسہ ضرور دیکھیے۔ نئے لکھنے والے ردا گائیڈ کارنر سے رابطہ رکھیے۔

آپی

نوٹ ماہنامہ ردا ڈائجسٹ سمندری میں دستیاب ہے

گل لائبریری مسجد بازار سمندری Tel-0308-7034268

صالحہ محمود

ردا دینی

استغفار اور توبہ کا بیان

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے آدم کے بیٹے جب تک تم مجھ سے دعا کرتے رہو گے اور مجھ سے امیدیں وابستہ رکھو گے میں تم کو معاف کرتا رہوں گا جو گناہ بھی تم نے کیے ہوں گے اور مجھے کچھ پروا نہیں (تم نے کتنے گناہ کیے) اے آدم کے بیٹے، اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تم مجھ سے معافی طلب کرو تو میں تمہیں معاف کردوں گا اور مجھے کچھ پروا نہیں۔ اے آدم کے بیٹے! اگر تم زمین کے برابر گناہوں کے ساتھ مجھ سے ملاقات کرو لیکن جب تیری مجھ سے ملاقات ہو تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں تیرے پاس ان گناہوں کے برابر بخشش کے ساتھ آؤں گا۔'' (ترمذی۔ عن انسؓ)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے استغفار کو لازم کرلیا اللہ تعالیٰ اس کو ہر تنگی سے نکال دیں گے اس کے ہر غم کو دور کردیں گے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائیں گے جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔'' (ابوداؤد، ابن ماجہ۔ عن ابن عباسؓ)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''ایماندار آدمی جب گناہ کرتا ہے تو گناہ کا سیاہ نقطہ اس کے دل پر نمودار ہو جاتا ہے اگر وہ توبہ و استغفار کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ مزید گناہ کرنے لگ جائے تو زنگ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ زنگ اس کے دل پر غالب آجاتا ہے پس یہی وہ زنگ ہے جس کے بارے میں فرمان الٰہی ہے: (ترجمہ) ''ہرگز نہیں بلکہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کے دل زنگ آلود ہیں''۔ (ترمذی، ابن ماجہ۔ عن ابی ہریرہؓ)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتے ہیں جب تک نزع کی حالت طاری نہ ہوجائے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ۔ عن ابن عمرؓ)

(وضاحت: جب تک روح جسم سے نکلنے کے لیے حلق تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک توبہ قبول ہوتی رہتی ہے اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مغرب کی سمت میں توبہ کا دروازہ بنایا ہے جس کی چوڑائی 70 سال کی مسافت کے برابر ہے وہ اس وقت تک بند نہیں ہوگا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا''۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وضاحت ہے: (ترجمہ) ''جس دن تمہارے رب کی بعض نشانیاں آئیں گی تو (اس وقت) کسی نفس کو اس کا ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا''۔ (ترمذی، ابن ماجہ۔ عن صفوان بن عسالؓ)

☆ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت دوں پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں ہدایت عطا کروں گا۔ تم سب محتاج ہو مگر جس کو میں نواز دوں، تم مجھ سے سوال کرو میں تمہیں (نواز) دوں گا۔ تم سب گناہ گار ہو مگر جس کو میں محفوظ کروں، پس تم میں سے جو آدمی اس بات پر

یقین رکھے کہ میں گناہوں کو معاف کرنے پر قدرت رکھتا ہوں اور مجھ سے معافی طلب کرے تو میں اس کو معاف کروں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ اگر تمہارے اگلے پچھلے زندہ، فوت شدہ، جوان اور بوڑھے میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں مچھر کے ایک پر کے برابر بھی اضافہ نہیں ہوگا اور اگر تمہارے زندہ، فوت شدہ، جوان اور بوڑھے ایک چٹیل میدان میں جمع ہو جائیں اور تم میں سے ہر آدمی اپنی اپنی انتہائی آرزو کا سوال کرے اور میں تم میں سے ہر سوال کرنے والے کے سوال کو پورا کروں تو اس سے میری بادشاہت میں اتنی کمی بھی نہیں آئے گی جس قدر کہ تم میں سے ایک آدمی سمندر کے قریب سے گزرے اور اس میں سوئی ڈبوئے پھر اس کو نکال لے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں سخی ہوں۔ بزرگی اور کرم والا ہوں۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ میرا عطا کرنا کلمہ کُن (ہو جا) سے ہے اور میرا عذاب بھی کلمہ کُن سے ہے۔ میں جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو میں کُن کہتا ہوں تو وہ کام ہو جاتا ہے۔'' (ترمذی، ابن ماجہ۔ عن ابی ذرؓ)

ہم مجلس میں رسول کریم ﷺ کے کلمات کو شمار کرتے۔ آپ ﷺ 100 بار یہ کلمات پڑھا کرتے تھے:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَ تُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ

(ترجمہ): ''اے میرے رب مجھے معاف فرمائیے اور میری توبہ قبول فرمائیے بلاشبہ آپ ہی توبہ قبول کرنے والے بخشنے والے ہیں''۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ۔ عن ابن عمرؓ)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مندرجہ ذیل کلمات کے ذریعے اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے گا تو اسے ضرور معاف کر دیا جائے گا۔ اگرچہ وہ میدانِ جہاد سے بھاگا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ

(ترجمہ) ''میں اللہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں وہ ہمیشہ سے زندہ اور قائم ہے اور میں اسی سے توبہ کرتا ہوں۔'' (ترمذی، ابوداؤد۔ عن بلال بن یسار بن یزیدؓ)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''اس آدمی کی (آخرت کی زندگی) نہایت عمدہ ہے جس نے اپنے اعمال میں کثرت کے ساتھ استغفار لکھا ہوا پایا''۔ (ابن ماجہ۔ عن عبداللہ بن بسرؓ)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعتوں کا بیان

ایک مرتبہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ ایک آدمی آیا اس پر چادر تھی اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس کو اس نے چادر میں لپیٹ رکھا تھا۔ اس نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ میں گھنے درختوں کے پاس سے گزرا مجھے وہاں پرندوں کے بچوں کی آوازیں سنائی دیں چنانچہ میں نے انہیں اٹھا کر اپنی چادر میں رکھ لیا۔ ان کی ماں آئی وہ میرے سر پر چکر کاٹنے لگی میں نے اس کے لیے بچوں سے کپڑا اٹھایا تو وہ آ کر ان پر بیٹھ گئی پھر میں نے ان سب کو چادر میں لپیٹ لیا ابھی وہ میرے پاس ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''انہیں نیچے رکھ دو''۔ چنانچہ اس نے انہیں نیچے رکھ دیا بچوں کی ماں ان سے چمٹی رہی، اڑی نہیں۔ اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم بچوں کی والدہ کی شفقت پر جو وہ اپنے بچوں پر کر رہی ہے تعجب کرتے ہو؟ اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بچوں کی والدہ سے زیادہ شفیق ہے۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) تم ان بچوں کو ماں سمیت لے جاؤ اور انہیں وہیں رکھ دو جہاں سے تم نے ان کو اٹھایا تھا'' چنانچہ وہ انہیں واپس لے گیا۔ (ابوداؤد۔ عن عامر الرامؓ) ☆

ملاقات

معروف R.J

قربان علی قاصر

نگہت اکرم

ایف ایم چینل کے چار باصلاحیت نوجوان قربان علی قاصر اپنی آواز کی سحر انگیزی سے سماں باندھ دیتے ہیں۔ جذبہ ایف ایم 904 بورے والا اور 98.6 مظفر گڑھ کے مقبول آر جے ہیں قربان قاصر معروف قاصر معروف شاعر اور کمپیئر بھی ہیں۔ قربان علی قاصر سے ایک ملاقات قارئین ردا کے لیے پیش خدمت ہے۔

☆ السلام علیکم! جی قربان علی قاصر کیسے ہیں آپ؟

وعلیکم السلام! جی اللہ کا بہت شکر ہے، میں بالکل ٹھیک ہوں۔

☆ آپ کا پورا نام کیا ہے؟

قربان علی ہے جب کہ قربان علی قاصر میرا قلمی نام ہے۔

☆ ایف ایم پر کس نام سے منسلک ہیں؟

قربان علی قاصر کے نام سے منسلک ہوں۔

☆ آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے اور آپ کہاں پیدا ہوئے؟

جی میں 10 اگست 1986ء کو تحصیل بورے والا کے علاقے گلستان کالونی میں پیدا ہوا۔

☆ ایف ایم کے علاوہ آپ کی روزمرہ زندگی کی کیا مصروفیات ہیں؟

میں شعبہ تدریس سے وابستہ ہوں اور تحصیل بورے والا میں شعبہ اردو کے صدارتی حیثیت سے فرائض انجام دے رہا ہوں۔ اس کے علاوہ بورے والا میں ہونے والی زیادہ تر سرکاری اور غیر سرکاری تقریبات کو Host بھی کرتا ہوں اور لوگ اس حوالے سے بھی مجھے جانتے ہیں۔

☆ ایف ایم پر کس نے متعارف کروایا؟

مجھے سارے تلاش کرنا یا شارٹ کٹ اختیار کرنا بالکل اچھا نہیں لگتا۔ اللہ پر بھروسا رکھتا ہوں۔ خود ہی سی وی جمع کرائی پھر باقاعدہ طور پر انٹرویو دے کر میرٹ کے مطابق منتخب کیا گیا تھا۔

☆ پہلا پروگرام کہاں سے کیا؟

جذبہ ایف ایم 904 بورے والا کے اسٹوڈیو سے۔

☆ آپ اسٹیج پروگرام بھی Host کرتے ہیں۔ ایف ایم پر پروگرام کیا تو کیا فرق محسوس ہوا؟

اسٹیج اور ایف ایم پر بولنا بہت مختلف ہے۔ اسٹوڈیو میں اکیلے بولنا پڑتا ہے جیسے بندہ دیواروں سے باتیں کرتا ہے لیکن اسٹیج پر لوگوں کے سامنے تاثرات بھی ہوتے ہیں سو وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔

☆ آج کل آپ کو کون سے پروگرامز یا شوز کر رہے ہیں؟

آج کل میں ہفتے کی شب پروگرام ''میرے ساتھ'' جب کہ اتوار کی شب پروگرام بزم غزل کر رہا ہوں یہ دونوں پروگرامز بورے والا اور مظفر گڑھ سے بیک وقت آن ایئر ہوتے ہیں۔

☆ آپ کے کس پروگرام کو زیادہ شہرت ملی؟

میرے دونوں پروگرامز کا فارمیٹ مختلف ہے اور دونوں پروگرامز کا فارمیٹ مختلف ہے اور دونوں پروگرامز ہی لوگ پسند کرتے ہیں لیکن بزم غزل کو زیادہ شہرت ملی ہے۔

☆ آپ شو کرتے ہوئے کن موضوعات پر بات کرتے ہیں؟

موضوع تو ہر بار مختلف ہوتا ہے لیکن زیادہ تر میری کوشش ہوتی ہے کہ میرے موضوعات انسان اور محبت سے متعلق ہوں۔ کیونکہ محبت ایک عالمگیر اور لطیف جذبہ ہے جس کی انسان کو ہمیشہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

☆ کبھی ایسا ہوا کہ آپ پروگرام نہ کرنا چاہیں لیکن کرنا پڑے۔

جی ہاں کئی بار ایسا ہو جاتا ہے لیکن پھر شروع کرنے کے بعد سامعین کے بہترین رسپانس سے ان میں گھل مل جاتا ہوں۔ مزاج نہ بھی ٹھیک ہو تو ہو جاتا ہے۔

☆ سننے والے آپ کے پروگرام میں کس چیز کی زیادہ تعریف کرتے ہیں اور کیسا فیڈ بیک ملتا ہے؟

سننے والے ہمیشہ بہت محبت اور اچھے فیڈ بیک سے نوازتے ہیں اور پروگرامز میں جو چیز انہیں بھاتی ہے وہ اظہار زیادہ کرتے ہیں اس میں بیک گراؤنڈ میوزک، شو کا موضوع اور میرے لب و لہجے اور انداز بیان کے حوالے سے۔

☆ تقدیر یا قسمت پر بھروسا کرتے ہیں یا محنت پر؟

تقدیر اور قسمت کی حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہو سکتا۔ یہ تقدیر ہی ہے کوئی انسان محل میں آنکھ کھولتا ہے اور کوئی جھونپڑی میں لیکن میرا یقین ہے کہ صدق دل سے محنت کی جائے اور ہمیشہ دوسروں کا اچھا اور بھلا سوچا جائے تو تقدیر بدل جاتی ہے اور اللہ منزلیں آسان کر دیتا ہے۔

☆ آپ کے خیال میں غم کی حقیقت کیا ہے؟

اصل میں غم بذاتِ خود ایک حقیقت ہے جو کانٹے کی طرح چبھ کر اپنے ہونے کا احساس دلاتا ہے۔ غم اصل میں کچھ گنوا دینے اور کھو دینے کا احساس ہے۔

☆ کوئی ایسا غم جو آپ کو یاد رہتا ہو؟

غم کھونے کا نام ہے اور جو غم ہمیشہ میرے دل میں تازہ رہتا ہے وہ میرے والد محترم حاجی نذر محمد گورایہ کی وفات ہے، ان کی کمی کا احساس قدم قدم پر دامن گیر ہو جاتا ہے۔

☆ کھانے میں شوق سے کیا کھاتے ہیں؟

ساگ، بریانی، کڑاہی، پکوڑے زیادہ پسند ہیں۔

☆ کیسا لباس پہننا پسند کرتے ہیں اور کون سا رنگ زیادہ پسند ہے؟

شلوار قمیض اور پینٹ شرٹ سب پہن لیتا ہوں۔ رنگ جو دل کو لگ جائے پہن لیتا ہوں۔ کالا رنگ زیادہ پسند ہے۔

☆ کس ساتھی پریزینٹر کے ساتھ شو کرنے میں مزا آتا ہے؟

میں ذرا دھیمے لہجے میں گفتگو پسند کرتا ہوں سو وہ دوست جو میرے مزاج کے ہیں ان کے ساتھ شو کرنا اچھا لگتا ہے۔

☆ ایک اچھے اور معیاری پروگرام میں آر جے کا کتنا ہاتھ ہوتا ہے۔

پروگرام کی تمام تر ذمہ داری آر جے پر ہوتی ہے وہ ہی لوگوں کی طبیعتوں کو سمجھتے ہوئے اور ان کی پسند کو جانتے ہوئے پروگرام کو اچھا اور بہتر بنا سکتے ہیں۔

☆ ایک مثالی آر جے کا کیا کردار ہونا چاہیے؟

آر جے کو ہزاروں اور لاکھوں لوگ سن رہے ہوتے ہیں اسے ہمیشہ معاشرتی تقاضوں اور اخلاقی قدروں کو مدنظر رکھتے ہوئے معاشرے کی اقدار کو سمجھتے ہوئے پروگرام کرنا چاہیے، معیاری اور بہترین تفریح کا سامان کرتے ہوئے معاشرے میں اصلاح کی کاوش بھی ضرور کرنی چاہیے۔

☆ دوستوں کو SMS کرنا اچھا لگتا ہے یا کال کرنا۔

میسج کرنے میں وقت لگتا ہے میں زیادہ کال ہی کر لیتا ہوں۔

☆ آپ کی کامیابی کا راز کیا ہے؟

سب سے پہلے تو یہ کہوں گا کہ اللہ کا فضل ہے اور پھر ماں باپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

☆ کون سا موسم من کو بھاتا ہے؟

سردیوں کا موسم اچھا لگتا ہے اور بہار تو پھر سب کو ہی پسند ہے۔

☆ ایف ایم کے معیار سے مطمئن ہیں؟

جی ہاں مطمئن ہوں لیکن بہتری کی گنجائش ہمیشہ اور ہر جگہ رہتی ہے۔

☆ کن لوگوں پر رشک آتا ہے؟

ان لوگوں پر جن کو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے کام کرنے کی بہت توفیق دے رکھی ہو اور وہ انسانیت کی بھلائی اور ترقی کے لیے کوشاں بھی ہوں۔

☆ کیا پہلی نظر کی محبت پر یقین رکھتے ہیں؟

جی بالکل، محبت خوشبو ہے جس کو پہلی نظر میں محسوس کر لیا جاتا ہے یا پھر محبت روشنی ہے جو دور دور اندھیروں میں رہنا بتا دیتی ہے۔

☆ آپ کے پروگرامز کہاں کہاں سنے جاتے ہیں؟

جذبہ نیٹ ورک بورے والا، مظفر گڑھ، منڈی بہاؤ الدین، خوشاب، قصور میں سنا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ انٹرنیٹ پر بہت دور دراز کے علاوہ میں بھی سنا جاتا ہوں۔ کبھی کبھی دبئی، بحرین، سعودی عرب، کراچی سے بھی فون کالز آتی ہیں۔

☆ آپ شعر بھی کہتے ہیں یہ سلسلہ کب سے ہے؟

جی شاعری بھی کرتا ہوں زمانہ طالب علمی سے شعر کہہ رہا ہوں۔

☆ کوئی کتاب بھی آئی ہے؟

میرا شعری مجموعہ فروری 2012ء میں منظر عام پر آیا تھا۔

☆ آپ کے شعری مجموعہ کا نام کیا ہے؟

میرے پہلے شعری مجموعے کا نام ''کچھ دیر ٹھہر جاؤ'' ہے۔

☆ پھر تو آپ مشاعروں میں بھی شرکت کرتے ہوں گے؟

جی بالکل! اب تک بہت سے مشاعرے پڑھ چکا ہوں۔ اعتبار ساجد، انور مسعود، کرامت بخاری، وصی شاہ، نوشی گیلانی، رضا ٹوانہ اور بہت سی شخصیات کے ساتھ بھی مشاعرے پڑھے ہیں۔

☆ کیا آپ خود بھی ایف ایم کے شوز سنتے ہیں؟

جی جب بھی ٹائم ملتا ہے میں ایف ایم ضرور سنتا ہوں۔

☆ کیا پروگرامز کرنے سے پہلے تیاری کرتے ہیں؟

کبھی کبھار کر لیتا ہوں۔

☆ ردا ڈائجسٹ کے بارے میں آپ کی رائے؟

ردا ڈائجسٹ ہمارے گھر میں پڑھا جاتا ہے۔ معیاری اور خوب صورت تحریروں سے مزین ہوتا ہے۔ آج کل تو نیٹ پر دستیاب ہے۔

☆ قارئین کے لیے کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

صدق دل سے محنت کی جائے۔ ہمیشہ دوسروں کا اچھا اور بھلا سوچنا چاہیے۔

☆ قربان علی قاصر آپ کا بہت شکریہ آپ نے ردا کے لیے ٹائم نکالا۔

آپ کا بھی بہت شکریہ آپ نے مجھے موقع دیا اور ردا کی ساری ٹیم کا بھی بے حد شکریہ۔ ☆☆

قمر وش عشہک

سلسلے وار ناول

صحرائی گلیوں میں عشق

''یہ وقت نہ ہی لڑنے جھگڑنے کا ہے اور نہ ہی ایک دوسرے پر طعنے تشنے کرنے کا اصل مدعا ہے بریزے کو ڈھونڈنے کا اور کچھ ہی دیر میں سہد وڑائچ کا فون آنے والا ہے پھر اپنی اپنی بک بک ان کے سامنے ہی

کرنا''۔ ازابیلا نے سنیتا بائی کو غصے سے دیکھنے کے بعد انیق واحدی کو دیکھا پھر اپنے سیل فون سے چوکیدار کا نمبر ڈائل کیا تھا' چوکیدار سے بریزے کے بارے میں پوچھا۔

''کیا ہوا؟'' اس نے فون آ کر دیا انیق واحدی نے پوچھا۔

''چوکیدار کہہ رہا ہے کہ یہاں سے کوئی لڑکی نہیں گئی بلکہ باہر جانے والے ہر لڑکی ہر شخص کی ویڈیو جو ریکارڈ کی گئی ہے وہ دیکھ لیں آ کے''۔

''چلو تو پھر وہیں چلتے ہیں''۔ وہ تینوں باہر نکلے تھے۔

☆☆☆☆

سید اذکار علوی کی نیو ماڈل وائٹ کار کوئی رش ڈرائیونگ کرتے ہوئے پندرہ بیس منٹ میں سید ولا' پہنچی

قسط نمبر 6

ہوگی چوکیدار نے فوراً اسے بیشتر دروازہ پورا کھول دیا تھا' سید اذکار علوی کی گاڑی اندر پورچ میں آ کر رکی تھی وہ گاڑی سے نیچے اترا اور تیزی سے پیچھے کا دروازہ کھول کر بے سدھ پڑے اس وجود کی سمت جھکا تھا گاڑی ڈرائیو کرتے وقت بریزے کے چہرے سے وہ چادر ہٹ چکی تھی جو سحر بانو نے اس پر ڈالی تھی۔ سید اذکار علوی جیسا اسٹرونگ مضبوط کردار کا مالک نفس کے گھوڑوں پر لگام ڈالنے والا شخص ایک لمحے کے لئے اس کے مضبوط قدم ڈگمگائے تھے دل پہلی بار الگ ہی تال میں دھڑکا تھا' نظروں کی گرفت میں یہ چہرہ جیسے قید ہو گیا ہو' بے شک اس نے حسن و خوبصورتی کے بے شمار الگ الگ رنگ دیکھے تھے اس سرزمین پر اس کائنات پر ہر ذرے پر الگ الگ شکلوں میں حسن پھیلا ہوا ہے ایک سے ایک حسن کی ملکہ دولت مند خوبصورت دوشیزائیں اس کی راہ میں حائل ہوئی تھیں جن کو اس نے بڑی بے دردی سے نظر انداز بھی کیا تھا جو زبردستی اس سے دوستی محبت کی خواہش مند تھیں بڑی بے رحمی و سختی سے اس نے ان سب کو دھتکارا بھی تھا کبھی کسی خوبصورت اپسرا نے اس کا دل اٹریکٹ نہیں کیا کبھی کسی کے لئے اس کا دل دھڑکا نہیں' کسی کے لئے جھکا نہیں' اس کا کردار' مضبوط ارادوں کا مالک' شفاف و صاف رہا تھا۔ مگر آج اس لمحے وہ سارے مضبوط ارادے جیسے ڈانواں ڈول ہوتے نظر آ رہے تھے قدم ڈگمگا رہے تھے' دل جیسے اس خوبصورت چہرے کی جانب کھنچا چلا جا رہا تھا۔

''اذکار''۔ سید آغا شہباز علوی کی آواز نے وہ فسوں خیز سحر توڑ دیا تھا وہ جو بریزے کی بے انتہا خوبصورتی کی گرفت میں قید ہو گیا تھا لمحوں بھر کی وہ گرفت ٹوٹ چکی تھی۔ اس نے مزید جھک کر اس نازک کانچ کے مجسمے کو اپنی مضبوط بانہوں میں بھرا اور اندر کی سمت بڑھنے لگا۔ سید آغا شہباز علوی کے برابر والا کمرا ہر روز صاف کیا جاتا تھا جہاں ضرورت کی ہر شے پہلے سے ہی رکھ دی گئی تھی' سید آغا شہباز علوی جانتے تھے کہ ایک نہ ایک دن ان کی لخت جگر ان کا خون ان کی پوتی کو سید اذکار علوی لے کر آئے گا اور آج اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا اپنا کہا سچ کر دیا تھا' انہیں اپنے جان سے عزیز پوتے سید اذکار علوی پر فخر تھا۔

''آئی ایم پراؤڈ آف یو مائی سن''۔ فرط جذبات سے انہوں نے سید اذکار علوی کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا' ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔

''تھینک یو سو مچ''۔ سید آغا شہباز علوی نے اس کے دونوں مضبوط شانوں پر اپنے ہاتھ رکھے تھے۔

''دادا جان! آپ مجھے تھینک یو مت کہئے کیونکہ یہ میرا فرض ہے بریزے میرے ذمے داری ہے اور اگر آج خدانخواستہ دیر ہو جاتی وقت پر یہ کام نہ ہوتا تو شاید میں زندگی بھر نہ آپ کے سامنے فخر سے کھڑا رہ سکتا تھا اور نہ ہی خود سے نظر ملا سکتا تھا''۔

''مگر میرا ایمان تھا اپنے رب پر کہ وہ کبھی میرا بھروسہ میری امید نہیں توڑے گا وہ کبھی تمہیں ناکام نہیں لوٹائے گا اور جس راستے پر تم چل نکلے ہو انشاء اللہ اس میں بھی تمہیں کامیابی ہوگی''۔

''انشاء اللہ دادا جان! آپ کی دعائیں چاہئیں''۔

''میری ساری دعائیں میرے بچوں کے لئے ہیں''۔ سید آغا شہباز علوی نے بیڈ پر بے سدھ لیٹی بریزے کو دیکھا۔

''آج میرے جسم میں تم نے جیسے ایک نئی روح پھونک دی ہے''۔ سید اذکار علوی کی نظر پلٹ کر اس چہرے کا طواف کرنے لگی تھی اس روپ سروپ میں اس کا ہوشربا حسن بے انتہا خوبصورتی مزید دوچند ہو گئی تھی اور اس سے پہلے کہ دل مزید بہکے اس نے نظروں کا ارتکاز بدل لیا تھا۔

''دادا جان! مجھے اب چلنا چاہئے رات کے ڈنر پر ملاقات ہوگی''۔

''مگر بیٹا! اتنی جلدی اور اگر بریزے بیٹی کو ہوش آ گیا''۔

''فکر مند مت ہوں دادا جان میں جلد ہی آ جاؤں گا' ذاکر حیات سے میرا ملنا بہت ضروری ہے اور رہا بریزے کا تو انشاء اللہ میں اس کے ہوش میں آنے سے پہلے آ جاؤں گا''۔ اور پھر سید اذکار علوی رکا نہیں ایک غلط نگاہ اس سوئے ہوئے وجود پر ڈالتا ہوا پلٹ کر باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ سید آغا شہباز علوی نے تشکر بھری نظروں سے جاتے ہوئے اپنے جگر گوشے کو دیکھا پھر پلٹ کر اپنی نور نظر کی طرف بڑھے اور جھک کر اس کی پیشانی پر محبت شفقت سے ہاتھ پھیر کر نرمی سے بوسہ لیا تھا۔ آج دل کو اتنا سکون چین قرار ملا تھا جس کا کوئی حساب نہیں وہ جو کتنے سالوں سے خواب میں اپنے بیٹے کو بے چین اذیت میں تکلیف میں دیکھ رہے تھے یقیناً آج اس کی روح کو بھی سکون مل گیا ہوگا کہ ان کی بیٹی اپنے دادا جان کے پاس آ گئی ہے۔

☆☆☆☆

وہ تینوں ایل سی ڈی کی اسکرین پر آج سارے دن کی ویڈیو دیکھ رہے تھے مگر بریزے کو باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے جان سولی پر اٹکنے جا رہی ہو' سنیتا بائی تو تقریباً پوری طرح پسینے میں شرابور ہو گئی تھی۔ ہوش و حواس اڑنے کی باری تو اب تھی تینوں کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی کہ سہد وڑائچ کا فون اب کے ازابیلا کے فون پر آ رہا تھا۔

''کیا کروں کیا کہوں سہد وڑائچ سے''۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے تھے فون کی اسکرین پر سہد وڑائچ کی تصویر جگمگا رہی تھی بیل مسلسل ہو رہی تھی ایک دفعہ تو لائن منقطع ہو گئی کہ سہد وڑائچ نے ایک بار پھر فون کیا تھا۔ تینوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑے ہوئے تھے' ازابیلا نے سنیتا بائی اور انیق واحدی کو دیکھتے ہوئے بالآخر فون اٹھا ہی لیا تھا کہ بات تو بہر حال کرنی تھی۔

''ہیلو''۔ ازابیلا نے فون ریسیو کیا ویڈیو کال میں اسکرین پر سہد وڑائچ نہایت غیض و غضب کی حالت میں تھا۔

''کہاں مر گئے تھے تم سب انیق واحدی اور سنیتا بائی کا فون آف جا رہا تھا اور تم میرا فون ریسیو نہیں کر رہی تھیں کیا چل کیا رہا ہے وہاں''۔ سہد وڑائچ آگ اگل رہا تھا ٹھیک ٹھاک انگارے چباتا ہوا ازابیلا پر برسا تھا۔

''پہلے تو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے کیا بولے۔ مگر چپ رہنا بھی ایسا تھا خود کی شامت کو آواز دینا۔

''اب خاموش کیوں ہو گئی ہو بولتی کیوں نہیں ہو کچھ؟''

''اصل میں سہد صاحب بات یہ ہے کہ بریزے کا کہیں کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے''۔ آنا کانی سے بہتر تھا کہ سچ ہی بول دیا جائے اور اس کے سچ پر سنیتا بائی نے نہایت گھور کر اسے دیکھا تھا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے ثابت سالم ہی نگل جائے مگر ازابیلا نے اس کی گھوریوں کی رتی بھر پرواہ نہیں کی تھی جو کل ہونا ہے اچھا ہے وہ آج ابھی ہو جائے۔

''تم جانتی ہو تم کیا بک رہی ہو سنیتا بائی کہاں دفع ہو گئی ہے اس کو فون دے''۔

کبھی تم کبھی تو سے بات کرنا سہد وڑائچ کا اپنا انداز تھا۔

''میرے سامنے ہی کھڑی ہیں''۔ اور پھر اپنا ٹیبلٹ فون کا رخ ازابیلا نے سنیتا بائی کی جانب موڑ دیا تھا وہ کیوں زبردستی کی بے عزتی برداشت کرتی۔

''یہ پاکستان ہے یا کم کا میلہ جو یہاں کھو جاتا ہے تو ملتا ہی نہیں پہلے سبکتگین پھر عابد جوفا اور اب بریزے لگتا ہے مجھے اب پاکستان آنا ہی پڑے گا کیونکہ اب تم لوگوں کے تو بس میں کچھ رہا نہیں جو کرنا ہے مجھے ہی کرنا ہے ویٹ اینڈ واچ''۔ اور پھر کھٹ سے لائن ہی ڈراپ کر دی مزید آگے کچھ بات کئے۔

''اری او ازابیلا تو کوئی بہانہ نہیں بنا سکتی تھی سچائی پھوٹنا ضروری تھا کیا''۔ سنیتا بائی نے ازابیلا کو زہریلی نظروں سے دیکھا تھا۔

''اس میں برائی ہی کیا ہے اور پھر میں کیوں سہد وڑائچ کی اتنی بکواس سنو غلطی تمہاری ہے تم ہی بھگتو''۔ وہ خود کو صاف بچا رہی تھی۔

''تیرا مطلب کیا ہے بریزے کو میں نے کہا تھا کہ تو بھاگ جا''۔

''میں اس وقت بحث کے موڈ میں نہیں ہوں''۔ اسی اثناء میں اس کا فون بجنے لگا جہاں ٹام کروز کا لنگ اسکرین پر جھلملا رہا تھا۔

''میں جا رہی ہوں ٹام کروز کے پاس کچھ دیر میں آتی ہوں''۔ اور پھر وہ ایک لمبا فریش سا سانس لیتی چہرے پر بشاشت سجاتی ٹک ٹک کرتی نکلتی چلی گئی تھی۔

''اس ذکی کے بچے کے چکر میں یہ ازابیلا بالکل اندھی ہوگئی ہے''۔

''میرا تو خیال ہے کہ اس ذکی کے بچے نے ہی ابھی کچھ دن پہلے تمہیں دو لاکھ دیئے ہیں''۔ انیق واحدی نے بغور سنیتا بائی کا چہرہ دیکھا تھا۔

''ہاں تو دیئے ہیں تو کوئی احسان تھوڑی کیا ہے میری بھی سب سے حسین خوبصورت لڑکی کے ساتھ وقت گزارتا ہے''۔ سنیتا بائی تھوڑی ہی دیر کو گڑبڑائی تھی۔ انیق واحدی نے نفی میں سر کو ادھر ادھر ہلایا تھا۔

''اچھا ان سب کو چھوڑو ہم نے آج سارا دن کی ویڈیو دیکھ لی مگر بریزے باہر جاتی نظر نہیں آئی۔ اس کا مطلب اس چار سو گز کے بنگلے میں کسی کونے کھدرے میں چھپی بیٹھی ہے چلو ہم دونوں ایک بار پھر خود تلاش کرتے ہیں''۔

''یہ ٹھیک ہے چل مجھے تو ابھی سے ہول اٹھ رہے ہیں سہد وڑائچ بہت خطرناک بندہ ہے اگر اس کو اس کا شکار نہیں ملا تو وہ ہم سب کو چھیڑ پھاڑ کے رکھ دے گا''۔ سنیتا بائی بہت زیادہ ڈر گئی تھی دونوں اندر کی جانب بڑھ گئے تھے۔

☆☆☆☆

''کیا کیا تم نے سبکتگین تمہیں اس کا رتی بھر بھی اندازہ ہے تم نے آج مجھے جیتے جی اندھیری گہری قبر میں زندہ دفن کر دیا میں مر گئی سبکتگین میں آج مر گئی''۔ امبرین سبکتگین حیدر ترمذی کی شرٹ کا کالر گھسیٹتی ہوئی زمین پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ سبکتگین حیدر ترمذی جو سناٹے صدمے کی کیفیت میں تھا بالکل گم صم جس کو کچھ ہوش نہیں تھا امبرین ترمذی کی چیخوں ان کے بین پر ان کے نہ رکنے والے آنسوؤں پر اس کا دل و دماغ یکدم سے بری طرح دھڑکنے لگا تھا اس کو اس پل شدت سے محسوس ہوا کہ اس کی آنی مما اسے چھوڑ کے ہمیشہ کے لئے بہت دور چلی گئی ہیں ان کی وہ نظریں ان نظروں کے سوالات شکوے شکایات ان میں چھپے گلے' بے بسی نے سبکتگین حیدر ترمذی کو پورے وجود سمیت زمین کے اتھاہ گہرائیوں میں جیسے دفن کر دیا تھا اس پل وہ اپنے آپ سے جتنا ہو سکتا تھا اس نے نفرت کی اپنے وجود سے اسے گھن آنے لگی کراہیت آنے لگی تھی۔

''نہیں' میں کیسے برداشت کر لوں ان کی وہ نظریں میں نے غلطی نہیں بہت بڑا گناہ کیا ہے اپنی آنی مما کا دل دکھایا ہے' ان کی آنکھوں میں آنسو دیئے ہیں مجھے جینے کا کوئی حق نہیں ہے' اس دنیا میں میرے جینے کا کوئی حق نہیں ہے میری یہ زندگی میرے لئے ایک سزا ہے''۔ وہ خود ہی زور زور سے بڑبڑا رہا تھا۔ اور پھر تیزی سے اپنی بائیک کی چابی اٹھائی ایک لمحے میں وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''سبکتگین سبکتگین کہاں جا رہے ہو؟'' امبرین کو اس کے ارادے خطرناک لگ رہے تھے اس کا یہ انداز بتا رہا تھا کہ یقیناً کچھ بہت برا ہونے والا ہے امبرین تیزی سے اس کے پیچھے بھاگی تھیں۔

''سبکتگین میں کہتی ہوں رک جاؤ''۔ مگر وہ تو جیسے اندھا بہرا گونگا ہو گیا تھا امبرین کی تڑپتی پکار اس کے کانوں میں جا ہی نہیں رہی تھی اس نے تیزی سے بائیک اسٹارٹ کی اور فراٹے سے بائیک بھگا لے گیا۔

''یا اللہ! میرے بچے کی حفاظت کرنا''۔ سبکتگین حیدر ترمذی کے اس طرح اندھا دھند بائیک بھگا کر لے جانے سے امبرین کا دل کانپ اٹھا تھا۔

''کیا کروں میں میرے اللہ میرا بچہ''۔ امبرین نے اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ آسمان کی سمت اٹھایا تھا بے بسی ہی بے بسی تھی۔

''عفان..... ہاں عفان کو فون کروں جلدی سے''۔ وہ اندر گئیں اور عفان ترمذی کا نمبر ڈائل کیا تھا۔ کوئی پندرہ منٹ میں ہی خبر آ گئی تھی کہ سبکتگین حیدر ترمذی کا بہت ہی بری طرح جان لیوا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ اس وقت امبرین اور عفان ترمذی آغا خان اسپتال کے آئی سی یو کے دروازے کے پاس کھڑے شیشے کے اس پار بے شمار پلاسٹر' پٹیوں' آکسیجن' نلکیوں' ڈراپ' انجکشن میں جکڑے سبکتگین کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

''عفان!'' ایک ماں کی تڑپتی بے بسی آہ پر شاید یہ آسمان تو ضرور ہی لرز ہی گیا ہوگا' یہ قدموں کے نیچے کی زمین تو ضرور پھٹ گئی ہوگی عفان نے ان کی آہ زاری پر امبرین کو گہری نظروں سے تکا تھا' ان کی رنگت بالکل سفید پڑ چکی تھی چند ہی گھنٹوں میں امبرین کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے' گلابی ہونٹ سوکھ کے رہ گئے تھے' سبکتگین حیدر ترمذی کی جدائی کہیں ان کی جان ہی نہ لے لے۔ عفان ترمذی ایک مرد تھے جو مضبوط تھے اور ان کو اپنی مضبوطی کا مظاہرہ کرنا ہی ہوگا' امبرین کو سنبھالنا ہوگا' انہوں نے امبرین کے ناتواں شانے پر اپنا بازو پھیلا دیا تھا۔

''حوصلہ رکھیں انشاء اللہ ہمارے سبکتگین کو کچھ نہیں ہوگا''۔ ہاری ہوئی جھوٹی تسلی پتہ نہیں کس کو دی تھی امبرین کو یا خود کو۔

''مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا عفان! حوصلہ کہاں سے لاؤں میرا بچہ بہت تکلیف میں ہے درد ہے اسے''۔ آنکھوں سے اشک متواتر بہہ رہے تھے۔

''میرا دل پھٹ جائے گا عفان!'' انہوں نے عفان ترمذی کے چوڑے شانے پر اپنا سر دھر دیا تھا۔ ڈاکٹر راحیل آئی سی یو سے باہر آ گئے تھے عفان ترمذی اور امبرین بڑی بے صبری اور تیزی سے ان کے پاس بڑھے تھے۔

''ڈاکٹر صاحب! میرا بچہ میرا بیٹا ٹھیک ہے نا''۔ امبرین کے بے تحاشہ بہتے ہوئے آنسوؤں نے وہاں کے در و دیوار تک ہلا کے رکھ دیئے تھے۔

''اللہ کا شکر کریں کہ سبکتگین کی زندگی بچ گئی یقیناً کوئی دعا کوئی نیکی ان کی موت کے آڑے آ گئی جو وہ سانسیں لے رہے ہیں مگر''۔ ڈاکٹر راحیل آگے کچھ کہتے کہتے رک گئے تھے۔

''مگر''۔ عفان ترمذی نے چونک کر ڈاکٹر راحیل کو دیکھا تھا' امبرین کا دل بھی اس مگر پر دھڑکا تھا۔ ڈاکٹر راحیل پر سوچ نظروں سے دونوں کو دیکھنے لگے کہ آیا یہ خبر ان کو سنانی چاہئے۔

''ڈاکٹر! آپ بلا جھجک کہئے کچھ بھی مت چھپایئے''۔ امبرین نے بہت سا حوصلہ و ہمت مجتمع کر کے کہا

تھا۔ ڈاکٹر راحیل نے ایک لمبی سانس لی تھی۔

''سبکتگین کے اس جان لیوا حادثے کی وجہ سے ان کی ایک کڈنی ضائع ہوگئی ہے''۔

''وہاٹ''۔ عفان ترمذی لمحے بھر کو چکرا کر رہ گئے تھے امبرین کی آنکھ کے گرد تو جیسے اندھیرا چھا گیا ہو جس ہمت سے انہوں نے حوصلہ جمع کیا تھا لمحے بھر میں وہ سب ٹوٹتا چلا گیا تھا' سارا حوصلہ و ہمت زیرو بم ہوگیا اور وہ زمین پر بے جان ہو کر گرتی چلی گئی تھیں ڈاکٹر راحیل کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا' امبرین کو جلدی سے ٹریٹمنٹ دی گئی تھی۔

☆☆☆☆

ایک ماہ بعد سبکتگین حیدر ترمذی گھر آیا تھا' سبکتگین حیدر ترمذی کی وجہ سے ان لوگوں نے گھر شفٹ کر لیا تھا' وہ جانتے تھے کہ سبکتگین حیدر ترمذی سے جو انجانے میں غلطی سرزد ہوئی ہے وہ کبھی بھولنے والی تو نہیں ہے مگر اپنی زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان یادوں ان باتوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا جائے۔

''سبکتگین بیٹا! دیکھو میں نے تمہارا فیورٹ میکرونی رائس بنایا ہے یہ کھالو پھر دوائی بھی لینی ہے''۔ امبرین نے کھانے کی ٹرے اس کے پاس ہی رکھی تھی جسے سبکتگین حیدر ترمذی نے صرف ایک نظر دیکھا تھا اور خاموشی سے رخ پھیر لیا تھا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے ماما!'' بس اس ایک ماہ کے عرصے میں جو سبکتگین حیدر ترمذی نے امبرین سے جو بات کی تھی وہ یہی ایک جملہ مجھے بھوک نہیں ہے ماما۔

''سبکتگین کب تک اور کب تک میری ممتا کا امتحان لو گے اس آزمائش میں کب تک میں اور جکڑی رہوں گی تمہاری یہ چپ یہ گہری گھمبیر خاموشی یہ قفل کب ٹوٹے گا میرے بچے اس طرح کیسے زندگی گزارو گے کیوں نہیں سمجھتے اپنی خاموشی کی مار سے تم مجھے زندہ قبر میں اتار رہے ہو' تمہیں اس طرح اداس' افسردہ غمگین اپنی زندگی سے منہ موڑتا دیکھ کر تمہارے ماں' باپ تل تل مر رہے ہیں''۔ امبرین بلک اٹھی تھیں ان کا دل درد سے پھٹنے لگا تھا' ان کی تڑپ ان کے بہتے آنسوؤں نے سبکتگین حیدر ترمذی کے اندر ٹھہرے تلاطم کو اندر کے طوفان کو آج راستہ دے دیا تھا۔

''ماما!''

''رولو میری جان آج اپنا سارا دکھ درد سارے آنسوؤں کو بہہ جانے دو''۔ ان کی نرم و گرم آغوش میں چھپا سبکتگین حیدر ترمذی اپنا سارا درد آنسوؤں کے ذریعے بہہ رہا تھا۔

''ماما! میں کبھی خود کو معاف نہیں کر پاؤں گا خود سے نظریں نہیں ملا پاؤں گا زندگی بھر جو غلطی میں نے کی ہے اس کی کوئی معافی نہیں تلافی نہیں میں نے ان کو دکھ دیا تکلیف دی جس سے میں نے سب سے زیادہ محبت کی جنہوں نے مجھے سب سے زیادہ پیار دیا' میری ہر خواہش ہر فرمائش پوری کی میں نے ان کا اعتبار' اعتماد بھروسہ چکنا چور کر دیا''۔ امبرین صرف خاموشی سے سن رہی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں وہ سچ بول رہا ہے نادانستگی میں کیا گیا یہ گناہ یہ غلطی بہت سے رشتے توڑ گئی ہے ایک دوسرے کو جدا کر گئی ہے جتنا افسوس دکھ جتنی تکلیف سبکتگین حیدر ترمذی کو تھی اس سے کہیں زیادہ تکلیف میں امبرین تھیں کہ ان کی ماں جیسی چاہنے والی پیار کرنے والی بہن ان کو چھوڑ کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چلی گئیں۔

''ماما! آج سے میں نے خود پر ہر خوشی حرام کر لی ہے' میں اندر سے مر گیا ہوں ماما ٹوٹ کے بکھر گیا ہوں جس

کو کرچیاں روم روم زندگی بھر چبھتی رہیں گی میں جینا نہیں چاہتا ماما''۔ وہ ایک بار پھر بکھر کے رہ گیا۔

''اور ہم لوگ میں تمہاری ماما! تمہاری زندگی میں ہم کہیں نہیں ہیں تمہاری زندگی میں ہماری کوئی جگہ کوئی حیثیت نہیں ہے''۔ عفان ترمذی بہت دیر سے امبرین کے پیچھے کھڑے سب سن اور دیکھ رہے تھے ان کی آواز پر سبکتگین حیدر ترمذی نے امبرین کی آغوش سے سر اٹھایا تھا۔

''پاپا!''

''کتنی آسانی سے تم نے کہہ دیا کہ میں جینا نہیں چاہتا ہر خوشی خود پر حرام کر لی ہے اور ہم کہاں ہیں جو صرف تمہیں دیکھ دیکھ کر جی رہے ہیں''۔ عفان ترمذی نے امبرین کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔

''عفان''۔ امبرین نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

''مت روکئے مجھے بولنے سے بولنے دو مجھے سبکتگین کو معلوم ہونا چاہئے جو آج بستر پر لیٹا صرف اپنا غم اپنا درد منا رہا ہے جس کو ہمارے دکھ کی رتی بھر پرواہ نہیں ہے اس ایک ماہ میں جو تمہاری حالت ہوئی ہے وہ سب پتہ چلنا چاہئے''۔

''پلیز عفان! خاموش ہو جایئے نا سبکتگین بہت پریشان ہے''۔ انہوں نے التجائی نظروں سے عفان کو دیکھا تھا۔

''تو پریشان ہے اور ہم..... ہم پریشان نہیں' تم جو اس گزرے ایک ماہ میں دل کی مریض بن چکی ہو تم بھی تو بیمار ہو ایک سو چار ایک سو پانچ سے کم بخار نہیں رہتا اس کا احساس ہے تمہارے بیٹا اپنی زندگی سے چھٹکارا چاہتا ہے اور جو ہم تم قطرہ قطرہ مر رہے ہیں اس کا احساس ہے تمہارے بیٹے کو''۔ یہ سب سن کر سبکتگین حیدر ترمذی سن ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اتنا بے خبر انجان تھا وہ کر اپنا ہی غم منا رہا تھا کہ اپنے سگے چاہنے والے ماں باپ کو ان کے احساسات کو فراموش کر بیٹھا۔

''نہیں یہ غم یہ درد میرا ہے جس کو میں صرف اپنے دل میں اپنے اندر ہی چھپا کے رکھوں گا کسی سے بھی شیئر نہیں کروں گا''۔

''آئی ایم سوری پاپا!'' آنسو بھری آنکھوں سے اس نے عفان کے آگے ہاتھ پھیلایا تھا جیسے عفان ترمذی نے تھام لیا تھا۔

''اسٹرنگ بنو مائی سن جو ہوا سب بھول جاؤ زندگی میں آگے بڑھو''۔ عفان ترمذی نے اس کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا' سبکتگین حیدر ترمذی نے امبرین کا ہاتھ تھام کر عقیدت سے اس پر بوسہ لیا تھا۔

☆☆☆☆

''اتنا سب کچھ ہو گیا اور تم نے مجھے بے خبر رکھا''۔ سبرینہ نے امبرین کو دکھ و تاسف سے دیکھا تھا امبرین نے خاموشی سے سبرینہ کو دیکھا تھا مگر ان نظروں میں کوئی شکوہ شکایت کوئی گلہ نہیں تھا صرف گزرے دنوں کے کھو جانے کا ملال تھا۔

''میں جانتی ہوں اس دن سبکتگین نے جو بھی مجھ سے وعدے کئے وہ پورے کئے ہیں مگر سبرینہ آپا میں نے سبکتگین کو راتوں میں چھپ چھپ کے دیکھا ہے اسے رات رات بھر تہجد کی نماز میں روتے بلکتے دیکھا ہے معافی مانگتے تڑپتے دیکھا ہے اللہ کے حضور گڑگڑاتے سسکتے ہوئے دیکھا ہے اس کے دل میں وہ محرومی وہ کمی وہ خلاء دیکھی ہے جو وہ لاکھ چاہے بھی تو مجھ سے چھپا نہیں سکتا اس دن کے بعد سے سبکتگین نے آپ کو کسی قیمتی شے کی طرح اپنے اندر سنبھال کے رکھا ہے سبکتگین نے کبھی بھی آپ کا ذکر نہیں کیا وہ سمجھتا تھا کہ آپ کے ذکر کرنے

سے میرے اندر کا دکھ باہر آجائے گا میری اٹیچمنٹ آپ کے ساتھ وہ جانتا تھا اور میں نے بھی آج تک آپ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ میں سمجھتی تھی اس کے سارے غم پھر سے ادھڑ جائیں گے وہ سارے زخم پھر سے ہرے ہو جائیں گے جس میں سے خون رسنے لگے لگا''۔ امبرین نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنی بھیگی آنکھیں خشک کی تھیں سبرینہ نے بغور امبرین کے بھیگے چہرے کو دیکھا تھا جہاں بہت سے لمحے کھو جانے کا کرب تھا ان کے لئے کیا ان کی بیٹی کا غم کم تھا جو ان کی گودوں میں پلی ان کی چھوٹی بہن کی بیماری کا سن کر ایک اور غم ملا تھا سبکتگین حیدر ترمذی جس نے ان کو ممتا بھرے احساسات سے روشناس کرایا ان کی زندگی مکمل کی جس کو انہوں نے سب سے زیادہ چاہا پیار کیا وہ آج ایک کڈنی کے سہارے پر زندہ ہے یہ ان کا پیار ان کی اٹوٹ محبت ہی تو تھی کہ انجانے میں نادانستگی میں جو سبکتگین حیدر ترمذی سے غلطی سرزد ہوئی تھی انہوں نے آج تک اسے بددعا نہیں دی برا بھلا نہیں کہا اس کے لئے کبھی غلط نہیں سوچا ہاں دل کے کونے میں اسے رکھ کے سبکتگین حیدر ترمذی کو سوچا ضرور تھا کہ وہ بڑا ہو گیا ہوگا' اور بڑا ہو کر کیسا لگتا ہوگا کیا پڑھا کیا کھایا ہوگا' بہت سی باتیں جنہیں وہ کبھی بھی غنویٰ یا خاقان ترمذی سے شیئر ہی نہیں کر سکی تھیں۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہیں سبرینہ آپا؟''

''سوچ رہی ہوں کہ تم بہت سمجھدار ہو گئی ہو ایسا لگتا ہے جیسے کل ہی کی بات ہو کہ تم مجھ سے ہر بات ہر خوشی و غم شیئر کیا کرتی تھیں مجھ سے رائے مشورہ لئے بغیر کوئی کام نہیں کیا کرتی تھیں جس کو معمولی سا کانٹا بھی چبھ جاتا تو خوفزدہ ہو کر گھنٹوں میری گود میں سر رکھ کے رویا کرتی تھیں اور آج' آج اتنا پہاڑ سے بھی بڑا بھاری درد لئے پھر رہی ہو''۔ انہوں نے امبرین کا بھیگا چہرہ اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں بھرا تھا۔

''میرا غم میرا دکھ اور میری بیماری غنویٰ بیٹی اور آپ کے دکھ و درد آپ کی تکلیف کے آگے بے معنی ہے سبرینہ آپا''۔ امبرین نے ان کے دونوں ہاتھوں پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''آپ سے ایک بات کہوں؟''

''ہاں کہو''۔

''آپ سبکتگین کو معاف کر دیجئے اس کو اس کی تکلیف سے اس کے درد سے آزاد کر دیئے جس میں وہ قید ہے کیونکہ میں جانتی ہوں اس کی ہنسی اس کی یہ مسکراہٹ سب جھوٹی ہے جو وہ صرف مجھے خوش کرنے مطمئن کرنے کے لئے کرتا ہے''۔

''تمہارا اور سبکتگین کا دل اگر میری معافی سے ہی مطمئن ہوتا ہے تو چلو ٹھیک ہے میں نے سبکتگین کو معاف کیا مگر یہ بھی سچ اور حقیقت ہے کہ میں سبکتگین سے ناراض نہیں تھی میں نے کبھی بھی سبکتگین کو بددعا نہیں دی امبرین۔ سبکتگین نے اس وقت جو کیا اور اس کے بدلے میں میں نے جو کچھ کیا وہ اس وقت مجھے بہتر لگا غنویٰ کی خاطر میں نے وہ گھر یہ ملک ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا تھا''۔ اسی اثناء میں ان کا فون بجنے لگا سبرینہ نے آنسو صاف کئے اور اپنا سیل فون اٹھایا جہاں رافع ثانی کالنگ اسکرین پر جگمگا رہا تھا انہوں نے فون اوکے کیا سلام کے بعد انہوں نے بات کی۔

''جی رافع کہئے''۔

''سبرینہ آنٹی! مما آپ کی طرف آنے کا کہہ رہی ہیں''۔

''اوکے تو پھر آج رات کا ڈنر آپ لوگ ہمارے ساتھ کیجئے گا''۔ سبرینہ نے امبرین کو دیکھا جو سبرینہ کو ہی دیکھ رہی تھیں وہ جاننا چاہتی تھیں کہ یہ رافع ثانی کون ہے۔

''رافع ثانی میری فرینڈ سائرہ کے اکلوتے بیٹے ابھی کچھ ماہ پہلے ہی باہر سے آئے ہیں سائرہ کی خواہش ہے کہ ان کے بیٹے رافع ثانی کے لئے غنویٰ کا رشتہ ہو۔ امبرین کے دل میں چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا' انہیں سبکتگین حیدر ترمذی کی خواہش یاد آ گئی۔

''سبکتگین حیدر ترمذی کے دل کی خواہش بھی تو غنویٰ ہے''۔

''کن سوچوں میں پڑ گئی ہو''۔ امبرین کو گہری سوچوں میں منہمک دیکھ کر سبرینہ نے کہا تھا۔

''جی''۔ وہ بری طرح چونک کے رہ گئیں۔

''نہیں کچھ نہیں تو..... پھر..... آپ نے کیا کہا''۔ اٹک اٹک کے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ حالانکہ ان کا حق تو نہیں تھا پھر بھی دل ماننے کو آمادہ نہ ہوا۔

''کہنا کیا ہے سب راضی ہیں اور آج اسی سلسلے میں ان کو بلایا ہے میں غنویٰ کی جلد از جلد شادی کر دینا چاہتی ہوں''۔

''جی''۔ مزید ان میں سکت نہیں تھی کہ وہ کچھ کہہ سکیں۔

☆☆☆☆

''آج رات کے کھانے پر میں نے اپنی بہن اور بہنوئی کو کھانے پر دعوت دی ہے''۔ دعا نے اجازت نہیں مانگی تھی بلکہ انفارم کیا تھا۔

''کیوں کس کی اجازت سے؟'' بلقیس آراء تو صحیح معنوں میں چراغ پا ہو گئیں۔

''کیا مطلب کس کی اجازت سے' آپ کو یہ غلط فہمی کیونکر ہو گئی کہ اگر میں اس گھر میں کوئی کام کروں گی اپنے کسی مہمان رشتے داروں کو بلاؤں گی تو مجھے آپ کی اجازت درکار ہے''۔ نہایت ہی پھڑکتا ہوا جواب دیا تھا اس کا یہ تنکتا ہوا انداز شہیر کو نظر نہیں آتا' کیونکہ وہ اتنی چالاک اور شاطر تھی کہ کبھی اس انداز میں بلقیس آراء سے شہیر کے سامنے بات ہی نہیں کرتی تھی۔

''دعا بھابھی! آپ کس انداز میں بات کر رہی ہیں اماں سے''۔ اجیارہ کافی دنوں سے دعا اور شہیر کی حرکتیں برداشت کر رہی تھی' اس وقت یہ جلا کٹا لہجہ یہ تنکتا ہوا انداز بلقیس آراء کے ساتھ برداشت نہیں ہوا۔

''اب تم مجھے بتاؤ گی کہ مجھے کس انداز میں بات کرنی چاہئے اور کس انداز میں نہیں چھٹانک بھر کی ہو اتنی ہی رہو زیادہ میرے آگے زبان چلانے کی ضرورت نہیں ہے''۔ دعا نے اجیارہ کو بری طرح جھٹک دیا تھا۔

''تم جیسے غریب لوگوں کی بیٹیاں ہی زیادہ پر پرزے نکالتی ہیں اپنی اوقات سے بڑھ کر تم لوگوں کو ملتا ہے نا تو اپنا گھر اور اس چھوٹے سے گھر کا ایک کمرہ جس میں اماں بابا کے ساتھ سات سات دس دس بچے پلتے ہیں''۔ بلقیس آراء کا یہ کڑوا سچ دعا کے دماغ پر لگا تھا صاف ظاہر تھا کہ انہوں نے اس پر گہرا طنز کیا ہے۔

''وہ سب یہاں بڑے سسرال میں آ کر بھول جاتی ہو''۔

''اماں اپنی حد میں رہو مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے' اور تمہارا کون سا شاندار محل ہے کون سا ڈیفنس میں رہتی ہو جو اتنی بڑی بڑی باتیں کر رہی ہو''۔ دعا کے تو سر پر لگی پیر پر بجھی تھی اور اس کا یہ جلنا کڑھنا اور سلگنا بلقیس آراء کو بہت سکون دے گیا تھا۔

''بھئی میں نے تو جو کہنا تھا کہہ دیا اب چاہے کسی کو اچھا لگے یا برا''۔ بلقیس آراء نے اس کو طنزیہ انداز میں دیکھتے ہوئے رخ ہی پھیر لیا تھا۔

اجیارہ کو دعا کی کیفیت کا اندازہ تھا اور آگے جو ہونے والا تھا اس کا بھی علم تھا عافیت اسی میں تھی کہ بلقیس آراء کو ہی چپ کرایا جائے دعا تو جلتے ہوئے توے پر جا بیٹھی تھی بلقیس آراء نے جو اس کو آئینہ دکھایا تھا اس کا جواب وہ ضرور دے گی''۔ مگر ابھی میرا جواب باقی ہے اماں تم نے مجھ پر کیچڑ تو اچھال دی مگر یاد رکھنا اس کی چھینٹیں تم پر بھی آئیں گی''۔ وہ بری طرح بلقیس آراء کو گھور رہی تھی۔

''ایک بات یاد رکھنا جو دوسروں کے لئے گڑا کھودتا ہے نا ایک نہ ایک دن وہ خود ہی اس میں گرتا ہے اور آج جو تم اتنا بڑھ بڑھ کر بول رہی ہو یہ میرے بیٹے شہیر کی ہی شہہ ہے جو تمہاری اتنی زبان چل رہی ہے جو آج میرے سامنے کھڑی مجھ سے منہ زوری کر رہی ہو ہونہہ' چلو اجیارہ میری چادر لے کر آؤ میں زینت کے گھر جا رہی ہوں سنا ہے وہ حج پر جا رہی ہیں چلو آؤ مل کے آتے ہیں''۔ بلقیس آراء تخت سے نیچے اتری تھیں۔

''مگر اماں!'' اجیارہ کو اچھا نہیں لگا تھا گھر میں مہمان آ رہے ہیں اور وہ لوگ جا رہے ہیں شہیر کو بھی کتنا برا لگے گا۔

''اگر مگر کچھ نہیں ہمارے مہمان نہیں ہیں جو ہم پر واہ اور فکر کریں''۔ آج جو لڑکا اس گھر میں آ رہا تھا وہ ان کا داماد بنتا' مگر دعا کی لومڑی جیسی فطرت اس کے شاطر دماغ نے اجیارہ سے اس کا نصیب چھین لیا تھا۔

''ہاں ہاں جائیں میرا بہنوئی! کوئی آپ لوگوں سے ملنے کے لئے مرا نہیں جا رہا کروڑوں کی گاڑیوں کا شوروم ہے اس کا''۔ پتہ نہیں وہ کیا جتانا چاہ رہی تھی شاید یہ کہ اجیارہ کے نصیب میں نہیں تھا یہ لڑکا یہ شاندار رشتہ۔

''حیرت ہے بہو بیگم کروڑوں کی گاڑیوں کا شوروم ہے پھر بھی اسے یہاں اس چھوٹے سے گھر میں بلا رہی ہو اور وہ بھی اپنے ہاتھوں کا بدذائقہ کھانا کھلاؤ گی''۔ یہ سچ بھی کڑوا زہریلا تھا مگر تھا تو سچ' دعا کو اتنا اچھا کھانا بنانا نہیں آتا تھا اور وہ لوگ تو یقیناً باہر ہی کھانا کھاتے ہوں گے۔

''اماں! تم کو تو میں بعد میں دیکھتی ہوں پہلے ذرا آج ڈنر کا پلان تو چینج کر لوں''۔ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں بلقیس آراء کو دھمکی دیتی اپنے بیڈروم میں بھاگی تھی تاکہ شہیر کو فون کر سکے۔

''اماں ہزار بار بول چکی ہوں مت منہ لگا کریں دعا بھابھی کے مگر آپ سنتی ہی نہیں ہو''۔ دعا کے جانے کے بعد اجیارہ نے بلقیس آراء کو ناراضی سے دیکھا۔

''چل دفعہ کر ایسی کھری کھری سنائی ہے کہ کبھی بھی اب میرے سامنے اترائے گی نہیں''۔ بلقیس آراء ہولے سے مسکرا دیں۔

''اس سے کیا ہوگا ضروری ہے پتھر کا جواب اینٹ سے دیا جائے''۔

''اس نے میرے ساتھ بہت غلط کیا ہے میرا فرمانبردار بیٹا مجھ سے چھین لیا میری بیٹی کا نصیب چرا لیا اس کو اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا''۔ بھیگی آنکھوں میں درد تھا اجیارہ اٹھ کر بلقیس آراء کے پاس آئی۔

''اللہ سب سے بڑا ہے جب تک وہ نہ چاہے ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا یقیناً کوئی تو مصلحت ہوگی جو یہ رشتہ میرے نصیب میں نہ تھا اور رہے شہیر بھایا تو یہ میرا ایمان ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن آپ کے پاس ضرور لوٹ کے آئیں گے انشاء اللہ''۔ بلقیس آراء نے اپنی صابر و شاکر بیٹی کو پیار سے دیکھا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔

''اللہ تیرا نصیب روشن کرے' آمین''۔

☆☆☆☆

سید اذکار علوی اپنا ضروری کام نمٹا کر جلدی گھر واپس آ گیا تھا وہ سیدھا سید آغا شہباز علوی کے بیڈروم میں

ہی آیا تھا' اسے جہاں بہت سکون اور اطمینان تھا وہاں تھوڑی بہت پریشانی بھی تھی کہ اگر بریزے کو ہوش آ گیا ہوگا تو جانے اس کا بی ہیویئر کیا ہوگا دادا جان کے ساتھ' وہ کسی قسم کی کوئی اوٹ پٹانگ حرکت نہ کر رہی ہو کیونکہ اسے انفارمیشن ملی تھی کہ آج بریزے کو تیار کیا گیا ہے صرف اس لئے کہ کوئی دیکھنے آ رہا ہے' وہاں کا ماحول طور طریقے لب و لہجہ' رہن سہن بریزے کی شخصیت پر کتنا اثر انداز ہوئے ہیں یہ اس کے ہوش میں آنے کے بعد ہی پتہ چلے گا' یہی ساری لامتناہی سوچوں کو سوچتا ہوا سید اذکار علوی کمرے میں انٹر ہوا تھا۔ سامنے ہی سید آغا شہباز علوی چیئر پر براجمان تھے بریزے کی وہی حالت تھی وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔

''دادا جان!'' وہ دبے دبے قدموں سے چلتا ہوا سید آغا شہباز علوی کے پیچھے آ ٹھہرا تھا اور ان کے شانے پر ہاتھ دھر دیا۔

''اذکار!'' سید آغا شہباز علوی نے سید اذکار علوی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور کھڑے ہو گئے۔

''میرے بچے بریزے بیٹی کو ابھی تک ہوش نہیں آیا ہے دو سے ڈھائی گھنٹے ہو گئے ہیں تم تو کہہ رہے تھے تھوڑی ہی دیر میں ہوش آ جائے گا مگر یہ تو ابھی تک بے سدھ پڑی ہے اذکار کوئی تشویش ناک بات تو نہیں ہے نا تم ڈاکٹر کو تو بلاؤ''۔ ان کے ہر ہر عضو سے بے تابی بے قراری اور ساتھ ہی فکر بھی چھلک رہی تھی وہ جانتا تھا کہ وہ کس قدر بے چین بے کل ہیں بریزے کو اپنے سینے سے لگانے کے لئے اس کے اندر سے اپنے بیٹے کی خوشبو سونگھنے کے لئے اس سے ڈھیر ساری باتیں کرنے کے لئے۔ ان کی اس بے تابی و بے قراری پر سید اذکار علوی ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''دادا جان! فکر کی کوئی بات نہیں ہے ابھی تھوڑی ہی دیر میں ہوش آ جائے گا آپ کی پوتی صاحبہ کو' بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ کئی سالوں سے محترمہ سوئی بھی نہیں ہیں تو شاید نیند پوری کر رہی ہیں''۔ اس نے پر مزاح انداز میں کہتے ہوئے بریزے کا سندر مکھڑا تکا تھا۔

''شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو' پتہ نہیں میری پھولوں سی بچی پر اس خبیث عورت نے ظلم کے کون کون سے پہاڑ توڑے ہوں گے''۔ سنیتا بائی کے ذکر پر شدید نفرت کی لہر ان دونوں کے چہروں پر دوڑی تھی۔

''دادا جان! آپ بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہوں گے تھوڑا ریسٹ کر لیجئے جب تک میں بریزے کے پاس بیٹھتا ہوں' آج بریزے کے گھر آنے پر خوش ہونے کا موقع ہے اس عورت کا ذکر کر کے ہم اپنی خوشیاں ملیا میٹ نہیں کر سکتے''۔

''ہاں تم صحیح کہہ رہے ہو' مگر میں تھکا بالکل نہیں ہوں مجھے اپنی بچی کے پاس بیٹھنا بہت اچھا لگ رہا ہے بیس سال بعد میرے گھر میں رونق آئی ہے''۔ وہ مسکرا کر بریزے کو دیکھنے لگے تھے۔

''وہ سب بھی ٹھیک ہے مگر اس سے پہلے آپ کی صحت زیادہ ضروری ہے''۔

''او کے مائی سن مجھے پتہ ہے تم مجھے بھیجے بغیر مانو گے بھی نہیں ٹھیک ہے تم یہاں بیٹھو بریزے کا خیال رکھو اور بریزے کو جیسے ہی ہوش آ جائے مجھے فوراً بلا لینا''۔ انہوں نے اپنے لخت جگر پوتے کو نہال نظروں سے دیکھا اور باہر نکل گئے۔ سید اذکار علوی اس خالی آئرن چیئر پر براجمان ہو گیا اور دل کی سنتے ہوئے نظریں پھر سے اس چہرے پر ٹکا دیں' اس میں کوئی شک نہیں کہ بریزے بے انتہا خوبصورت بے انتہا حسن کی ملکہ تھی ایسا لگ رہا تھا کسی شاعر کی غزل' کسی مصور کا تراشا ہوا مجسمہ' کانچ کی نازک سی گڑیا جسے اگر ذرا سی بھی ٹھیس لگی تو وہ ٹوٹ کے چکنا چور ہو جائے گی' اس کا دل زندگی میں پہلی بار الگ ہی تال پر دھڑکا تھا ان نظروں کو پہلی بار کوئی اچھا لگا تھا دل

بے ایمان اچانک ہی اس کی قربت کے کو پانے کی ضد کر بیٹھا ہمک ہمک کر اس کی طلب کی خواہش کر بیٹھا' جانے کیوں وہ تھوڑا اس کی سمت جھکا تھا شاید اور قریب سے دیکھنے کی تمنا کر بیٹھا' بریزے خود تو تھی ہی حسین ترین دلہن کے اس روپ سروپ نے مزید اس کو دو آتشہ کر دیا تھا' وہ جھکا ان گھنیری سیاہ پلکوں کو بغور تکنے لگا کہ اچانک ہی ان میں جنبش سی ہوئی تھی۔ بریزے نے پٹ سے آنکھیں کھول لی تھیں ان سہمی خوفزدہ آنکھوں میں اپنی عزت و آبرو کے کھو جانے کا ڈر تھا' خود پر جھکے اس شخص کو بریزے نے پوری طاقت سے خود سے دور کیا تھا۔

''نہیں''۔ بریزے نے لمحوں میں سیداز کارعلوی کو خود سے دور کر کے نظر ادھر ادھر دوڑائی تو سائیڈ ٹیبل پر فروٹ پلیٹ میں فروٹ کے ساتھ تیز دھاری والا چاقو نظر آ گیا بریزے نے وقت ضائع کئے بغیر وہ چاقو اٹھایا اور ایک جھٹکے سے ایک وار سیداز کارعلوی پر کیا تھا' وار کافی زوردار تھا' سیداز کارعلوی کے بازو پر لگا تھا اس کے کسرتی بازو پر اس چاقو کی دھار سے ایک ضرب لگی تھی وہ اس اچانک افتاد کے لئے قطعی طور پر تیار نہیں تھا۔

''یا وحشت''۔ خون کا فوارہ سا ابل پڑا تھا' وہ چونکہ باڈی بلڈر تھا کراٹے میں بلیک بیلٹ جیت چکا تھا اور سب سے بڑی بات کہ وہ ایک جانباز سپاہی تھا ایک بہادر فوجی تھا' ان چھوٹی موٹی چوٹوں اور معمولی زخموں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔

''پاگل ہوئی ہو کیا؟'' بریزے کو ایسی خونخوار حالت میں دیکھ کر اس کا سارا عشق ہرن ہو گیا تھا وہ اس کی جانب بڑھا۔

''خبردار''۔ اس نے ایک اور وار مارا مگر سیداز کارعلوی ہوشیار ہو چکا تھا۔

''خبردار! جو تم میرے قریب بھی آئے تو میں تم کو جان سے مار دوں گی'' بریزے کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں اپنی عزت و آبرو بچانے کے لئے وہ یا تو جان سے مار دے گی یا جان سے گزر جائے گی خود کو اپنی نسوانیت اپنی عزت نفس کو بچانے کے لئے جان کی بازی لگا دے گی۔

''بریزے بے وقوفی کی حرکتیں مت کرو چاقو مجھے دو ورنہ تمہارے لگ جائے گا''۔ سیداز کارعلوی اس کی باتوں کی پرواہ کئے آگے بڑھ رہا تھا۔

''نہیں..... میں کہہ رہی ہوں نا کہ میرے نزدیک مت آؤ''۔ اس کے قریب آنے پر بریزے کے نیلے جھیل کانچ میں اب غصے کی جگہ خوف امڈنے لگا تھا' وہ جلاد صفت آدمی قریب سے قریب آ رہا تھا اس پر اس کی دھمکیوں اس کے آنسوؤں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا اس پہاڑ جیسے مضبوط شخص کے آگے وہ نازک سے کانچ کی سی گڑیا بھلا کچھ کر پائے گی وہ ایک ہی جست میں اس کو اپنے شکنجے میں دبوچ کر زیر کرے گا اپنی ہوس کا نشانہ بنا لے گا' اس کی عزت و آبرو کی اس کی عزت نفس کی دھجیاں بکھیر دے گا اس کی نسوانیت اس کی شخصیت کو کرچی کرچی کر دے گا' مگر نہیں وہ ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دے گی وہ اپنی جان پر کھیل جائے گی مگر سہد وڑائچ کا مقصد کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گی۔

''سہد وڑائچ تمہیں کیا لگتا ہے' میں تم کو تمہارے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہونے دوں گی کبھی نہیں میں ایسا جیتے جی نہیں ہونے دوں گی''۔

''بریزے!'' چاقو کا رخ بریزے نے اپنے گلے کی سمت کر لیا تھا اور اگر سیداز کارعلوی پل بھر میں ایک ہی جست میں اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے کر وہ چاقو نہ گراتا تو یقیناً بہت دیر ہو جاتی' سیداز کارعلوی نے اس کی سرخ و گولڈن کانچ کی چوڑیوں سے بھری کلائی پکڑ کے اپنی سمت کھینچا کہ وہ نازک سی پورے وجود سمت اس پہاڑ جیسے

مضبوط شخص کے وجود کا حصہ بنی تھی۔

''چھوڑو میں کہتی ہوں چھوڑو مجھے''۔ وہ چڑیا کی طرح پھڑ پھڑا کے رہ گئی وہ صرف اس کا پھڑ پھڑانا ہی دیکھ رہا تھا۔ بریزے نے اس کی کلائی پر اپنے موتیوں جیسے سفید دانت گاڑھ دیئے تھے۔

''آہ''۔ سید اذکار علوی کی گرفت ڈھیلی پڑی وہ موقع کا فائدہ اٹھاتی اس کی گرفت سے نکلی اور پھر سے وہیں پر پڑا چاقو واپس اٹھالیا تھا۔

''مجھے کمزور مت سمجھنا سہد وڑائچ''۔ چاقو کی نوک کا رخ پھر سے سید اذکار علوی کی سمت تھا۔

''بریزے میری بچی''۔ اسی دوران سید آغا شہباز علوی اندر داخل ہوئے تھے بریزے کی نظر پرسکون سے کھڑے سید اذکار علوی سے پھسلتی ہوئی اس کے پیچھے کھڑے سید آغا شہباز علوی پر جا ٹھہری تھی اور ان کو پہچاننے میں اس کو پل بھر نہیں لگا تھا۔

''دادا جان''۔

''دادا کی جان''۔ انہوں نے بڑی بے صبری سے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے تھے۔ بریزے نے چاقو پھینکا اور تیزی سے سید آغا شہباز علوی کی پھیلی ہوئی بانہوں میں سمائی تھی کتنی ہی دیر تک وہ بریزے کو خود سے لگائے اپنے بیٹے کی خوشبو کو محسوس کرتے رہے تھے ان کی بوڑھی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔

''دادا جان! مجھے بچا لیجئے''۔ وہ ان کے سینے پر سر رکھ کے متواتر آنسو بہا رہی تھی۔

''میرے بچے اب تم محفوظ ہو تم کو کچھ نہیں ہوگا''۔

''نہیں دادا جان سہد وڑائچ مجھے لے جائے گا اپنی دنیا میں میں اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتی''۔

''سہد وڑائچ تمہارا بال بھی تمہیں کچھ نہیں کر سکتا میں ہوں اذکار ہے''۔ سید آغا شہباز علوی کی نظر پاس ہی کھڑے سید اذکار علوی پر پڑی تو آنکھیں خوف و حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''اذکار! میرے بچے تمہارے بازو سے خون بہہ رہا ہے''۔ سید اذکار علوی جو اس کی خوبصورتی میں ایک بار پھر گم ہو گیا تھا اپنے درد کا پتہ ہی نہیں چلا سید آغا شہباز علوی کے کہنے پر اس نے اپنا کسرتی بازو دیکھا وہاں سے اب قطرہ قطرہ خون نکل رہا تھا۔

''یہ آپ کی چہیتی پوتی کی کرامت ہے''۔ اس نے مسکرا کر سید آغا شہباز علوی سے سہمی سمٹی کھڑی بریزے کو دیکھا تھا۔

''دادا جان! یہی سہد وڑائچ ہے یہ مجھے لینے آیا ہے دادا جان''۔ دادا جان اب سب سمجھ گئے تھے بریزے کی غلط فہمی' سید اذکار علوی کے بازو کا زخم۔

''نہیں بٹیا! یہ سہد وڑائچ نہیں بلکہ تمہارے تایا کا بیٹا تمہارا کزن سید اذکار علوی ہے جس نے تم کو اس جہنم سے نکالا ہے یہاں لا کر محفوظ کیا ہے' اپنے رب کے بعد میں اپنے لخت جگر اپنے پوتے کا شکر گزار ہوں''۔ سید آغا شہباز علوی نے جانثار نظروں سے اپنے جانباز پوتے کو دیکھا تھا۔ بریزے نے سید اذکار علوی کو دیکھا ان نیلے جھیل آنکھوں میں زمانے بھر کی شرمندگی تھی اسے تو شکر گزار ہونا چاہئے تھا نا کہ اس نے سہد اذکار علوی کو چاقو مار کے اس کا کسرتی بازو زخمی کر دیا اور اس کی مضبوط آہنی کلائی پر اپنے دانت بھی گاڑھ دیئے' شرمندگی کے مارے گھنیری پلکوں کی باڑ سرخ ہوتے عارض پر سجدہ ریز ہو کر رہ گئیں' سید اذکار علوی ہولے سے مسکرا دیا وہ

وہاں سے اس کمرے سے نکلتا چلا گیا کہ دل اب قابو سے باہر ہوتا چلا جا رہا تھا۔

''دادا جان!'' اس نے سید آغا شہباز علوی کو دیکھا۔

''ہوں کہو بیٹا؟'' انہوں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ دھرا' دوپٹہ تو ویسے بھی اب آدھا زمین پر اور آدھا کاندھے پر جھول رہا اب وہ کیا جانے کہ اس کا یہ قیامت خیز حسن سید اذکار علوی کا سارا چین قرار لوٹ لے گیا ہے۔

''وہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں میں نے ان کے بازو پر چاقو مارا ہے میری وجہ سے ان کا اتنا خون بہا ہے۔ دادا جان وہ مجھے واپس وہیں چھوڑ کے تو نہیں آ جائیں گے نا''۔ دل میں یہ خوف کنڈلی مارنے لگا کہ کہیں سید اذکار علوی اس پر غصہ ہو کر اسے اسی جہنم میں نہ چھوڑ آئے۔

''ارے یہ کیا فضول بات کی۔ جانتی ہو تمہیں ڈھونڈنے میں یہاں تک لانے میں اذکار نے اپنی جان کی بازی لگائی ہے تم ہمارا خون ہو تم نہیں جانتی تم میرے اور اذکار کے لئے کیا ہو' اس لئے یہ سوچ اپنے دل و دماغ سے نکال دو کہ اب تم یہاں سے ہماری زندگی سے کہیں جاؤ گی''۔ انہوں نے اس کی پیشانی پر بوسہ لیا۔

''اب ساری سوچوں کو چھوڑو چلو آؤ میں تمہیں تمہارا کمرا دکھاؤں' جسے میں نے بہت پہلے ہی سے ڈیکوریٹ کروا دیا تھا' تمہاری ضرورت کی ہر شے وہاں رکھوا دی تھی''۔ سید آغا شہباز علوی کے ہمراہ وہ انہی کے برابر والے کمرے میں آ گئی تھی۔

''وارڈ روب میں تمہارے کپڑے رکھے ہیں کوئی بھی اچھا سا سوٹ نکال کے فریش ہو جاؤ پھر رات کے کھانے پر ملتے ہیں''۔ تھری ڈور الماری کے تینوں پٹ کھول دیئے بے شمار الگ الگ کلر کے الگ الگ ڈیزائن کے بیش قیمت اعلیٰ کوالٹی کے عمدہ ریڈی میٹ سوٹ ہینگر ہوئے تھے بریزے نے اس میں سے پرپل اینڈ پنک امتزاج کا ہلکا پھلکا کڑھائی کیا گیا سوٹ نکال لیا تھا۔

☆☆☆☆

بلقیس آراء اور اجیارہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی زینت سے مل کر آ کے بیٹھی تھیں اور سونے کی تیاری کرنے جا رہی تھیں دعا نے تو اپنا پلان چینج کر لیا تھا اپنی بہن ماہ نور اور بہنوئی ضیاء کو باہر ہوٹل میں ڈنر پر انوائٹ کر لیا تو وہ ضیاء کو گھر میں بلا کے اپنا امیج خراب نہیں کرنا چاہتی تھی' ضیاء کا بہت اثر و رسوخ تھا اس کی پہنچ بہت آگے تک تھی وہ اپنے اور شہیر کے فیوچر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اجیارہ پلنگ پر چادر سینے تک ڈالے سونے لگی تھی جب کہ بلقیس عشاء کی نماز پڑھ کے اپنی پلنگ پر لیٹنے جا رہی تھیں کہ ان کے کمرے کا دروازہ نہایت ہی بدتمیزی سے کسی نے کھولا تھا' اس کے شور سے اجیارہ کی آنکھیں کھلیں بلقیس آراء بھی اس طرح بدتمیزی کرنے پر شہیر کو دیکھنے لگی تھیں' شہیر کا یہ انداز دیکھ کر وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھیں کہ دعا نے خوب دل بھر کے اس کے کان بھرے ہیں۔

''ساری تمیز و تہذیب بھول گئے ہو کیا؟'' انہوں نے نہایت پرسکون لہجے میں کہا تھا۔

''اماں! تم نے آج شام کو دعا سے کس انداز میں بات کی ہے''۔ شعلہ بار آنکھوں سے وہ بلقیس آراء کو دیکھ رہا تھا۔

''سب سے پہلے تو تم کو تمیز ہونی چاہئے جو تم بالکل بھول چکے ہو آنکھوں میں جس طرح انگارے بھرے تم دیکھ رہے ہو وہ تمہاری اپنی سگی ماں ہے اور کس انداز کی بات کرتے ہو تم مجھ سے اس وقت کس انداز میں بات کر رہے ہو کچھ اندازہ ہے اس چیز کا''۔ بلقیس آراء نے بھی نہیں رکھی تھی اجیارہ اٹھ کے بیٹھ گئی تھی۔

''اماں! میں بحث کرنے نہیں آیا آج جس طرح تم نے دعا سے بات کی ہے اس کو اس کی غربت کا طعنہ دیا

ہے' جانتی ہیں کتنا دل دکھا ہے کس قدر روئی ہے وہ' میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر تم کو ہو کیا گیا ہے دعا کے ساتھ ایسا سلوک ایسا برتاؤ کیوں کر رہی ہو' جو بھی شکایت ہے جو غلط فہمی ہے وہ مل کر بات کر کے ختم کیوں نہیں کر لیتی ہو' پہلے تو دل میں ناراضی غصہ تھا اس بے چاری کے لئے اب نفرت بھی بھر لی ہے اماں میں دعا کو بھگا کے نہیں لایا تم لائی ہو چار لوگوں کے ساتھ مل کر' اس کے باوجود اس طرح برتاؤ لامعنی ہے' میں تم سے ریکویسٹ کرتا ہوں بند کر دو یہ سب''۔ شہیر نے باقاعدہ بلقیس آراء کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

''شاباش ہے بیٹا! شاباش ہے تم پر مگر پھر بھی میں تم سے کسی قسم کی کوئی وضاحت نہیں کرنا چاہتی جانتی ہوں کہ تم کو یقین تو آئے گا نہیں اس لئے بے کار ہے اور جس کی تم وکالت کرنے آئے ہو نا میرے سامنے جاؤ اسی کے گن گاؤ وہ بے چاری مظلوم معصوم ہے تمہاری ماں نے اس پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں''۔

''اماں! چھوڑو جانے دو''۔ اجیارہ بلقیس آراء کے پاس آ بیٹھی اور انہیں مزید کچھ بولنے سے روکنے لگی تھی۔

''تم سے بات کیا کرو اور جواب کیا دیتی ہو جہنم بنا دی ہے تم نے میری زندگی میری ہنستی بستی خوشگوار زندگی تم سے پتہ نہیں کیوں برداشت نہیں ہو رہی میرا سکون سے اس گھر میں رہنا تمہیں اچھا نہیں لگتا ہر روز کوئی نہ کوئی کہانی لے کر بیٹھ جاتی ہو''۔

''مجھ سے برداشت نہیں ہوتی کچھ علم بھی ہے کہ میں تمہاری ہوں کون جس سے تم اس طرح بات کر رہے ہو''۔ بلقیس آراء غصے میں کھڑی ہو گئیں۔

''مجھے تو افسوس ہے کہ تم میری اپنی سگی ماں ہو''۔ اس نے بلقیس آراء سے منہ ہی پھیر لیا تھا' بلقیس آراء کا دل شہیر کی اس حرکت پر خون ہو کر رہ گیا تھا۔

''تو انتظار کس بات کا ہے کوئی چیز لو اور اپنی ماں بہن کو ختم کر دو زہر دے کے مار دو ہمیں اور اپنی اس ڈائن بیوی سے بولو وہ بھی ہمیں کسی چیز سے مار دے اس کی آنکھوں میں میں اور میری بچی کھٹکتے ہیں نا' میں تمہارے منہ پر بولتی ہوں کہ اس جیسی غریب لڑکیاں ہی گھروں کو تباہی کے راستے پر لے جاتی ہیں' رشتے چھڑوا دیتی ہیں یہ تمہاری بیوی کی ہی مہربانی ہے جو آج تم میرے سامنے سینہ تانے آنکھیں نکالے کھڑے ہو' تف ہے ایسی عورتوں پر جو ایک بیٹے کو اس کی ماں سے بدظن کرے' لعنت ہے ایسی بیوی پر جو اس کے بیٹے کو اس کی ماں سے بدسلوکی کرنے پر مجبور کرے''۔ بلقیس آراء کا دل دکھا تھا ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے' اجیارہ کا رواں رواں کانپ اٹھا وہ آنے والے حالات سے ڈر گئی تھی اگر خدانخواستہ ان کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کا حساب شہیر کو دینا پڑ گیا تو انجام اچھا نہیں ہوگا۔

''شہیر بھایا! کیوں اماں کو رلا رہے ہیں حقیقت جانے بغیر آپ کا اس طرح جرح کرنا اچھی بات نہیں ہے''۔

''تم تو اپنی بکواس بند ہی رکھو میں تم کو جتنا اچھا اور سمجھدار سمجھتا تھا تم اتنی ہی گھٹیا نکلی ہو''۔ شہیر نے بری طرح اجیارہ کو جھڑک دیا تھا شہیر کے الزام پر وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا شہیر بھایا؟''

''اب تک مجھے غلط فہمی تھی مگر ابھی اماں تم نے اپنے اس بھڑکتے انداز سے اور دعا کو برے الفاظ سے پکار کے ظاہر کر دیا کہ دعا اب تک مجھ سے جو بھی کہتی آ رہی تھی سب سچ ہے وہ اپنی جگہ بالکل درست ہے غلط تم لوگ ہو' مگر میں اپنی بیوی کے ساتھ مزید زیادتی بدسلوکی ہوتے دیکھ کر اب اور برداشت نہیں کر سکتا جلد ہی میں اپنے فلیٹ کا انتظام کرتا ہوں''۔

''شہیر بھایا!'' اجیارہ سناٹے میں رہ گئی' بلقیس آراء کے پیروں سے تو جیسے زمین ہی نکل گئی تھی ان کا بیٹا ان کو چھوڑ کے اس گھر کو چھوڑ کے چلا جائے گا۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں اب اور اپنی بیوی کو لے کر یہاں نہیں رہ سکتا''۔

''نہیں شہیر بھایا! پلیز ایسا مت بولئے اماں اور دعا بھابھی کی معمولی سی غلط فہمی ہے وہ دور ہو جائے گی مگر خدارا اس گھر کو چھوڑنے کی بات مت کریں اپنا فیصلہ واپس لے لیں''۔ اجیارہ منت کرنے لگی تھی اس کی آنکھوں میں دکھ سے آنسو بھر گئے تھے۔

''شہیر بھایا! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں اس گھر کو ہمیں چھوڑ کے مت جائیے گا''۔ اجیارہ نے گڑگڑاتے ہوئے ہاتھ جوڑے تھے۔

''اجیارہ!'' بلقیس آراء کی آواز بمشکل نکلی تھی اجیارہ نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔

''مت گڑگڑاؤ مت منت سماجت کرو اپنے شہیر بھایا کی وہ نہیں سنے گا کیونکہ اس وقت یہ ہماری طرف سے اندھا' گونگا' بہرا ہو گیا ہے اس وقت تمہاری پکار تمہارے آنسو اس کو نظر نہیں آئیں گے''۔

''اماں!'' اجیارہ بلقیس آراء کی اتنی سختی بھرے انداز پر ان کے پاس آئی۔

''نہیں اماں ایسا مت کہو''۔

''میں نے کہا نا چپ ہو جاؤ جاؤ تم تم جانا چاہتے ہو نا کوئی نہیں روکے گا تم کو''۔ بلقیس آراء نے اپنا دل پتھر کر کے شہیر کو دیکھا تھا ورنہ دل تو ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی پھٹ جائے گا دماغ کی شریانیں تکلیف سے پھٹ جائیں گی۔ شہیر نے ایک گہری سانس لی اور دونوں کو نظر انداز کئے وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''اماں!'' وہ تڑپ کر بلقیس آراء کے سینے سے لگی تھی۔

''ہمارے لئے ہمارا اللہ کافی ہے' بس اس کے بعد کوئی بات کوئی تاویل نہیں' رات بہت ہو گئی ہے سو جاؤ''۔ بلقیس آراء اجیارہ کا شانہ تھپتھپاتی ہوئیں اپنے پلنگ پر آ گئیں ان کا ایسا انداز اجیارہ کو رلا گیا۔

''شہیر بھایا! آپ نے اماں کا دل دکھایا ہے آپ بہت پچھتائیں گے''۔ زیر لب بولتی وہ ہولے ہولے چلتی ہوئی اپنے پلنگ کی سمت بڑھنے لگی تھی۔

☆☆☆☆

''السلام علیکم!'' سبرینہ اپنے وارڈ روب کے پاس کھڑی کچھ کر رہی تھیں' سبکتگین حیدر ترمذی کی گھمبیر آواز پر انہوں نے پلٹ کر دیکھا تھا چہرے پر بشاش سی ایک مسکراہٹ کھلی تھی۔

''وعلیکم السلام!''

''اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا میں اندر آ سکتا ہوں''۔ وہ ابھی تک دروازے پر ہی ایستادہ تھا۔

''آپ کو لگتا ہے کہ آپ کو میرے روم میں آنے کی اجازت کی ضرورت ہے''۔ وہ وارڈ روب کا دروازہ بند کر کے آگے بڑھیں۔ سبکتگین حیدر ترمذی مسکراتا ہوا نفی میں ادھر ادھر گردن ہلاتا اندر آیا تھا' سبرینہ صوفے پر آ بیٹھی تھیں اور اشارے سے سبکتگین حیدر ترمذی کو اپنے پاس بلایا وہ چلتا ہوا ان کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔

''ارے یہاں کہاں بیٹھ گئے ہو اوپر آؤ یہاں میرے پاس''۔ سبرینہ نے اپنے برابر والی خالی جگہ کی طرف ہاتھ رکھ کے کہا تھا۔

''نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں کافی عرصہ ہو گیا اس جگہ سے اس خوشبو سے محروم رہا ہوں' جو میں نے اپنے

ہاتھوں سے ہی کھودی تھی''۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کے اس پر اپنا سر رکھ دیا تھا' سبرینہ دھیرے سے مسکرادی تھیں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اس کے گھنے بالوں میں سہلانے لگی تھیں جس سے سبکتگین حیدر ترمذی کو بہت سکون مل رہا تھا ایسا لگ رہا تھا برسوں سے جو پیاس تھی اب جاکے اس کے اندر کی پیاس بجھی تھی اس کو سکون ملا تھا۔ سبکتگین حیدر ترمذی کی ایک خاصیت اور بھی تھی وہ یہ کہ وہ اپنی کوئی بھی خواہش فرمائش منگوا کرتا تھا جسے سبرینہ کبھی رد نہیں کیا کرتی تھیں۔

''آج میرے بیٹے کی کیا فرمائش ہے کیا خواہش ہے جو مجھ سے چاہتے ہو؟''

''ارے آپ کو کیسے پتہ' آپ بھولی نہیں ہیں کچھ''۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا اور حیران نظروں سے سبرینہ کو دیکھا تھا۔

''میں اپنے سبکتگین کو آپ سے زیادہ جانتی ہوں وہ کب خوش ہوتے ہیں کس بات کو لے کر اداس' ان کی کیا چاہت ہے اور کیا خواہش''۔

''اگر آپ سب جانتی ہیں تو کیا میں مان لوں آپ نے میری خواہش پوری کردی ہے''۔ سبرینہ نے نہال ہوتی نظروں سے سبکتگین حیدر ترمذی کو دیکھا تھا وہ اس سے غصہ نہیں تھیں ہاں شکایت تھی گلہ ضرور تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ وہ سب پیچھے چھوڑتی چلی گئی تھیں وہ ناراضی حالات کے ساتھ ساتھ ختم ہوتی چلی گئی بے شک ان کی بیٹی ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک غنویٰ بہت اذیت میں تکلیف میں رہی تھی مگر کبھی بھی انہوں نے سبکتگین حیدر ترمذی کو بددعا نہیں دی تھی ایسے برا بھلا نہیں کہا تھا مگر دل کے کونے میں اپنے اس بیٹے کو سنبھال کے ضرور رکھا تھا جس نے ان کے دل میں ان کے اندر ممتا کی خوشبو جگائی تھی ماں بننے کا احساس پیدا کیا تھا' ہر روز دن کے کسی ایک پل میں انہوں نے سبکتگین حیدر ترمذی کے لئے اس کی حفاظت کے لئے دعا کی تھی' امبرین سے جب اس کے بارے میں پتہ چلا تو ان کا دل تڑپ اٹھا تھا دل میں درد اٹھا تھا' وہ ایک پل جو انہوں نے سبکتگین حیدر ترمذی کے لئے مخصوص کیا تھا اب ہر پل وہ سبکتگین حیدر ترمذی اور اپنی بہن امبرین کے لئے دعا کرتے نہیں تھکتیں تھیں۔

''جی میں نے آپ کے کہنے سے پہلے ہی آپ کی خواہش پوری کردی ہے''۔

''سچ..... یو گریٹ آنی مما''۔ اس نے مسرت و خوشی سے سبرینہ کے ہاتھ پر بوسہ لیا تھا۔

''لو یو مائی چائلڈ''۔ سبرینہ نے سبکتگین حیدر ترمذی کے بالوں میں انگلیاں ڈال کے انہیں چھیڑا تھا۔

''اب لگ رہا ہے کہ ہم ماں بیٹے کے بیچ سے تکلف کی دیوار ہٹ چکی ہے مجھے اب اپنا پرانا سبکتگین لگ رہا ہے ضدی سا جو ضد کر کے اپنی ہر بات منوالیا کرتا تھا''۔

''آنی مما! آپ بہت اچھی ہیں آپ نے مجھے معاف کر کے''۔

''شش''۔ سبرینہ نے اس کے عنابی گداز لبوں پر اپنی انگشت شہادت رکھ دی تھی۔

''پرانے مردوں کو زمین کی اتھاہ گہرائیوں میں دفن ہی رہنے دو بھول جاؤ سب کچھ ان تکلیف دہ باتوں کو یادوں جو ہمیں ایک نیا درد دیتے ہیں ہمیں ایک نیا زخم دیتے ہیں ٹھیک ہے''۔ سبرینہ نے سبکتگین حیدر ترمذی کے آئی گلاسز کے پیچھے سے جھانکتی ذہین آنکھوں میں بغور دیکھا تھا۔

''اوکے!'' اس نے سبرینہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''مما!'' اسی اثناء میں غنویٰ روم میں اندر داخل ہوئی تھی سبکتگین حیدر ترمذی اور سبرینہ کو اس کے لاڈ اٹھاتے ایک ساتھ دیکھتے اس کے پیر وہیں زمین پر ٹھٹک کر رک گئے تھے۔

''ارے غنویٰ میری جان آئیے''۔ سبرینہ کے ساتھ ساتھ سبکتگین حیدر ترمذی نے بھی اس کو دیکھا تھا' اور نہایت ہی خاص نظروں سے تکا تھا' غنویٰ کی نظروں سے وہ خاص نظروں سے دیکھنا چھپا نہیں رہ سکا' بلکہ ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نظریں اس کے اندر تک جھانک رہی ہیں۔

''مما! مجھے بہت شدید بھوک لگ رہی ہے اور آپ ہیں کہ جانے کن فضول کاموں میں لگی ہوئی ہیں''۔ غنویٰ نے خاص طور پر بغور تکتے سبکتگین حیدر ترمذی کو جتایا تھا جو اس کی مما کے ساتھ ان کے قدموں میں بیٹھا زہر سے زیادہ زہر لگ رہا تھا۔ سبرینہ غنویٰ کا طنز اچھی طرح سمجھ گئی تھیں۔

''آپ اندر تو آئیے دیکھیں سبکتگین آئے ہیں نہ سلام نہ دعا''۔

''مما! آپ جانتی ہیں میں ایرے غیرے سے بات کرنا پسند نہیں کرتی ہوں''۔ غنویٰ نے کڑوے لہجے میں کہتے ہوئے زہریلی چبھتی نظروں سے سبکتگین حیدر ترمذی کو دیکھا تھا' سبکتگین حیدر ترمذی چہرہ نیچے جھکائے ہولے سے مسکرادیا تھا۔

''غنویٰ''۔ سبرینہ نے تنبیہہ کی تھی۔

''آنی مما!'' اچانک ہی سبکتگین حیدر ترمذی بول پڑا۔

''مجھے بھی بہت بھوک لگی ہے صبح ناشتے میں صرف ایک توس کھایا تھا''۔

''چلیں ٹھیک ہے ویسے بھی لنچ کا ٹائم ہو رہا ہے آج لنچ میں مٹر پلاؤ اور شامی کباب بنائے ہیں سب مل کر کھاتے ہیں' میں ابھی ٹیبل لگواتی ہوں''۔ سبرینہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھیں۔

''نہیں مما! میری بھوک اب مر چکی ہے نہیں کھانا مجھے کچھ بھی آپ ہی کھائیں اور ایرے غیرے کو کھلائیں اپنا گھر بار چھوڑ کے جب دیکھو یہیں ڈیرا جمائے رکھتے ہیں''۔

''غنویٰ''۔ اب کے سبرینہ نے ہلکے سے ڈانٹا تھا انہیں ناگوار گزرا تھا غنویٰ کا یہ رویہ۔ غنویٰ پھر رکی نہیں وہاں سے پیر پٹختی کمرے کا دروازہ زور سے بند کرتی نکلتی چلی گئی تھی۔ سبرینہ غنویٰ کی حرکتوں پر جتنا حیران پریشان ہوتیں کم تھا۔

''پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے انہیں غنویٰ نے ایسی بدسلوکی تو کبھی نہیں کی''۔ وہ زیر لب بولی تھیں۔

''آنی مما! کوئی بات نہیں چھوڑ دیں آپ کھانا لگوائیں''۔ سبکتگین حیدر ترمذی نے سبرینہ کے گلے میں بازو ڈالا اور انہیں تسلی دی تھی مگر ان کے دھیان کے سارے دھاگے غنویٰ کی بدسلوکی اور برتاؤ میں ہی الجھے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆

''گڈ مارننگ مام!'' ایزی سے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں ابراش عسکری وہیں ٹی وی لاؤنج میں آیا تھا۔

''یہ گڈ مارننگ کا ٹائم ہے آپ کے؟'' ڈاکٹر زائر چوہان چوہدری قیصر عسکری کے ہمراہ وہیں آئے تھے۔

''ارے زائر صاحب آپ السلام علیکم''۔ ابراش عسکری اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا جسے زائر چوہان نے مسکراتے ہوئے تھام لیا تھا۔

''وعلیکم السلام''۔

''خیریت تو ہے اتنی صبح صبح ڈاکٹر کا یہاں ہونا''۔ اس نے اثناء قیصر کو اب غور سے دیکھا تھا جو ملازم سے کانچ کی ٹیبل پر گرا دودھ صاف کروا رہی تھیں اور وہ کانچ کا گلاس شاید ٹوٹ بھی گیا تھا جسے انہوں نے ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔

''پہلی بات تو یہ کہ اس وقت دوپہر کے دو بج رہے ہیں مگر آپ اپنی بے فکری کی لائف گزاریئے''۔ چوہدری

قیصر عسکری نے سنجیدہ نظروں سے ابراش عسکری کو دیکھا تھا اب لگ رہا تھا کہ کوئی سیریس بات ہے اس نے شرمندہ ہو کر اشناء قیصر کو دیکھا۔

''مام! بتائیے نا کچھ ہوا ہے کیا؟''

''سنی کا گرم دودھ سے ہاتھ جل گیا ہے''۔

''مگر کیسے اور زنیرہ کہاں تھی''۔ اس نے فکرمندی سے پوچھا اس کے چہرے پر پریشانی صاف ظاہر تھی۔

''میں سنی کو دیکھتا ہوں''۔ اس کا دل بے چین ہو گیا تھا۔

''اشناء میرے اور ڈاکٹر زائر کے لئے کافی کے ساتھ کچھ اسنیکس لے آئیے آپ بیٹھیئے ڈاکٹر زائر''۔ چوہدری قیصر عسکری نے اشارے سے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا تھا۔

''نہیں قیصر صاحب مجھے دیر ہو رہی ہے ایک پیشنٹ کو ابھی تین بجے ملنے کا ٹائم دیا ہے کچھ اسکن اسپیشسلٹ ڈاکٹرز سے مل کر اس پیشنٹ کو بھی ڈسکس کرنا ہے''۔ وہ معذرت خواہ لہجے میں بولے تھے۔

''آئی نو ڈاکٹر زائر کے آپ کا ایک ایک پل قیمتی ہے مگر ایک کپ کافی ہی پی لیجئے ہمارے ساتھ آپ ہمارے فیملی ڈاکٹر فیملی ممبر کی ہی طرح ہیں''۔

''یہ آپ کی سادگی اور پیار ہی ہے جو آپ لوگ مجھے اتنی اہمیت دیتے ہیں ورنہ اس بندے کی کوئی اوقات نہیں ہے''۔ زائر چوہان کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

''ایسا مت بولئے ڈاکٹر زائر عزت و ذلت دینے والی ذات صرف ایک ہی کی ہے اور وہ ہے ہم سب کا رب ذوالجلال جس کے حکم کے بغیر ہر شے کا ہلنا جلنا ور ملنا ناممکن ہے''۔ اشناء قیصر نے مسکراتے ہوئے زائر چوہان کو دیکھا تھا۔

''بے شک اشناء بھابی!'' وہ لاجواب سے ہو کر رہ گئے اور خالی سنگل صوفے پر براجمان ہو گئے۔

''جائیے آپ جلدی سے کافی لے آئیے پھر ڈاکٹر زائر اپنے پیشنٹ کو دیکھنے جائیں گے''۔

''جی بہتر میں ابھی لاتی ہوں''۔

''سنی مائی سوئیٹ ہارٹ!''۔ ابراش عسکری سنی کے بیڈروم میں آیا تھا' جہاں وہ لیٹا تھا اور زنیرہ اس کے پاس بیٹھی اس کا ہاتھ سہلا رہی تھی ابراش عسکری سنی کے پاس آ بیٹھا۔

''بہت زیادہ جل گیا؟''

''جی''۔ اس نے معصومیت سے کہا تھا۔

''ماما درو ہو رہا ہے''۔ ابراش عسکری نے غصے سے زنیرہ کو دیکھا تھا۔

''کیسے ہوا یہ سب اور تم کہاں تھیں؟''

''میں اس کے لئے گرم دودھ رکھ کے گئی تھی یہ چاکلیٹ کی ضد کرنے لگا تھا بس وہی لینے گئی تھی کہ اتنے میں اس نے وہ کھولتا ہوا گرم دودھ کا گلاس اٹھا لیا اور اپنے ہاتھ پر گرا لیا''۔

''تم بھی بالکل عقل کی اندھی ہو اتنا بھی سینس نہیں کہ سنی چھوٹا سا دو سال کا بچہ ہے کیا ضرورت تھی اس کے پاس گرم دودھ رکھ کے جانے کی''۔ ابراش عسکری نے ٹھیک ٹھاک کلاس لی تھی زنیرہ کی۔ زنیرہ خاموش ہو گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ غلطی سراسر اس کی ہے اس کو ایسا رسک نہیں لینا چاہئے تھا۔

(جاری ہے)

عائشہ الیاس

مکمل ناول

اعتبار

گلی میں بچوں اور کرکٹ کا شور صبح سے مچا ہوا تھا۔ چھٹی کے دن گلی کے سارے بچے مل کر کرکٹ میچ کھیلتے جو گھنٹوں چلتا رہتا چوکا چھکا لگنے پر سب مل کر اتنی با آواز بلند چیخیں مارتے کہ گھر کے اندر بیٹھے لوگ بھی دہل

باتے۔ بچوں کی ٹیم میں سب سے آگے سولہ سالہ ماہم ہوتی۔ یہ کھیلنے کا پلان بھی اسی کا ہوتا تھا۔ اپنے تمام ہستوں کو اکٹھا کر کے وہ لوگ سب خوب ادھم مچاتے۔ گھر کے اندر نفیسہ بیگم خوب پیچوں تاب کھا رہی تیں۔ بیٹی نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ دیا تھا۔ پر بچپنا اس کا ابھی تک نہیں گیا تھا سارے بھائیوں کے بعد سب سے آخر میں اس کا نمبر تھا۔ باپ کے حیات نہ ہونے کی وجہ سے بھائیوں نے ہی اسے باپ بن کر پالا۔ بے پناہ پیار اور لاڈ نے اسے ضدی بنا دیا تھا، اس لیے آرام سے اپنی من مانیاں کرتی۔ ایک نفیسہ بیگم ہی تھیں۔ نہیں دن رات اس کی اس قدر لاپرواہ طبیعت کی فکر کھائے جاتی۔ انہیں بھی عام ماؤں کی طرح وسوسے ستاتے رہتے تھے۔ وہ اسے سگھڑ، سلیقہ مند بنا کر جلد سے جلد اپنے گھر کا کر دینا چاہتی تھیں۔ پر جب اس کی کھلنڈری طبیعت دیکھتیں تو پریشان ہو جاتیں۔

☆.....☆

وہ میچ ختم ہونے کے بعد سیدھی چلتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی اور سیدھی ابرار کے برابر والے صوفے پر

گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔

''بھابی پلیز! ایک گلاس پانی دے دیں۔'' ساتھ ہی اس نے با آواز بلند کچن میں کام کرتی ہوئی عالیہ کو کہا۔

ابرار جو اخبار پڑھنے میں محو تھا فوراً اپنی گڑیا جیسی بہن پر پیار بھری محو نظر ڈالی۔ ابرار سب بھائیوں میں بڑا تھا اور سب سے زیادہ لاڈ بھی وہی اس کے اٹھاتا تھا۔

''کیسا رہا میچ؟'' ابرار نے پوچھا تو وہ فوراً پرجوش ہو کر بولی۔

''بھائی جان! پوچھیں ہی مت آج میں نے ایسے چوکے چھکے لگائے کے سب دیکھ کر دنگ رہ گئے اور ہمیشہ کی طرح جیت ہماری ٹیم کی ہوئی۔'' عالیہ پانی لے کر آئی تو اسے وقفہ دینا پڑا غٹاغٹ پانی کا گلاس چڑھایا۔

''تھینکس بھابی!'' عالیہ کو گلاس تھمایا اور دوبارہ ابرار کو میچ کی داستان سنانے لگی۔ ابرار بھی خوب متوجہ ہو کر سن رہا تھا۔

''وہ انور انکل کا بیٹا ہے ناں زبیر بھائی وہ تو اتنا فراڈ ہے ناں کہ میں کیا بتاؤں پر میں نے بھی اسے ایسا مزا چکھایا کے یاد رکھے گا کہ کس سے پنگا لیا ہے۔'' وہ فخر سے شرٹ کا کالر جھاڑتے ہوئے بولی۔ ابرار اس کی باتوں پر بس خاموشی سے مسکرا رہا تھا۔

''اف اللہ! میں نے منع کیا تھا ناں یہ کپڑے مت پہننا۔ تم نے پھر پہن لیے اور یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے۔ اٹھو جلدی سے یہ ماہی منڈوں والا حلیہ بدلو۔'' نفیسہ بیگم اندر سے جیسے ہی نمودار ہوئیں تو ماہم کے حلیے کو دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ کرکٹ سوٹ میں ملبوس دوپٹے سے بے نیاز پسینے میں شرابور وہ تو دیکھ کر ہی پریشان ہو گئیں۔ ماہم آگے سے لاپرواہی سے ٹانگیں جھلانے لگی۔ یہ سب وہ ابرار کی شہہ پر کرتی تھی۔

''تمہیں سنائی نہیں دے رہا میں نے کیا کہا ماہم!'' وہ دھاڑیں تو ماہم معصوم سی شکل بنا کر ابرار کی طرف دیکھنے لگی۔ کیونکہ جانتی تھی ابرار کے ہوتے ہوئے اسے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

''ارے چھوڑیں امی! کیوں اس کے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔'' حسب توقع ابرار نے اسے شہہ دی۔

''تم چپ کرو ابرار! یہ تم لوگوں کے لاڈ پیار نے اسے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ نہ جانے اگلے گھر جا کر کیا کرے گی۔ اٹھو ماہم فوراً سے پہلے اپنا حلیہ بدلو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' ان کے لہجے میں اتنی سختی تھی کہ ابرار کو خاموش ہونا پڑا اور ناچار ماہم کو اٹھنا پڑا۔

''امی! آپ خوامخواہ پریشان ہوتی رہتی ہیں۔ ابھی وہ بچی ہے۔ آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی۔'' اس کے جاتے ہی ابرار نے نفیسہ بیگم کو سمجھایا۔

''بچی..... تمہیں وہ بچی لگتی ہے ابرار! وہ اب بڑی ہو گئی ہے۔ بیٹیاں تو پرائی امانت ہوتی ہیں اور ان کا خیال بھی امانت کی طرح کرنا ہوتا ہے۔ تم اس کے اٹھنے بیٹھنے کے انداز کو دیکھو یہ سب لڑکیوں کو زیب نہیں دیتا۔ تم ہی بتاؤ اگر عالیہ بھی ماہم جیسی ہوتی تو پھر تم کر لیتے گزارا۔''

''اوفو امی! آپ بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں۔'' ابرار کو یہ بات سخت ناگوار لگی۔

''بیٹا! میں تو تمہیں سمجھا رہی ہوں۔ پر شاید تم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ میں ماں ہوں اس کی فکر ہوتی ہے مجھے۔'' وہ کہتی ہوئی اندر کی طرف چل دیں۔ ابرار نے سر جھٹک کر ٹی وی آن کر لیا۔ عالیہ ابرار کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی۔ ساتھ دوپہر میں بننے والی سبزی کاٹنے لگی۔

''ویسے امی! ماہم کے لیے بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آپ اسے پیار دیں پر بگاڑیں تو نہیں'' عالیہ نے کچن

میں کام کرتے ہوئے لاؤنج میں ہونے والی گفتگو سن لی تھی۔

اسے اس گھر میں بیاہ کر آئے ہوئے ایک سال ہو گیا تھا اور وہ بہت اچھے سے اس گھر کے مکینوں کی طبیعت سے واقف ہو گئی تھی۔ بھائیوں کا ماہم کے لیے بے پناہ پیار اسے بھی اچھا لگتا تھا پر اس کی کھلنڈری طبیعت اسے بھی پریشان کرتی تھی۔

''پلیز! اب تم بھی امی کی طرح شروع مت ہو جانا۔ ماہم ابھی بہت چھوٹی ہے بڑی ہو گی تو سمجھ جائے گی۔'' ابرار نے سختی سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

☆.....☆

شام کے وقت ماہم لاؤنج میں صوفے پر لیٹی ٹانگ پر ٹانگ رکھے مووی دیکھنے میں محو تھی۔ ساتھ ساتھ پاپ کورن کا بھی صفایا ہو رہا تھا کہ اچانک نفیسہ بیگم کی آمد نے اسے بوکھلا دیا۔ وہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ نفیسہ بیگم کی عادت سے خوب واقف تھی۔ نفیسہ بیگم اس کے برابر میں بیٹھ گئیں اور تیل کی شیشی کا ڈھکن کھولنے لگیں۔

''امی! میں تیل نہیں لگواؤں گی۔'' وہ پیچھے ہٹی تیل کی شیشی دیکھ کر۔ نفیسہ بیگم نے زبردستی اسے پاس بٹھا لیا۔

''چپ کر کے بیٹھی رہو۔ ورنہ دو تھپڑ لگاؤں گی اور یہ تمہارے کوئی بال ہیں۔ اپنے جیسے چڑیا کا گھونسلہ۔'' وہ تیل اس کے سر میں ڈالتے ہوئے بولیں آگے سے وہ برا سا منہ بنانے لگی۔

''اب کی بار میں تمہیں بال کٹوانے نہیں دوں گی۔ کندھوں تک آتے نہیں ہیں کہ لڑکوں جتنے بال کٹوا لیتی ہو۔'' انہوں نے ایک اور ہدایت جاری کر دی تو وہ منہ بسور کر بولی۔

''مجھے نہیں اچھے لگتے لمبے بال اور نہ ہی مجھ سے سنبھالے جاتے ہیں۔''

''ارے سنبھالے کیسے نہیں جاتے سنبھالنا سیکھو گی تو سنبھالو گی ناں اور عورت کی تو یہ خوب صورتی ہوتی ہے۔'' وہ اس کے سر میں ہلکا ہلکا سا مساج کرتے ہوئے بہت پیار سے بولیں۔

''پر میں عورت نہیں ہوں۔'' اسے ان کا عورت کہنا بڑا ناگوار لگا۔

''ارے یہ کیا کیا تم نے نا میری بچی، تم اپنا اٹھنا بیٹھنا بھی ٹھیک کرو۔ یہ پینٹ شرٹ کا پیچھا چھوڑو۔ شلوار قمیض پہنا کرو سلیقے سے دوپٹہ اوڑھا کرو۔'' آج وہ اسے بڑے پیار سے سمجھا رہی تھیں۔ پر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ پھر اسے مثال کے طور پر اپنی بہو کی خوبیاں گنوانے لگیں۔ کہاں سمجھ آتی تھیں ان کی باتیں۔

''اب تم اپنی بھابی کو ہی دیکھ لو۔ تیس سال عمر ہے پر ماشاءاللہ کیسی سگھڑ، سلیقہ مند خوب صورت ہے۔ سب کو خوش رکھتی ہے بیٹا عورت کا اصل روپ یہی ہے۔'' وہ بہت رسانیت سے سمجھا رہی تھیں۔ ماہم کی نظر بیرونی دروازے پر پڑی جہاں سے عادل اپنے دوست فرحان کے ساتھ داخل ہو رہا تھا۔ عادل تمام بھائیوں میں چھوٹا تھا۔ ماہم اس سے چار سال چھوٹی تھی۔ ان کی زیادہ دوستی ہونے کی وجہ سے اتنی بے تکلفی تھی کہ وہ اسے بھائی کہنے کے بجائے عادل ہی کہتی تھی۔ ماہم کی اسے دیکھ کر آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ فوراً چھلانگ لگا کر اس کی طرف بھاگی۔ نفیسہ بیگم سر پکڑ کر بیٹھ گئیں کہاں ابھی وہ اسے اتنے پیار سے سمجھا رہی تھیں اور اس کا اثر یہ ہوا تھا۔

''عادل کے بچے فوراً سے پہلے میری آئسکریم نکالو۔ آج نہیں چھوڑوں گی تمہیں۔'' دو دن پہلے عادل

اس سے لڈو کی بازی ہار گیا تھا اور شرط کے مطابق ہارنے والے کو آئسکریم کھلانی تھی۔ عادل جو دو دن سے بچتا پھر رہا تھا آج ماہم نے اسے پکڑ ہی لیا۔

''سوری یار! بھول گیا رات میں پکا لا دوں گا۔ ابھی فرحان آیا ہوا ہے۔ ابھی کے لیے معافی دے دو۔'' عادل عاجزی سے بولا۔ ورنہ اسے پتا تھا اس نے گلے پڑ جانا تھا۔ ماہم نے ایک نظر فرحان پر ڈالی تو لحاظ کرنا ہی پڑا۔

''فرحان بھائی! آپ کی وجہ سے چھوڑ رہی ہوں اسے۔'' وہ فرحان کو ایسے بولی جیسے کوئی بڑی مہربانی کر رہی ہو۔

''تھینکس!'' فرحان بھی بڑی تابعداری سے بولا۔ فرحان کو وہ نٹ کھٹ سی لڑکی اس وقت واقعی معصوم سی لگ رہی تھی۔ فرحان اور عادل نفیسہ بیگم کو سلام کرتے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

فرحان عادل کا بیسٹ فرینڈ تھا۔ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک دونوں ابھی تک ساتھ تھے۔ اکثر فرحان عادل کے پاس کمبائن اسٹڈی کرنے آتا تھا۔ گھر والوں کے لیے وہ بھی گھر کے فرد کی طرح تھا۔ جہاں ماہم کی عادل سے بنتی تھی وہیں فرحان سے بھی وہ خوب گپ شپ لگاتی جب کہ فرحان ایک ریزرو طبیعت کا مالک انسان تھا لیکن ماہم کی معصوم باتیں نٹ کھٹ شرارتیں اسے ہنسنے مسکرانے پر مجبور کر دیتی تھیں۔

عالیہ نے اسے ٹرالی چائے اور کھانے پینے کے سامان سے سجا کر دی۔ وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی عادل کا کمرہ ناک کر کے اندر آ گئی۔ فرحان ٹرالی پر سجے کھانے پینے کے لوازمات دیکھ کر شرمندہ سا ہو گیا۔

''ارے ماہم! تم نے آنٹی کو منع کیوں نہیں کیا خوامخواہ اتنی زحمت کی۔'' فرحان کو جواب دینے کے لیے عادل نے لب وا کیے ہی تھے کے ماہم فوراً بولی۔

''میں پاگل تھوڑی ہوں فرحان بھائی! جو امی کو منع کرتی خوامخواہ امی مجھے ڈانٹتیں اور ویسے بھی آپ بے فکر ہو کر کھائیں آپ اکیلے تھوڑی ہی کھائیں گے ہم بھی کھائیں گے۔ ہم بھی آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔'' وہ اپنے طور پر بہت سمجھداری سے بولی عادل اس کی بات پر فرحان کے آگے شرمندہ ہو گیا جب کہ فرحان زیرلب مسکرا دیا۔

''اچھا تمہیں زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چپ چاپ یہ سامان رکھو اور جاؤ یہاں سے۔'' عادل نے اسے جھڑکا تو اس نے آگے سے غصے سے آنکھیں دکھائیں۔

''تم زیادہ مت بولو میں تو یہیں بیٹھی ہوئی ہوں۔ ویسے بھی فرحان بھائی اتنے دنوں بعد آئے ہیں۔'' وہ فرحان کو چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے مکمل ڈھیٹ پنے سے بولی تو عادل سر جھٹک کر رہ گیا۔

''فرحان بھائی! آپ کی اس کھڑوس سے دوستی کیسے ہو گئی؟'' وہ دہی بڑے پیالی میں نکالتے ہوئے بولی۔

''بالکل ویسے جیسے تمہاری ہو گئی۔'' فرحان خوب واقف تھا۔ عادل اور ماہم بہن بھائی کم دوست زیادہ تھے اس لیے اس نے اس پر چوٹ کی ماہم آگے سے شرمندہ سی مسکرا دی۔ آگے سے عادل نے بڑے فخر سے اپنے کالر جھاڑے فرحان کی بات پر ماہم بس اسے منہ چڑا کر رہ گئی۔ معاً فرحان کے موبائل پر میسج ٹون بجی تو اس نے چونک کر موبائل دیکھا۔

''ابے یار!'' فرحان کے بہت تیزی سے بیزار کن تاثرات چہرے پر ابھرے تھے۔ ماہم بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ پر فرحان کی بیزاری کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ پر عادل سمجھ گیا تھا کس کا میسج ہے ان کی یونیورسٹی کی

لڑکی فرحان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی تھی۔ فرحان اسے بری طرح اگنور کر رہا تھا۔ پر وہ بھی ڈھیٹ تھی فرحان نے اپنے نمبر بھی بدل کر دیکھ لیے پر نجانے وہ کہاں سے نمبر حاصل کر لیتی تھی۔

''اسی کا میسج ہے کیا؟'' عادل معنی خیزی سے بولا۔ جب کہ فرحان نے اسے غصے سے آنکھیں دکھائیں۔ ماہم پل بھر میں سارا معاملہ سمجھ گئی۔

''یار! تو اسے میرے ساتھ سیٹ کر دے۔ کاش کوئی ہمیں بھی اس طرح چاہے۔'' عادل سرد آہ بھر کر بولا۔

''پہلے تم اپنے آپ کو تو درست کر لو۔ تمہاری اس سوکھی سڑی شکل پر کوئی مرنے مٹنے والی نہیں ہے۔ فرحان بھائی کو دیکھو کیسے ہینڈسم ہیں۔ کچھ ان سے ہی ٹپ لے لو۔'' ماہم بیچ میں فوراً چہک کر بولی۔ فرحان اس کی بات پر مسکرا دیا جب کہ عادل نے کہا۔ ''تم میری بہن ہو یا دشمن۔'' عادل کو بڑا ناگوار لگا۔

''بھئی بہن ہوں۔ جبھی تو اچھا مشورہ دے رہی ہوں۔'' وہ ایک بار پھر دہی بڑے کی پیالی دوبارہ بھرتے ہوئے خوب محظوظ ہو کر بولی۔

''اب تو تم اٹھو چلو تمہاری موجودگی کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔'' عادل اٹھا اور اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کرنے لگا۔

''بھئی کیا ہے ابھی تو میں نے فرحان بھائی سے باتیں بھی نہیں کیں۔'' وہ بازو چھڑاتے ہوئے بولی۔

''ارے عادل یار! چھوڑ دو اسے۔'' اب کے فرحان بیچ میں بولا تو وہ اور شیر ہو گئی۔

''دیکھا تم نے فرحان بھائی بھی یہی چاہتے ہیں میں یہیں بیٹھوں چلو چھوڑو میرا ہاتھ۔''

''زیادہ مت بولو تم ہماری کمپنی میں خوامخواہ زبردستی شریک ہو رہی ہو۔ چلو نکلو یہاں سے ورنہ بلاتا ہوں امی کو۔'' عادل نے آخر میں جو دھمکی دی اس کا اثر کافی تیزی سے ہوا۔

''اچھا بھئی جا رہی ہوں کھڑوس۔'' وہ غصے میں چبا چبا کر بولی۔

فرحان مسکراتا ہوا ان کی نوک جھوک دیکھ رہا تھا۔ ماہم کے جاتے ہی وہ سکون سے فرحان کے پاس آ بیٹھا ورنہ ماہم کی بے قابو زبان سے تو ڈرتا ہی رہتا۔

''سچ میں یار! ماہم تم لوگوں کے گھر کی رونق ہے۔'' فرحان نے کہا۔

''ارے رونق پوری آفت کی پرکالا ہے۔'' عادل پلیٹ میں کباب ڈالتے ہوئے بولا۔

''ارے نہیں یار! ایسا تو مت کہہ۔ وہ بہت معصوم ہے۔ اس کی باتیں بے ساختہ اور معصوم ہوتی ہیں۔'' فرحان نے کھلے دل سے تعریف کی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' عادل کو بھی ماننا پڑا۔ اچانک پھر فرحان کے موبائل کی میسج ٹون بج اٹھی۔

''ارے یار! اب تو میرا دل کرتا ہے جان سے مار دوں اس لڑکی کو حد ہوتی ہے یار ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئی ہے۔'' فرحان کو پھر غصہ آنے لگا۔

''ارے جانے دے یار! کیوں ہائپر ہو رہا ہے۔ یہ لے تو دہی بڑے کھا۔ اور اس ٹینشن کو گولی مار۔'' عادل نے رسانیت سے سمجھایا اور دہی بڑوں کی پیالی اس کی طرف بڑھا دی۔ جب کہ وہ اس چیکو لڑکی کی حرکتوں پر خوب پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

☆.....☆

عالیہ کے امید سے ہونے کی خبر نے پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑا دی۔ نفیسہ بیگم نے خوشی سے بہو کے ماتھے پر بوسہ دیا ساتھ ڈھیروں دعائیں بھی۔ سب ہی عالیہ کے خوب ناز نخرے اٹھا رہے تھے۔ ماہم جو ہل کر پانی نہیں پیتی تھی وہ اپنے ہاتھوں سے اسے جوس بنا بنا کر دیتی۔ گھر میں ایک الگ سا ہی سماں بندھ گیا تھا۔ شدت سے انتظار کرنے کے بعد خدا نے آخر انہیں خوشی کا دن بھی دکھا دیا۔ عالیہ نے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی سب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ گھر میں گونجتی معصوم ننھے بچوں کی قلقاریاں سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دیتی تھیں۔ ماہم کے ہاتھ تو جیسے کوئی کھلونا آ گیا تھا سارا سارا دن بچوں کے ساتھ لگی رہتی۔ دن آہستہ آہستہ یونہی سرکتے جا رہے تھے۔ ماہم نے میٹرک کے رزلٹ کے بعد کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ پڑھائی کے ٹف بوجھ نے اسے اور بھی مصروف کر دیا تھا پر اس کی اونگی بونگی حرکتیں جوں کی توں تھیں اور جیسے ہی فارغ ٹائم ملتا تو دوستوں کو جمع کر کے کھیلنا شروع کر دیتی۔ نفیسہ بیگم اسے ڈانٹتی رہ جاتیں پر اس پر کہاں اثر ہوتا تھا۔

☆.....☆

رات میں گھر والے لاؤنج میں موجود خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ماہم سب سے بے نیاز بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مگن تھی۔ ابرار اسے بہت پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی زندگی میں اولاد کے آ جانے سے بھی بہن کی محبت میں کمی نہیں ہوئی تھی۔

''عالیہ! کل گیسٹ روم کی ٹھیک سے صفائی کروا دینا۔'' عالیہ سب کے لیے چائے لے کر آئی تو ابرار نے اسے کہا۔ جہاں عالیہ چونکی تھی وہیں باقی نفوس بھی چونکے۔

''کیوں خیریت؟''

''ہاں وہ کل میرا دوست آ رہا ہے۔ لاہور سے صغیر اپنے بزنس کے سلسلے میں کچھ دن یہاں رہے گا۔ تم ٹھیک سے صفائی کروا لینا۔''

''ٹھیک ہے میں کروا دوں گی۔'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

''ابرار بیٹا! صغیر وہی ہے ناں جو کالج میں تمہارے ساتھ پڑھتا تھا۔'' نفیسہ بیگم اپنی یادداشت پر زور دیتے ہوئے بولیں۔

''جی امی!'' ابرار نے بھی تائید کی۔

''اچھا اب کیسا ہے وہ کیا کرتا ہے۔ شادی وغیرہ ہو گئی اس کی؟'' نفیسہ بیگم نے ایک ساتھ سوال جڑ دیے۔

''ٹھیک ہے امی! شادی تو نہیں ہوئی اس کی۔ اپنے کام میں اتنا مصروف رہتا ہے کہتا ہے شادی کے لیے وقت نہیں ہے میرے پاس۔'' ابرار کی بات پر نفیسہ بیگم بہت حیران ہوئیں۔

''لو بھلا بتاؤ یہ کیا بات ہوئی شادی کے لیے وقت نہیں نکلتا۔ گویا شادی نہ ہو گئی کوئی معمولی کام ہو گیا۔''

''اب امی! ہم کیا کہہ سکتے ہیں اس کی اپنی مرضی ہے۔'' ابرار لاپرواہی سے بولا۔

☆.....☆

اگلے دن گھر میں ہل چل مچی ہوئی تھی۔ عالیہ صفائی کے ساتھ ساتھ کھانے کا بھی اہتمام کر رہی تھی۔ نفیسہ بیگم بھی اس کی کافی مدد کر رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ ماہم پر غصہ بھی کر رہی تھیں۔ جو کالج سے آنے کے بعد یونیفارم بدلے بغیر بچوں کے ساتھ مگن تھی۔

''ماہم! اٹھ جاؤ کیا مہمان کے سامنے اس حلیے میں جاؤ گی۔'' نفیسہ بیگم اس کے سر پر سوار غصہ کر رہی تھیں۔

''بھئی امی! میں نہیں اٹھ رہی۔'' ماہم نے چھوٹی زینا کے گالوں کو چومتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

''اب تم اگر نہیں اٹھی ناں تو میں تھپڑ مار کر اٹھاؤں گی۔'' وہ اس پر گرجیں تو مجبوراً اسے اٹھنا ہی پڑا۔ جب کہ موڈ تو اس کا بالکل بھی نہیں تھا۔

''یا اللہ! میں کیا کروں اس لڑکی کا نہ جانے کب اس کا بچپنا ختم ہو گا۔'' وہ اس کے جانے کے بعد سر پکڑ کر بولیں۔

صغیر کو ایئرپورٹ ابرار لینے گیا تھا۔ دوپہر کے وقت ان کی آمد ہوئی تھی۔ ان کے آنے کے بعد عالیہ نے کولڈ ڈرنک سرو کی۔ نفیسہ بیگم اور ابرار اس کے پاس ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ کافی دیر باتیں چلتی رہیں تب تک عالیہ نے کھانا لگا دیا تھا۔ صغیر فریش ہو کر آیا تو اس کے آنے کے بعد کھانا شروع کیا گیا۔

''ارے یار! تم نے اتنا اہتمام کروایا۔ میں سمپل آدمی ہوں۔ تم تو اتنی فارمیلٹی میں پڑ گئے۔'' صغیر ٹیبل پر سجے کھانے کے لیے بے شمار لوازمات دیکھ کر کچھ شرمندہ ہو کر بولا۔

''اچھا چل اتنا مہذب نہ بن، سب جانتا ہوں تو کھانے کا کتنا شوقین ہے۔'' ابرار دوستانہ انداز سے بولا تو وہ مسکرا دیا۔

''بیٹا! تمہیں شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے اپنا گھر ہی سمجھ کر کھاؤ۔'' نفیسہ بیگم نے بھی کہا۔

''بائی داوے بھابی! آپ کے ہاتھ میں بہت ٹیسٹ ہے۔ کھانا بہت مزیدار بنا ہے۔'' اس نے بریانی کے پہلے نوالے پر ہی جی بھر کر تعریف کر ڈالی۔ عالیہ جواب میں مسکرا دی۔

''امی! گڑیا کہاں ہے وہ کھانا نہیں کھائے گی؟'' ابرار کو ماہم کی غیر موجودگی کا فوراً احساس ہوا۔

''نہانے کا کہہ کر گئی تھی۔ میں دیکھتی ہوں کہیں بچوں کے ساتھ کھیلنے نہ لگ گئی ہو یہ لڑکی بھی بچوں کے ساتھ بچہ بن جاتی ہے۔'' نفیسہ بیگم کرسی سے اٹھتے ہوئے بولیں اور ان کا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا تھا وہ نہانے کے بعد بچوں کے پاس بیٹھی کھیل رہی تھی۔

''تم نے کھانا نہیں کھانا؟'' وہ اس کے سر پر آ کھڑی ہوئیں۔

''نہیں امی! مجھے بھوک نہیں ہے۔ کالج میں کافی ہیوی برگر کھا لیا تھا۔'' وہ چھوٹے صارم کو اچھالتے ہوئے بولی۔

''اور یہ کیا تم نے پھر وہی پینٹ شرٹ پہن لی۔ مہمان کے سامنے اس حلیے میں جاؤ گی کیا کروں میں تمہارا ماہم۔'' وہ حسب معمول بولیں۔

''امی! آپ کو کیا مسئلہ ہے آپ کبھی میری کسی چیز سے خوش بھی ہو جایا کریں۔'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''تم خوش کرنے کے لائق کوئی کام کرتی ہو۔ فوراً اٹھو اور جو میں نے تمہیں شلوار قمیض بنوا کر دی ہے وہ پہنو۔'' وہ سختی سے بولیں۔

''کیا وہ شلوار قمیض..... نیور میں نہیں پہنوں گی۔'' اسے تو جیسے صدمہ ہی لگ گیا۔

''تمہیں اپنی ماں کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔ کیوں مجھے ستاتی ہو۔ سات بیٹے میرے کم ہیں جو تمہیں آٹھواں بننے کا شوق ہے۔''

''مجھے بیٹا بننے کا شوق نہیں ہے بلکہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔'' وہ صارم کو لپٹا کر پیار سے ان کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے بولی۔

''دور ہٹو مجھ سے بات مت کرنا مجھ سے۔ تمہیں ذرا ماں کا خیال نہیں ہے۔'' وہ غصے میں جلتی بھنتی باہر چلی گئیں۔ پیچھے سے وہ ڈھیٹوں کی طرح مسکراتی ہوئی پھر سے بچوں میں مگن ہوگئی۔

☆.....☆

شام کے وقت لان میں کرسیوں پر براجمان صغیر اور ابرار چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بزنس پر ڈسکس کررہے تھے۔ تب اچانک ماہم باہر سے دروازہ کھولتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور زور سے بند کر کے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ ابرار نے اسے پیچھے سے پکارا۔ اس نے پلٹ کر ابرار کی طرف دیکھا اور سست قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس آبیٹھی۔ اس کے چہرے پر پھیلی افسردگی اور ویرانی دیکھ کر ابرار بے چین سا ہوگیا۔

''گڑیا! کیا بات ہے کوئی پریشانی ہے؟'' ابرار نے بے چین ہوکر پوچھا۔ صغیر جو لیپ ٹاپ پر کچھ کام کررہا تھا ایسے ہی اس پر سرسری نظر ڈالی اور پھر مصروف ہوگیا۔ ماہم کو تو ایسے جیسے چپ لگ گئی تھی کچھ بولی ہی نہیں۔

''بولو ناں گڑیا! خاموش کیوں ہو؟'' ابرار کو فکر ہونے لگی۔ ابرار نے ذرا زور ڈالا تو اس کی بانہوں سے لپٹ کر رونا شروع ہوگئی۔ ابرار اس کے رونے سے پریشان سا ہوگیا۔ جب کے صغیر بھی چونک سا گیا۔ صغیر نے بغور اسے دیکھا کرکٹ شرٹ اینڈ پینٹ میں ملبوس بوائے ہیئر کٹ کٹے بال چہرے پر بلا کی معصومیت وہ اسے لڑکی کم لڑکا زیادہ لگ رہی تھی۔ وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ صغیر اسے مبہوت سا دیکھے گیا۔

''ارے میری جان میری گڑیا! رو کیوں رہی ہو کیا بات ہوئی ہے؟'' ابرار نے اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں بھرتے ہوئے پیار سے پوچھا۔ صغیر بڑے پر اشتیاق انداز سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''وہ انور انکل کا بیٹا ہے ناں زبیر آج اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر میرا مذاق اڑایا ہے۔''

''پر کیوں؟'' ابرار حیران ہوا۔

''وہ کہتا ہے میں اتنی بڑی ہوکر چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلتی ہوں۔ اسے کیا تکلیف ہے میں جس کے ساتھ بھی کھیلوں۔'' وہ مسلسل رو رہی تھی۔ ابرار کو بے انتہا زبیر پر غصہ آگیا۔

''تم فکر مت کرو میں اس کی خبر لے لوں گا۔ اٹھو تم جا کر منہ دھو اور اب رونا مت۔'' وہ اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ ایسے جیسے کسی چار سال کے بچے کو چپ کروا رہا ہو۔

صغیر کو یہ سب دیکھ کر بڑی حیرت ہو رہی تھی۔ جوانی اس پر امڈ آئی تھی چہرے پر لاکھ معصومیت تھی پر وہ بچی نہیں تھی۔ صغیر کی نظر اس کے چہرے پر ٹھہر گئی تھی۔ ہرنی جیسی آنکھیں کھنیری پلکوں سے وہ آنسو پونچھتے ہوئے کسی کا بھی ایمان ڈول جانے کی طاقت رکھتی تھی۔ صغیر نے خود کو ملامت کرتے ہوئے کہا وہ سوچنے لگا تھا۔

ماہم آنسو پونچھتی ہوئی اندر چلی گئی۔

''پوری کی پوری بچی ہے۔'' ابرار اس کے جانے کے بعد صغیر سے مسکراتے ہوئے بولا۔ تو صغیر بھی دھیما سا مسکرا دیا۔

☆.....☆

ماہم لان میں جھولے پر بیٹھی آسمان کو تک رہی تھی۔ شام کی ٹھنڈ ہر سو پھیل رہی تھی۔ وہ آسمان پر اڑتے ہوئے پرندوں کے غول کو تک رہی تھی۔ ایک لائن میں اڑتے ہوئے پرندے اسے بہت خوب صورت لگ

رہے تھے۔ وہ چاکلیٹ کھاتے ہوئے اردگرد سے بے نیاز آہستہ آہستہ جھولا جھولتی ہوئی آسمان کو دیکھنے میں کھوئی ہوئی تھی۔ صغیر کا وہاں سے گزر ہوا تو اسے دیکھ کر تھم گیا۔ کچھ دیر اسے تکتا رہا جو نجانے کہاں کھوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا ماہم اتنی گم تھی کے اسے ذرا سی بھی آہٹ محسوس نہ ہوئی۔ صغیر نے اسے متوجہ کرنے کے لیے گلا کھنکارا تو وہ چونک گئی۔ اس نے صغیر پر نظر ڈالی اور اس کی آمد سے چونکی۔ ڈارک براؤن ڈریس پینٹ پر اسکن کلر کی شرٹ میں ملبوس آنکھوں پر نظر کے گلاسز لگائے وہ کافی سوبر پرسنالٹی کا انسان لگ رہا تھا۔ شکل وصورت میں بھی وہ کافی پرکشش تھا۔ ماہم کو مسکراتے ہوئے دیکھتے ہوئے اس کے دائیں گال کا ڈمپل کافی گہرا ہوگیا تھا۔ جو اس کے پرکشش چہرے پر خوب صورت لگ رہا تھا۔

''یہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کونسا نظارا کیا جارہا ہے؟'' وہ بازوؤں کو سینے پر باندھتے ہوئے اور اس کے چہرے پر گہری نظریں مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

''کچھ نہیں بس ایسے ہی پرندوں کو دیکھ رہی تھی۔'' وہ اپنی خوش اخلاق طبیعت کے مطابق مسکراتے ہوئے بولی۔

''اچھا ایسا کیا خاص دیکھ رہی تھیں ان پرندوں میں۔'' وہ اتنے دوستانہ انداز سے بولا جیسے اس کی اس سے صدیوں سے جان پہچان ہو یا پھر جان پہچان بنانے کی کوشش کررہا ہو۔

''خاص تو کچھ نہیں دیکھ رہی تھی۔ بس مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ یہ پرندے جو انسانوں جیسی عقل نہیں رکھتے پر اڑتے ہوئے کیسے ایک ہی سیدھ میں ایک ساتھ کیسے اکٹھے اڑتے ہوئے ساتھ چلتے ہی جاتے ہیں۔ انہیں کیسے اتنی سمجھ ہوتی ہے؟'' اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کھوئے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

''جس طرح سے سمجھنے بوجھنے کی خدا نے ہمیں عقل دی ہے۔ اسی طرح انہیں بھی اپنا ہر کام کرنے کے لیے خاص صلاحیت دی ہے بس فرق اتنا ہے کہ انسانوں کی طرح انہیں عقل نہیں دی۔''

''خیر یہ بتاؤ تم ان فالتو مشاغل کے علاوہ پڑھتی بھی ہو یا نہیں؟'' وہ دیکھنے میں اتنی محو تھی کہ اس کے غیر متوقع سوال پر چونکی۔

''کیوں آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' وہ چاکلیٹ کھاتے ہوئے بولی۔

''پوچھ اس لیے رہا ہوں کہ میں نے تمہیں جب بھی دیکھا صرف کھیلتے کودتے دیکھا۔'' اس نے صاف کہا۔

''خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں کھیلنا کودنا میرا شوق ضرور ہے پر اب ایسا بھی نہیں کے پڑھتی بھی نہیں۔'' وہ بھنویں اچکاتے ہوئے بولی۔

''ویسے یہ میری جاسوسی آپ کیوں کررہے ہیں مجھے تو اب شبہ ہونے لگا ہے۔ کہیں آپ مہمان کے بجائے جاسوس تو نہیں ہیں۔'' ماہم کی بات پر وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

''بھئی میں تمہاری جاسوسی کیوں کروں گا۔ میں تو جو تمہارے روز کے مشاغل دیکھتا ہوں تمہیں وہی بتا رہا ہوں۔''

''آپ کو بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

''اچھا تو پھر تم اس غلط فہمی کو دور کردو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ آہستہ آہستہ وہ اسے باتوں میں یوں الجھا گیا کہ نجانے کتنا وقت گزر گیا اور ماہم اس سے مزے سے باتیں کرتی رہی۔ وہ شام صغیر کے لیے بڑی

خاص ثابت ہوئی تھی۔ کیونکہ اس شام کے بعد وہ ماہم سے دوستی کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

☆.....☆

اب ماہم کا زیادہ تر وقت صغیر کے ساتھ گزرنے لگا تھا۔ ماہم کا دل جیتنے کے لیے اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ماہم کے مشاغل میں دلچسپی لینی پڑتی تا کہ وہ اس کے قریب ہو سکے وہ صغیر کی سوچ سے بے خبر اسے صرف ایک اچھا دوست سمجھنے لگی تھی۔ گھر والے اس کے صغیر سے یوں گھلنے ملنے پر وہم کا شکار نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ ہر کسی سے ایک سا رویہ رکھتی تھی۔ اس کی بچکانہ حرکتوں پر سب ہنستے تھے۔ نفیسہ بیگم اسے لاکھ بدلنے کی کوشش کرتیں پر ابھی بھی وہ دوپہر کے وقت گلی کے بچوں کو اکٹھا کر کے لان میں کرکٹ کھیلنے میں مصروف تھی۔

صغیر اپنے کام سے فارغ ہو کر گھر واپس آیا تو اسے لان میں بچوں کے ساتھ کھیلتا دیکھ کر وہیں ٹھہر گیا۔ ماہم نے جھٹ سے اسے بھی کھیلنے کی آفر کر دی۔ جسے اس نے صاف منع کر دیا۔ جب کے وہ دوبارہ سے کھیلنے میں مصروف ہو گئی۔ صغیر کی گہری نظریں اس پر جمی تھیں بھاگتے دوڑتے رن بناتی اردگرد سے بے خبر وہ اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ کچھ دیر کھڑا یونہی اسے تکتا رہا۔ پھر اس کی طرف بڑھا۔

''ارے ماہم! تمہاری بیٹنگ تو بالکل فیل ہے۔ لاؤ میں تمہیں بتاتا ہوں اصل میں کھیلتے کیسے ہیں۔''

''کیا کہہ رہے ہیں میری بیٹنگ کے تو سب ہی دیوانے ہیں۔'' ماہم فخر سے بولی۔

''اچھا پر مجھے تو اچھی نہیں لگی۔ میں تمہیں اس سے زیادہ اچھی کھیلنا سکھا سکتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو؟'' اس کی بات پر وہ کچھ الجھ گئی اس کی بیٹنگ کی تو سب ہی تعریف کرتے تھے۔ صغیر کے منہ سے اس طرح سن کر اسے حیرت ہوئی۔ کچھ دیر کشمکش کا شکار رہی پھر کچھ سوچتے ہوئے ہامی بھری۔

''اچھا ٹھیک ہے بتائیں کیسے کروں بیٹنگ؟'' وہ سیدھی ہو کر بولی۔ وہ اس کی طرف بڑھا جس ہاتھ میں اس نے بیٹ پکڑا تھا اسی ہاتھ پر اپنے ہاتھ کی مضبوط گرفت جما دی۔ ماہم کی کمر اس کے سینے کو چھو رہی تھی۔ وہ اس کی اس قدر قربت پر مدہوش ہونے لگا۔ جب کہ ماہم ان سوچوں سے بے نیاز سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے کھیل پر فوکس کیے ہوئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر اسی پوزیشن میں کھڑا اسے سمجھاتا رہا اور وہ بڑی توجہ سے سب سمجھ رہی تھی۔ اس بات سے بے خبر کے اس کے ذہن میں کیا کچھ چل رہا ہے۔ پھر خود ہی پیچھے ہٹ گیا اور اسے مزید کھیلنے کا کہہ کر اندر کی طرف چلا گیا لیکن اپنے حواسوں پر چھائی ہوئی ماہم کو اپنے ذہن سے نکال نہ سکا۔ جب کے ماہم ویسے ہی پرجوش ہو کر کھیلتی رہی۔

☆.....☆

رات میں وہ کافی دیر تک اپنا آفس ورک کا کام کرتا تھا۔ اس کا اسٹے اب یہاں صرف چار پانچ دن کا تھا۔ اس لیے وہ رات دیر تک کام کرتا رہتا۔ ابھی بھی وہ لیپ ٹاپ پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا کہ اچانک اسے ماہم کا خیال آیا۔ شام والا اس کا روپ اس کے گرد گھومنے لگا۔ وہ اس کے حواسوں پر اتنی حاوی ہو گئی کہ اسے اپنا کام کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ لیپ ٹاپ بند کر کے کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا جو لان کی طرف کھلتی تھی۔

رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ ہوا میں خنکی سی تھی۔ ہلکی ہلکی چلتی ہوائیں ماحول میں خوش گوار احساس پیدا کر رہی تھیں۔ اس نے سگریٹ سلگائی اور گہرے گہرے کش لینے لگا۔ ماہم دن بدن اس کے حواسوں پر طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی قربت اسے مدہوش کر دیتی تھی۔ اس کا بولنا، ہنسنا، کھلکھلانا سب ہی اس کو اسیر بناتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے جذبات کو کوئی نام تو نہ دے سکا البتہ اسے اپنا نفس ڈگمگاتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر ایک

ہی پوزیشن میں کھڑا نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا۔

☆.....☆

دوپہر کے وقت صغیر گھر میں داخل ہوا تو گھر میں سناٹا سا محسوس ہوا۔ لاؤنج میں داخل ہوا تو ماہم کو اکیلے بیٹھے ٹی وی دیکھتا پایا۔

''گھر میں کیا کوئی نہیں ہے ماہم؟'' وہ اس کے صوفے کے قریب آ کر بولا تو ماہم نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں..... نہیں وہ امی ہیں۔ بھابی اپنے میکے گئی ہوئی ہیں۔ باقی سب بھی اپنے کام سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ پر آپ اس وقت اچانک۔'' وہ کچھ چونکتے ہوئے بولی۔

''ارے میرا تو کچھ کام ہی ایسا ہے۔ ایک پارٹی سے اہم میٹنگ تھی۔ بس وہ جیسے ہی ختم ہوئی تو گھر چلا آیا۔'' اس نے تفصیل بتائی وہ بڑی گہری نظروں سے ماہم کا جائزہ لے رہا تھا۔

''کچھ چاہیے آپ کو تو بتا دیں۔'' وہ اس پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے مگن سی بولی۔

''کچھ کھانے کے لیے ہے تو دے دو۔ میں ذرا فریش ہو جاؤں۔ کھانا میرے کمرے میں ہی لے آنا۔'' وہ روانی سے بولتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جب کہ وہ شش و پنج کا شکار ہو گئی۔ ایسے کام بھلا وہ کہاں انجام دیتی تھی۔ اب پوچھا تھا تو دینا بھی تھا۔ اس لیے ہمت کر کے اٹھ گئی۔ کھانے میں شکر تھا کہ ملازمہ نے پلاؤ گوشت بنایا تھا۔ وہ پلیٹ میں چاول نکال کر ٹرے سیٹ کرنے لگی۔ سب سلیقے سے سیٹ کر کے صغیر کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس لیے وہ سیدھی اندر آ گئی۔ کمرے میں صغیر موجود نہیں تھا۔ واش روم سے شاور سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی یقیناً وہ نہا رہا تھا۔ اس نے کھانے کی ٹرے کمرے میں موجود شیشے کی چھوٹی ٹیبل پر رکھی۔ جب کے خود وہ بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر صغیر کی بکس چیک کرنے لگی۔ صغیر نہا کر نکلا تو ماہم کو بیڈ کی طرف رخ موڑے کتاب پڑھنے میں مشغول دیکھا۔ وہ بالکل اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور ہلکے سے اس کے کان میں سرگوشی کرنے والے انداز میں بولا۔

''کیا پڑھ رہی ہو؟'' ماہم اس کے یوں اچانک آنے پر چونک سی گئی۔ اس نے تیزی سے بک بند کر کے ٹیبل پر رکھ دی۔

''کچھ نہیں بس وہ ایسے ہی دیکھ رہی تھی۔ میں نے آپ کے لیے کھانا سامنے ٹیبل پر رکھ دیا ہے۔'' وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ صغیر اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اسے پہلی بار اس کی مسکراہٹ میں عجیب معنی خیزی سی لگی۔ وہ کچھ کنفیوز سی ہو گئی۔ وہ جانے کے لیے آگے بڑھی تو صغیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔ وہ ایک دم سٹپٹا سی گئی۔ صغیر کی نظریں اسے کچھ اور ہی پیغام دے رہی تھیں۔ وہ گھبرا سی گئی اسے کچھ غلط ہونے کا احساس ہونے لگا۔

''کیا بدتمیزی ہے چھوڑیں مجھے۔'' اس نے اپنے اندر کا خوف ظاہر ہونے نہیں دیا۔ اس لیے سختی سے بولی۔

''ارے گھبرا کیوں رہی ہو۔'' اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ اس کی گردن کے گرد حمائل کیا۔ ماہم کو اپنی روح قبض ہوتی محسوس ہونے لگی۔

''آپ اتنے گھٹیا انسان ہوں گے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی چھوڑیں مجھے۔'' وہ غصے میں بولتی اپنے آپ

کو چھڑاتے ہوئے دروازے کی طرف لپکی۔ صغیر نے اسے تیزی سے اپنی طرف کھینچا اور ساتھ دروازہ بھی لاک کر دیا۔ ماہم اس کے رویئے پر دنگ رہ گئی۔ یہ اس کی شخصیت کا چھپا ہوا کیسا روپ تھا جو وہ جان بھی نہ سکی۔ وہ اس کے جوں جوں قریب آ رہا تھا۔ اس کے پسینے چھوٹنے لگے وہ اس سے پیچھے ہٹتی ہٹتی لڑکھڑا کر بیڈ پر گر گئی۔

''خدا کا واسطہ ہے آپ کو مجھے جانے دیں۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جب خود کو ہر طرف سے بے بس دیکھا۔ لیکن وہ ہوش میں تھا ہی کہاں۔ جو اس کی سنتا ماہم پر جھک کر اس نے اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔ وہ خود کو چھڑانے کی لاکھ کوشش کر رہی تھی پر اس کی مضبوط گرفت میں خود کو کمزور محسوس کر رہی تھی۔ وہ اسے پیچھے ہٹانے کے لیے اپنے ہاتھوں سے اسے دھکا دے رہی تھی ساتھ چیخ بھی رہی تھی۔ صغیر نے اس کے منہ پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ دیا۔ وہ بے بس نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ صغیر اس پر جھکا ہوا تھا اور وہ کچھ نہ کر پا رہی تھی۔ اچانک ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہوئے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھے گلدان پر اس کا ہاتھ پڑا۔ اس نے بجلی کی سی رفتار سے گلدان صغیر کے سر پر مار دیا۔ صغیر تکلیف سے ایک دم کراہ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے سر سے تیزی سے خون بہنے لگا۔ اسے آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ ماہم تیزی سے اٹھ کر دروازے کی طرف لپکی۔ دروازے کا لاک کھول کر وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کا دروازہ لاک کر کے سیدھی اپنے بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں لیٹی۔ نجانے کتنی دیر روتی رہی آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے اور خوف کی ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی اس پر۔ صغیر کے سر پر کتنی چوٹ آئی نجانے وہ بے ہوش ہو گیا تھا یا ہوش میں تھا اسے کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔ خوف اتنا تھا کے اس وقت وہ دروازہ کھول کر نفیسہ بیگم تک بھی نہ جا پائی۔ آنسو قطار در قطار بہتے چلے جا رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے اب کبھی نہیں تھمیں گے۔ وہ خود کو کوسنے لگی آخر کیسے اس شخص کی نیت سے انجان رہی۔ کیا وہ واقعی اتنی بے وقوف تھی۔ جس کو اپنے بڑے بھائیوں جیسا سمجھا وہ اتنا غلیظ نکلا۔ وہ خود کو ملامت کرتی نجانے کب تک روتی سسکتی رہی۔ دن ڈھلتا جا رہا تھا پر اس کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ کتنا ہی وقت گزر گیا اسے کچھ خبر نہ ہوئی وہ کب روتی نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔ اسے کچھ خبر نہ ہوئی زیادہ رونے کی وجہ سے اس پر غنودگی سی طاری ہو گئی۔ غنودگی میں بھی اس کی سسکی بندھی ہوئی تھی۔ رات میں سب گھر والے ماہم کی غیر موجودگی سے جب پریشان ہو گئے تب اس کے کمرے کا دروازہ ناک کیا جو کہ اندر سے لاک تھا۔ ابرار دروازہ پیٹ پیٹ تھک گیا۔ پر دروازہ نہ کھلا سب ہی پریشانی میں مبتلا تھے۔ ایسا تو اس نے کبھی بھی نہیں کیا تھا۔ نفیسہ بیگم کا پریشانی سے برا حال تھا۔ دوپہر تک تو وہ ٹھیک تھی۔ وہ خود اسے کھانا دے کر سونے چلی گئیں تھیں۔ پھر آخر ایسا کیا ہوا؟ وہ سوچنے لگیں سب دروازہ کھٹکھٹا کر تھک گئے پر ماہم نے دروازہ نہ کھولا۔ کافی دیر دروازہ بجتا رہا۔ ماہم کی آنکھ دروازے کے شور سے کھلی۔ وہ کسل مندی سے اٹھی دروازے کا شور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے سر پر ہتھوڑے برس رہے ہوں۔ وہ سر کو تھامے کمرے کے اندھیرے کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے خود کو ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی۔ نجانے وہ کتنی دیر روتی رہی تھی۔ اسے یاد آیا۔ دروازہ مستقل بج رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی ابھی اس نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کے دوپہر والا واقع ذہن کے گرد گھومنے لگا۔ آنکھوں سے آنسو ایک بار پھر بہنا شروع ہو گئے۔ وہ یہ سوچ کر ہی گھبرا رہی تھی وہ کیسے سب کا سامنا کرے گی۔ وہ اپنی اس حالت کی خبر کسی کو نہیں دینا چاہتی تھی۔ دروازہ مستقل بج رہا تھا۔ اسے گھر والوں کی فکر کا سوچ کر دروازہ کھولنے کی ہمت کرنی پڑی۔ اس نے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ سامنے سب گھر والے موجود تھے۔

''گڑیا! تم نے دروازہ کیوں لاک کیا ہوا تھا۔'' ابرار فکر مندی سے بولا۔ ماہم سب کو دیکھ کر گھبرا گئی لیکن اپنی کیفیت ظاہر ہونے نہ دی۔

''وہ میں پتا نہیں کیسے دروازہ بند کر کے سو گئی تھی۔ بس وقت کا بھی نہیں پتا چلا نجانے کیسے اتنا سو گئی۔'' وہ لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے بولی۔

''میری بچی! میں تو گھبرا ہی گئی تھی۔'' نفیسہ بیگم نے اسے گلے لگاتے ہوئے پیار سے بولا۔ وہ ان کی آغوش میں پگھلنے لگی۔ آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں کو اس نے بڑی مشکل سے روکا۔ ورنہ دل چاہ رہا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور اپنے آپ پر گزرنے والی قیامت انہیں بتا دے پر ایسا وہ کر نہ سکی۔

''گڑیا! ذرا خیال رکھا کرو اس طرح کی لاپروائی سے ہم سب تو پریشان ہو گئے تھے۔'' ابرار نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''سوری بھائی جان!'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''کوئی بات نہیں۔'' وہ پیار سے کہتے ہوئے چلے گئے۔ باقی سب بھی چلے گئے۔ جب کہ وہ کمرہ بند کر کے بیڈ پر آ کر دوبارہ لیٹ گئی۔ چادر سر تک تان کر وہ گھٹ گھٹ کر روتی رہی۔ اسے کھانے پر بلایا گیا تو بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے لیٹی رہی۔

☆.....☆

پھر آہستہ آہستہ دن گزرتے گئے۔ سب ہی کو اس کی حالت پر فکر مندی ہونے لگی۔ صغیر اس واقعہ کے بعد اسی دن شام کی فلائٹ سے لاہور واپس چلا گیا۔ جب کہ ابرار نے اسے بہت روکا لیکن اسے یہ فکر لاحق ہو گئی جو قدم وہ سوچے بغیر اٹھانے جا رہا تھا اس کی بھنک اگر ابرار کو پڑ جاتی تو کیا ہوتا۔ اس لیے اس سے پہلے ماہم کچھ کہتی وہ منظر سے ہی غائب ہو گیا۔ ادھر ماہم اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ چار یا پانچ دن میں ہی وہ کملا کر رہ گئی سب ہی کو اس کی حالت پر تشویش ہو رہی تھی۔ اس سے کچھ پوچھنے پر صرف اس کی چپ ہی ملتی۔ نفیسہ بیگم اس کی طرف سے بہت فکر مند تھیں۔ ابرار الگ پریشانی کا شکار تھا۔

☆.....☆

''کچھ سمجھ نہیں آتا میری بچی کو کس کی نظر لگ گئی۔ اس کا ہنسنا بولنا تو جیسے کہیں کھو گیا ہے۔'' نفیسہ بیگم غمگین لہجے میں بولیں۔ گھر کے سب ہی افراد لاؤنج میں موجود بیٹھے تھے۔ سوائے ماہم کے ابرار ٹینشن سے اپنی کنپٹی کو انگلی سے دبا رہا تھا۔ اس کی بے حد ٹینشن میں ایسی ہی کیفیت ہو جاتی تھی۔ ماہم کا یوں اجڑا رہنا سب کو پریشان کر رہا تھا۔ عادل بھی اسے بہلاتا پر وہ جواباً خاموش رہتی۔ وہ کس طرح سب کے سامنے اپنے آنسوؤں پر ضبط کرتی تھی، یہ وہی جانتی تھی۔ سب اس سے ڈھیروں سوال کرتے اسے بہلاتے پر نہ ہی اس کا بولنے کے لیے دل چاہتا نہ سننے کو رہ رہ کر وہ سب دوبارہ یاد آنے لگتا۔ اپنے آپ کو کوستے کوستے وہ تھک گئی۔ کیوں انجان انسان پر اتنا جلدی اعتبار کیا؟ کیوں اس کی نیت کو نہ سمجھی۔ دن رات وہ اپنے آپ کو ملامت کرتی۔ نفیسہ بیگم کی باتیں ان کی فکریں صحیح معنوں میں اسے اب سمجھ آ رہی تھیں۔ کاش کہ وہ ان کا کہنا مان لیتی تو شاید اپنی لاپروائی کی وجہ سے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اب جو ہونا تھا ہو گیا تھا۔ یہ سب بھولنا آسان نہیں تھا۔ پر وہ اس مالک کا شکر ادا کرتی جس نے اسے اتنی بڑی مشکل سے صحیح سلامت نکال دیا تھا۔

☆.....☆

اس کے لب ایسے چپ ہو گئے جیسے کبھی نہیں کھلیں گے۔ آنکھوں میں ویرانی ایسی تھی جو کسی کا بھی دل دہلا دے۔ نفیسہ بیگم نے اس سے بارہا پوچھا پر وہ صرف گول مول جواب دیتی۔

''میری جان! مجھے تو کچھ بتاؤ کچھ ہوا ہے کیا کسی نے کچھ کہا ہے۔ کیوں خفا خفا اور اداس رہتی ہو۔ دیکھو سب تمہاری خاموشی سے پریشان رہتے ہیں کچھ تو بتاؤ؟''

''امی! ایسا کچھ ہے ہی نہیں جو بتاؤں اور مجھے بھلا کس نے کچھ کہنا ہے۔'' وہ ان سے نظریں چراتے ہوئے بولی۔

''تو پھر تمہیں کس بات کی چپ لگ گئی ہے۔ پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔ آخر کوئی تو وجہ ہوگی جو یوں چپ چپ رہتی ہو۔'' انہیں اس کی بے حد فکر تھی۔

''امی! کوئی وجہ نہیں ہے۔ بس میرا دل نہیں کرتا کسی سے بھی بات کرنے کو پلیز مجھے پریشان مت کریں۔''

وہ چڑچڑے سے انداز میں بولتی ان کے پاس سے اٹھ گئی۔ نفیسہ بیگم سرد آہ بھر کر رہ گئیں۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر۔ جو ہونا تھا سو ہو گیا تھا پر وہ دوبارہ ایسی غلطی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے اپنی اس غلطی کو سدھارنے کے لیے اپنا آپ مکمل بدل لیا۔ کہاں وہ لوگوں سے فوراً گھل مل جاتی تھی۔ پر اب ملنا تو دور کی بات وہ سامنا تک بہت کترا کر کرتی۔ پہننا اوڑھنا تک اس کا بدل گیا۔ وہ ماہم جو کبھی شلوار قمیض اور سر پر دوپٹہ اوڑھنا گوارا نہیں کرتی تھی اب وہ ہر وقت اس سادے سے لباس میں ملبوس رہتی گھر والوں کو اس کی اس نئی تبدیلی نے چونکایا ضرور تھا۔ پر کسی نے اس سے کچھ کہا نہیں۔ کیونکہ جانتے تھے پوچھنے پر کوئی جواب ملنا تو ہے نہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔ اس کا اندر بدلتا جا رہا تھا۔ پہلے جو وہ زندگی سے بھرپور ہنستی مسکراتی تھی اب ایک تناؤ کی سی کیفیت اس کے اندر پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ کم گو تو وہ ہو گئی تھی لیکن ایک سرد قسم کی کیفیت تھی جو اس کے چہرے پر بھی نمایاں ہوتی جا رہی تھی۔ جسے سامنے والا دیکھتا تو بات کرنے سے پہلے دس بار ضرور سوچتا۔

☆.....☆

وہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی کتابیں اور نوٹس لے کر لان میں آ گئی۔ کتابوں کو لان میں رکھی پلاسٹک کی ٹیبل پر رکھا ایک کتاب اٹھا کر مطالعہ کرنے لگی۔ مطالعہ کرتے کرتے اس کی نظر آسمان کی طرف اٹھی تو جیسے کھو سی گئی۔ آسمان پر اڑتے پرندے تو ہمیشہ ہی اسے دلچسپی سے اپنے جانب کھینچتے تھے۔ وہ بغور انہیں تکتی رہی۔ ذہن کے کسی گوشے میں ایک خیال ابھرا تھا۔ صغیر سے پہلی جان پہچان والی ملاقات بھی اس کی کچھ ایسے ہی ہوئی تھی۔ اس کا خیال آتے ہی دل برا ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی اس کے خیال کو جھٹک دیا۔ اسے اپنی زندگی کا وہ برا دن ہی لگا جو اس جیسے انسان سے دوستی ہو گئی تھی۔ عادل اپنی کال سنتا ہوا باہر آیا تو سامنے کھوئی ہوئی گم صم سی ماہم پر نظر پڑی۔ کتابوں کے صفحے ہوا سے اڑ رہے تھے کچھ کتابیں اس کی گود میں تھیں اور کچھ ٹیبل پر ان کو پڑھنے کے بجائے وہ کہیں کھوئی ہوئی تھی۔ باقی سب کی طرح اسے بھی ماہم کی فکر ستاتی تھی۔ اب تو جیسے باقی سب کو اس کی خاموشی کی عادت ہوتی جا رہی تھی۔ وہ فون بند کر کے اس کے پاس آ بیٹھا۔ کچھ دیر خاموش رہا شاید وہ اس کی آمد سے چونکے لیکن وہ بدستور ایک ہی پوزیشن میں تھی۔

''کہاں کھوئی ہو؟'' ہار کے وہ خود ہی بولا۔ وہ اس کی آواز پر چونکی نہیں۔ بلکہ دھیمے سے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''کہیں بھی نہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔ عادل اس کے گم سم سے سراپے کو بغور دیکھ رہا تھا۔ جب کہ ماہم خالی خالی نظروں سے کتاب کے صفحوں کو گھور رہی تھی۔

''ماہم! تمہیں کیا ہو گیا ہے تم پہلے تو ایسی نہیں تھیں۔'' دیکھو اگر کوئی ایسی بات ہے جو تم کسی سے کہہ نہیں پا رہی ہو تو مجھ سے شیئر کرو میں تو تمہارا دوست بھی ہوں۔'' اس کی بات پر ماہم کے اندر کانچ کی طرح کچھ ٹوٹا۔ کاش کہ وہ اسے سب بتا سکتی۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا پر اس کی اتنی ہمت نہ ہو پائی وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ بتا پا رہی تھی۔

''نہیں ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سوچ رہے ہو۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''پر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے تم کچھ چھپا رہی ہو۔'' وہ بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ ماہم اس سے نظریں نہ ملا سکی۔

''پلیز عادل! مجھے پریشان مت کرو۔ میں ویسے ہی ایگزامز کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔'' وہ بات کو گول مول کر گئی۔ پھر اپنی کتابوں کو سمیٹ کر کوفت بھرے لہجے میں کہتی ہوئی چلی گئی اگر وہ تھوڑی دیر اس کے پاس اور بیٹھ جاتی تو شاید وہ رو پڑتی۔ اس کے ساتھ اب اکثر یونہی ہونے لگتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر رونا آ جاتا اور اس رونے کو سب سے چھپانے کے لیے اس نے خود کو کمرے تک محدود کر لیا تھا۔ گھر والے اس کے اس رویے کو محسوس کر کے اور پریشان ہو کر اس سے کچھ پوچھتے بھی تو وہ بہانے بنا کر ان کے پاس سے ہی اٹھ جاتی۔ اس کی شخصیت دن بدن ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔ ماہ و سال آہستہ آہستہ سرکتے چلے گئے۔ کب دس سال کا عرصہ گزر گیا پتا ہی نہ چلا وہ کالج سے یونیورسٹی پہنچ گئی۔ کب تعلیم مکمل ہو گئی۔ پتا نہ چلا دل کا غم بھی وقت کے ساتھ ساتھ ہلکا ضرور ہو گیا تھا۔ پر کڑواہٹ آج بھی باقی تھی۔ مردوں کی ذات سے نفرت وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی چلی گئی۔ زندگی میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ اس کے پانچ مزید بھائیوں کی شادیاں ہو گئیں۔ جن میں سے کوئی پردیس چلا گیا تو کسی نے گھر سے علیحدگی کر لی۔ سب اپنی اپنی زندگیوں میں مصروف و مگن تھے۔ گھر میں صرف مردوں کے نام پر عادل اور ابرار کا سایہ رہ گیا تھا۔ نفیسہ بیگم بیٹوں کے یوں چھوڑ جانے پر بیمار ہو کر رہ گئیں۔ پھر پچھلے سال انہیں فالج کے اٹیک نے بستر کا ہی کر کے رکھ دیا ماہم کی خدمت اور محنت سے وہ صحت یاب تو ہو گئیں پر پہلے جیسی نہیں صرف بولنے اور بیٹھنے کی حد تک۔ انہیں فکر تھی تو صرف ماہم کی وہ جلد سے جلد اسے اپنے گھر کا کر دینا چاہتی تھیں۔ پر شادی کا نام سنتے ہی وہ غصے سے پاگل سی ہو جاتی۔ کتنے ہی سال یونہی بیت گئے۔ نفیسہ بیگم کو اس کی بڑھتی عمر مزید فکر میں ہلکان کر رہی تھی۔ اس معاملے میں ابرار نے بھی اسے بہت سمجھایا۔ پر وہ تیار نہ ہوئی۔ فی الحال ان لوگوں نے عادل کی شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی بھی عمر ہو چکی تھی عادل شادی کرنے پر بالکل راضی نہ تھا وہ چاہتا تھا پہلے ماہم کی ہو جائے پھر اس کی اور ماہم تھی کہ شادی کے موضوع سے غصے میں آ جاتی تھی۔ ابرار کے بہت سمجھانے پر عادل راضی ہو گیا پر ماہم کی فکر زیادہ ستاتی تھی جس نے نہ جانے کتنے عرصے سے خود کے لیے تنہائیوں کا انتخاب کر لیا تھا۔ گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں اور تیاریاں کرنی بھی کس نے تھیں۔ سارا بوجھ عالیہ کے کندھوں پر تھا۔ ماہم کو اگر وہ زبردستی بازار لے بھی جاتی تو ماہم کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہوتی۔ یوں لگتا جیسے وہ صرف سامان اٹھانے کے لیے آئی ہو۔

☆.....☆

دوپہر میں ماہم نہانے کے بعد نفیسہ بیگم کو دوائی دے کر کچن میں آ گئی۔ بھوک تو کوئی خاص نہیں تھی وہ فریج سے پانی کی بوتل نکال کر پانی گلاس میں پینے کے لیے ڈالنے لگی۔ گھر میں اس وقت صرف خاموشی کا راج تھا۔ عالیہ کمرے میں بچوں کو سلا رہی تھی اور ابرار، عادل آفس میں تھے اس لیے وہ بڑے آرام سے اپنے گیلے بالوں کو کمر پر کھلا چھوڑے ہوئے تھی۔ وہ پانی کا گلاس ابھی بھر ہی رہی تھی کے لاؤنج میں ٹیلی فون بجنے کی آواز آنے لگی۔ وہ پانی کا گلاس لیے فون اسٹینڈ تک آئی اور کال سننے لگی۔ اس کی کسی پرانی کلاس فیلو کا فون تھا۔ معاً اسی وقت فرحان لاؤنج میں داخل ہوا۔ اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی پر گہرے سناٹے کے علاوہ گھر میں کوئی نظر نہ آیا۔ اسے سناٹے میں ایک عجیب سی وحشت محسوس ہوئی۔ اسے بڑی حیرت ہوئی یہ وہی گھر تھا۔ جہاں ہر پل شور شرابا رہتا تھا اور اس شور شرابے میں سب سے اول ماہم ہوتی تھی۔ بھائیوں سے لڑتی جھگڑتی شرارتیں کرتی نظر آتی۔ سب کے قہقہوں کی آوازیں ہر پل گونجتی رہتی تھیں۔ پر اب تو کچھ بھی پہلے جیسا نہ رہا تھا۔ کچھ تھا تو صرف خاموشی وہ سات سال بعد اس گھر میں واپس آیا تھا کیونکہ اس کی انجینئرنگ کمپلیٹ ہوتے ہی وہ جاب کے لیے اسلام آباد چلا گیا تھا۔ پھر وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ عادل سے اس کا فون پر رابطہ رہتا تھا۔ عادل اسے گھر کے حالات کے بارے میں بتاتا رہتا تھا۔ اب بھی عادل کی شادی کا سنا تو اسے آنا پڑا۔ وہ سب سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ معاً اس کی نظر بائیں جانب اٹھی جہاں کوئی انجان لڑکی رخ موڑے کھڑی تھی اسے سمجھ نہ آیا۔ آخر کون ہے؟ فرحان کی نظر اس کے لمبے بالوں میں الجھ کر رہ گئی۔ اتنے لمبے بال اس نے اپنی اب تک کی زندگی میں تو کم از کم نہ دیکھے تھے۔ وہ دل ہی دل میں اسے سرائے بنا نہ رہ سکا۔ پر وہ تھی کون یہ جواب اسے مل نہ سکا۔ پہلے سوچا مخاطب کر لے پھر خیال آیا نجانے کون ہو اس لیے خاموش رہا۔ عادل بھی نہ جانے کہاں رہ گیا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ہی آئے تھے پر عادل باہر ایک ضروری کال سننے لگ گیا۔ تو وہ اندر آ گیا اور اندر اس کا استقبال سناٹے نے کیا۔

ماہم فون رکھ کر مڑی تو سامنے فرحان کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اچانک وہ کہاں سے آ گیا تھا۔ جب کہ فرحان کی نظر اس کے چہرے کی طرف اٹھی تو وہ مبہوت سا اسے دیکھتا چلا گیا۔ حسین چہرے اس نے بہت دیکھے تھے پر نہ جانے اس چہرے میں ایسا کیا تھا وہ بے خود سا اسے دیکھتا چلا گیا اسے یہ پتا ہی نہ چلا وہ کون ہے اور پوچھنے کے بجائے اسے تکتا رہا۔ زبان ایسے جیسے گنگ ہو گئی ہو۔ یقیناً اس کے ساتھ پہلی بار ایسا ہوا تھا۔ کسی انجان لڑکی کو یوں بے خود ہو کر تکنے کا تو وہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا، پر ماہم کے معصوم حسن نے اس کے دل میں طوفان مچا دیا تھا۔ ماہم اسے پہچان گئی تھی۔ وہ فرحان ہے پر اس کے یوں تکنے پر اسے بے انتہا غصہ آنے لگا۔ اس کی نظروں سے بچنے کے لیے فی الحال وہ تیزی سے کچن میں چلی گئی۔ اسے بے انتہا اس کی اس گھورنے والی حرکت پر غصہ آ رہا تھا

''ارے تم ابھی تک کھڑے ہو بیٹھو نا یار!'' عادل اندر داخل ہوا تو فرحان کو جوں کا توں کھڑا دیکھا۔ فرحان اسپیشلی اسلام آباد سے اس کی شادی اٹینڈ کرنے آیا تھا۔ آج جب سیدھا فرحان اس سے ملنے اس کے آفس گیا تو عادل نے فوراً آف لیا اور سیدھا اسے گھر لیے چلا آیا۔

''گھر میں کافی سناٹا ہے سب ہیں کہاں یار؟'' فرحان اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''سب اپنے کمروں میں ہوں گے۔ تو بیٹھ، میں بھابی سے کہہ کر پہلے کھانا لگواتا ہوں۔ پہلے کھانا کھا لیتے ہیں۔''

''ارے نہیں یار! کھانا تو کھا ہی لیں گے۔ پہلے یار میں آنٹی سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''اچھا چل میں دیکھتا ہوں شاید امی سو نہ رہی ہوں۔'' عادل کہتا ہوا ان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ نفیسہ بیگم نیم دراز سی لیٹی ہوئی تھیں۔ عادل کی آمد پر اٹھ بیٹھی اور فرحان کو دیکھ کر تو اور بھی خوش ہو گئیں۔ فرحان نے انہیں آگے بڑھ کر سلام کیا۔ انہوں نے اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے ہاتھ پھیرا تو ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ جب سے وہ بیمار ہوئی تھیں تب سے وہ دلی طور پر بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ پھر بیٹوں کی بے رخی سے الگ دلبرداشتہ ہو گئی تھیں۔ وہ کافی دیر بیٹھا ان سے باتیں کرتا رہا۔ تب تک عادل نے عالیہ سے کہہ کر کھانا بھی لگوا دیا۔ پھر عادل نے اسے کھانے کا کہا تو وہ اٹھ گیا۔ کھانا کافی خوشگوار ماحول میں کھایا تھا۔ عالیہ انہیں تھوڑی دیر کمپنی دے کر اٹھ گئی جب کہ وہ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

''قسم سے یار! جب میں اس گھر میں داخل ہوا تو یقین ہی نہیں آیا یہ وہی گھر ہے جہاں ہر پل رونق کا سا سماں بندھا رہتا تھا۔ اس گھر کی خاموشی یہاں کے سناٹے تو اب کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں۔'' فرحان بولا۔

''بس یار! سب اپنی اپنی منزلوں کی طرف چلے گئے ہیں۔ آج کے دور میں بھلا کون کسی کا سوچتا ہے۔'' عادل بھی بجھے دل سے بولا۔

''جو بھی ہے یار! ایسا ہونا نہیں چاہیے تھا۔ آنٹی کی حالت دیکھ کر الگ دکھ ہوتا ہے۔'' فرحان کو حقیقت میں بہت دکھ ہوا تھا۔

''بس یار! کیا کیا جا سکتا ہے جو قسمت میں لکھا ہے وہی ہوتا ہے۔'' عادل نے خود اب ان حالات سے جیسے سمجھوتا کر لیا تھا۔

''یار! یہ بتاؤ اس گھر کی اصل رونق ماہم کہاں ہے۔ اسے میرے آنے کا بتاؤ۔ دیکھنا کیسی دوڑی چلی آئے گی۔ پھر ہم دونوں کے بیچ میں سے اٹھنے کا نام تک نہیں لے گی۔'' معاً اسے خیال آیا ماہم کی شرارتوں کا سوچ کر وہ آپ ہی آپ مسکرا دیا۔ پر عادل سنجیدہ رہا وہ اسے کیا بتاتا وہ کھلنڈری سی ہنستی مسکراتی ماہم تو جیسے کہیں کھو گئی ہے۔

''بلاؤ نا یار اسے۔'' فرحان اس کے ہنوز مستقل یونہی بیٹھے رہنے پر بولا۔ عادل ناچار سا اٹھ گیا پتا تھا وہ اس سے ملے گی ہی نہیں۔ عادل ماہم کے کمرے میں ناک کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ماہم کرسی پر بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ عادل کی اچانک آمد پر چونکی۔

''میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' عادل مسکراتے ہوئے بولا۔

''نہیں بالکل نہیں تم بتاؤ یوں اچانک۔'' وہ کتاب بند کرتی ہوئی بولی۔

''ہاں وہ اصل میں فرحان آیا ہوا ہے۔ بس اسی کو لے کر گھر آیا تھا۔'' اس نے تفصیل بتائی۔ ماہم جواباً خاموش رہی جیسے کوئی عام سی بات ہو۔

''ماہم! تم اس سے ملو گی نہیں؟ وہ اتنے سال بعد آیا ہے۔'' عادل نے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ بے رخی سے بولی۔ عادل کو عجیب بھی لگا۔

''کیوں؟'' وہ کچھ حیران بھی ہوا۔

''تم جانتے ہو ناں میں انجان لوگوں سے نہیں ملتی۔'' اس کا لہجہ سرد تھا۔

''پر فرحان کوئی انجان نہیں ہے وہ تو.....''

''پلیز عادل! میں نے کہہ دیا ناں میں نہیں ملنا چاہتی، تو بس نہیں ملنا چاہتی۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر دو ٹوک انداز میں بولی۔ عادل نے مزید اس سے بحث نہیں کی جانتا تھا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ خاموشی سے لوٹ گیا۔

''سب مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔'' وہ نفرت سے بولی۔

''کیا ہوا، آئی نہیں ماہم؟'' فرحان نے عادل کو اکیلے آتا دیکھا تو پوچھا۔

''یار! سو رہی ہے وہ۔'' عادل نے بہانہ بنایا۔

''اچھا چلو کوئی بات نہیں پھر کبھی مل لوں گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''اچھا یار! چل میں چلتا ہوں۔ کافی دیر ہوگئی ہے۔'' فرحان اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیوں بیٹھ ناں۔'' عادل فوراً بولا۔

''ارے یار! تیری شادی کے لیے اسپیشلی چھٹیاں لے کر آیا ہوں۔ ورنہ میرے آنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ گھر والوں کو بھی شکایت رہتی ہے کہ میں انہیں وقت نہیں دیتا۔ بس اب یہ شکایت بھی ان کی دور کردوں۔ پھر اور دوستوں سے بھی ملنا ہے اس لیے وقت کم ہے اور کام زیادہ۔''

''چل ٹھیک ہے۔ پر اب تو بھی یہ چھڑوں والی زندگی چھوڑ دے کسی اچھی سی لڑکی سے شادی کرلے۔'' عادل اسے ٹوکے بنا نہ رہ سکا۔

''پلیز یار! اب تو بھی مت شروع ہوجانا ویسے ہی گھر والوں نے کم جان کھا رکھی ہے۔ شادی کرلو کہتے رہتے ہیں۔ قسم سے دماغ خراب کرکے رکھ دیا ہے۔''

''ہاں تو ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔'' عادل نے بھی تائید کی۔

''اچھا چل ناں فی الحال تو اپنے سر پر سہرا سجا۔ میرا ابھی کوئی موڈ نہیں ہے۔'' وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

''تو نہیں سدھرے گا میں آنٹی سے خود تیرے لیے بات کروں گا۔''

''تو کرلے اپنی کوشش۔ میں تو تب ہی شادی کروں گا۔ جب میرا موڈ ہوگا۔'' وہ ڈھیٹوں کی طرح مسکراتا ہوا چلا گیا۔ پیچھے سے عادل بھی مسکرا دیا۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے عادل کی بات اس کے دماغ میں گونجی تو اس کی آنکھوں کے سامنے وہی پری چہرہ آگیا۔ جس کو دیکھ کر وہ بے خود سا ہوگیا تھا۔ وہ کون تھی؟ کیا نام تھا؟ وہ کچھ بھی تو جان نہیں پایا تھا۔ عادل سے پوچھنا بھی اچھا نہیں لگا۔ خوب صورت چہرے تو اس نے بہت دیکھے تھے پر اس چہرے میں کچھ الگ کشش تھی اگر یوں کہا جاتا تو وہ کوئی زمین پر اتری حور تھی تو غلط نہ ہوتا۔ وہ کافی دیر اس کے بارے میں سوچتا رہا۔

☆.....☆

پھر اسے دوبارہ نظر آگئی تھی۔ عادل کی مہندی پر اسٹیج کے قریب رکھی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر تن تنہا سی بیٹھی یوں لگ رہی تھی جیسے سارے زمانے سے روٹھی ہوئی ہو۔ سفید نیٹ کی لانگ شرٹ ساتھ چوڑی دار پاجامے میں ملبوس میک اپ جیولری سے پاک سر پر سلیقے سے دوپٹا اوڑھے وہ بہت پاک بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ فرحان نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ زندگی میں پہلی بار اس کے دل نے کسی کا ساتھ پانے

کی آرزو کی تھی اور وہ اس آرزو کو پوری کرنے کے لیے ذرا بھی دیر نہیں لگانا چاہتا تھا۔ پر وہ تھی کون کیا نام تھا اس کا؟ یہ جاننا بھی ضروری تھا یہ جاننے کے لیے وہ سوچ میں پڑ گیا۔ یہ مسئلہ عادل ہی حل کرسکتا تھا۔ اسے فوراً خیال آیا۔ اسٹیج پر مہندی کی رسمیں چل رہی تھیں۔ تو فی الحال اسے انتظار کرنا پڑا۔ پر اس نے سوچ لیا جیسے ہی عادل یہاں سے فارغ ہوگا وہ اس سے فوراً اس کے بارے میں پوچھے گا۔ اسٹیج پر رسمیں چل رہی تھیں وہ اپنے ڈیجیٹل کیمرے سے خوب صورت لمحات کیمرے میں قید کررہا تھا۔ ساتھ تھوڑی تھوڑی دیر بعد بھٹک کر نظر اس کی طرف اٹھ جاتی جو نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

عالیہ اسٹیج پر بیٹھی ماہم کو اشارے سے رسم کے لیے بلا رہی تھی۔ جو آنے سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ فرحان یہ سب نوٹ کررہا تھا۔ عالیہ نے عادل کے کان میں ہلکا سا کچھ کہا۔ پھر عادل نے ماہم کو نجانے آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا کہا کہ اسے اٹھنا ہی پڑا۔ فرحان کچھ کنفیوژ ہوگیا۔ وہ عالیہ بھابی کے کہنے پر نہ اٹھ رہی تھی۔ عادل کے ذرا سے اشارے پر اٹھ گئی۔ فی الحال سب الجھنوں کو جھٹک کر وہ ویڈیو بنانے لگا۔ وہ بالکل اس کی نظروں کے سامنے تھی۔ فرحان کی نظر اس پر نہیں بلکہ کیمرے پر تھی جس میں وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ عالیہ بھابی نے تیزی سے اس کے ہاتھ میں گیندے کے پھولوں کے گجرے پہنا دیے۔ وہ نہ نہ کرتی رہ گئی پر عالیہ بھابی نے اس کی ایک نہ سنی۔ وہ یہ سارے منظر قید کررہا تھا۔ پھر وہ تھوڑی سی رسم کرکے اسٹیج سے اتر گئی فرحان کا دل چاہا کے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی نظروں کے سامنے بٹھا لے اور اسے اٹھنے نہ دے۔ رسمیں ختم ہوئی تو کھانا کھول دیا تھا۔ عادل نجانے کہاں غائب ہوگیا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر نظر دوڑا رہا تھا۔ ماہم سے بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور پوری تقریب میں وہ اسے نظر بھی نہیں آئی۔ عالیہ اس کے پاس سے گزری تو عالیہ کو پکارے بنا نہ رہ سکا۔ سوچا بھابی سے ہی ماہم کا پوچھ لے۔

''ارے فرحان! تم کھانا نہیں کھا رہے؟'' عالیہ اسے خالی ہاتھ دیکھ کر بولی۔

''ارے نہیں بھابی! عادل کے ساتھ کھاؤں گا۔''

''بھابی یہ ماہم کہاں ہے کہیں نظر نہیں آئی۔''

''ارے تمہاری ملاقات نہیں ہوئی ماہم سے؟'' عالیہ حیران ہوئی۔

''نہیں۔''

''ایک منٹ رکو میں بلاتی ہوں اسے۔'' عالیہ اسے کہہ کر وہیں اسٹیج کے قریب اکیلی بیٹھی ماہم کو آواز لگانے لگی۔ فرحان سر جھکائے موبائل پر آنے والا میسج پڑھ رہا تھا۔ ماہم عالیہ کے بلانے پر آہستہ سے چلتی ہوئی ان کے پاس آگئی۔

''جی بھابی! کوئی کام تھا۔'' ماہم بولی فرحان نے اس کی آواز پر فوراً چونک کر نظر اٹھائی تو حیران سا رہ گیا۔

''یہ لو یہ رہی ماہم اور ماہم تم ملی نہیں فرحان سے؟'' عالیہ نے پہلے فرحان کو کہا۔ پھر ماہم سے اس کے بارے میں پوچھنے لگی۔ ماہم نے جواباً خاموشی سے نفی میں سر ہلا دیا جب کے فرحان ابھی تک حیرانگی کی کیفیت میں تھا۔ جسے وہ جیون ساتھ بنانے کے لیے سوچ رہا تھا وہ ماہم تھی۔ یہ اس کے لیے دھچکے سے کم نہ تھی۔ وہ کیسے اتنا بدل گئی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

''تم لوگ باتیں کرو میں ذرا مہمانوں کو دیکھ لوں۔'' عالیہ ایکسکیوز کرتی ہوئی چلی گئیں۔ جب کہ ماہم کو اس کے سامنے کھڑا ہونا کوفت سے کم نہ لگ رہا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آرہا ماہم! تم اتنی بدل گئی ہو ریئلی۔'' وہ اپنی حیرت اس پر ظاہر کرتے ہوئے بولا۔ وہ ہمیشہ کی طرح خوش اخلاقی سے بولا پر ماہم کو اس کی یہ خوش اخلاقی زہر لگ رہی تھی۔

''کچھ بات کرو ناں اتنی خاموش کیوں ہو۔ یاد ہے پہلے تم کتنا بولتی تھیں۔ کتنا ہنستی تھیں۔'' فرحان نے مسکراتے ہوئے وہ سب یاد کرتا ہوا بولا۔ جب کہ وہ دل میں یہی سوچ کر رہ گئی۔ یہ سب کیا تھا جبھی نقصان بھی اٹھایا۔

''ارے کھانا نہیں کھا رہے تم؟'' عادل فرحان کے قریب آکر بولا۔ عادل کی آمد سے ماہم کو کچھ سکون ملا۔

''تمہیں پتا تو ہے یار! تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔ بائی داوے تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔''

''یار! وہ ایک ضروری کال سننے چلا گیا تھا۔''

''ایک تو تمہاری یہ ضروری کالز کبھی ختم بھی ہوں گی۔ کم از کم آج کی تقریب کا ہی خیال کرلو۔'' فرحان نے اسے لتاڑا۔

''کیا کروں یار! آفس سے آف تو لے لیا ہے۔ پر کوئی مسئلہ ہو تو آفس میں تو مجھے فون کھڑکا دیتے ہیں۔'' وہ کچھ بیزار سے انداز میں بولا۔

''خیر چھوڑو چلو کھانا کھاتے ہیں۔'' عادل بولا ماہم ان کے بیچ میں بالکل انجان سی کھڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ فرحان لب وا کرتا اس سے کچھ کہنے کے لیے وہ ایکسکیوز کرتی ہوئی چلی گئی۔ فرحان کو اس کا رویہ کچھ عجیب بھی لگا۔

''ماہم بہت بدل گئی ہے یار۔'' فرحان بولے بنا نہ رہ سکا عادل سے۔

''ہاں شاید اس لیے عمر کے ساتھ ساتھ میچور ہو گئی ہے۔'' عادل نے بہانا بنایا۔ جب کہ یہ بات تو اس کے لیے بھی پہیلی تھی۔

''خیر چھوڑو ان باتوں کو چلو کھانا کھائیں۔'' وہ اس موضوع کو ہی تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اسے کھانے کی ٹیبل کی طرف لے کر بڑھ گیا۔

☆.....☆

رات میں جب وہ سونے کے لیے لیٹا تو بے اختیار ماہم کا خیال آگیا۔ اس نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ جو لڑکی دن رات اس کے حواسوں پر سوار تھی۔ وہ ماہم تھی یہ سوچ کر ہی وہ دنگ رہ گیا تھا۔ اس نے آج تک کبھی بھی اسے کسی اور نگاہ سے نہیں دیکھا تھا نہ سوچا تھا اور آج اتنے سالوں بعد اسے دیکھا تو پہچان ہی نہ پایا تھا۔ وہ تو اسے کوئی انجان لڑکی ہی سمجھ رہا تھا۔ وہ بدل بھی تو کتنا گئی تھی۔ وہ تو اسے اپنی زندگی کا ہمسفر بنانے کا سوچ رہا تھا۔ پر اب وہ تھوڑا الجھ سا گیا تھا۔ اس نے پہلی بار زندگی میں کسی لڑکی کے بارے میں خاص سوچا تھا یہ جانے بنا وہ کون تھی اس کا کیا نام تھا۔ یہ سچ تھا وہ اسے پہلی نظر میں ہی اچھی لگی تھی کتنا ہی وقت بے چینی سے کروٹیں بدلتے سوچتے سوچتے گزر گیا۔ پھر کب نیند نے اسے آن گھیرا۔ اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

☆.....☆

عادل کی بارات والے دن اسے وہ پھر نظر آئی۔ سادگی کا روپ دھارے وہ چمکتی دمکتی محفل میں سب سے الگ لگ رہی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ چاند ہو جو سیاہ اندھیری رات میں تنہا اداس سیاہ آسمان پر اکیلے جگمگا رہا ہو اور اس کی سادگی کی جگمگاہٹ اتنی تھی کے اردگرد کے چھوٹے چھوٹے ستارے بھی اس کی روشنی سے جگمگا

اٹھے ہوں۔ وہ جتنی بار اسے دیکھتا اس کے احساسات میں تیزی سے شدت رونما ہونے لگتی۔ اس نے بارہا اپنے دل کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اس کی دسترس سے بہت دور ہے پر نادان دل ماننے کو تیار نہ ہوتا۔ ایسے جیسے وہ اس کی زندگی کی پہلی اور آخری لڑکی ہے۔ جسے اس نے ٹوٹ کر چاہنے کی چاہ کی ہے۔

شادی کے شور ہنگامے تو خیریت سے ختم ہو گئے پر اس کے اندر کا مچا شور جوں کا توں تھا۔ گھر والے اسے الگ گھیر لیتے کہ اس بار آئے ہو تو لڑکی پسند کر کے جاؤ۔ اسے طرح طرح کی خوب صورت لڑکیوں کی تصویریں دکھائی جاتیں۔ پر اس کی نظر میں کہاں کوئی سماتی تھی کیونکہ اس کے دل پر تو پہلے ہی کوئی اور قابض ہو چکی تھی۔ اس نے بہت سوچا بہت غور کیا۔ دل بار بار اسے ایک بار اپنی قسمت آزمانے کا کہتا، اس نے غور و فکر کے بعد گھر والوں کے آگے ماہم کا نام رکھ دیا۔ سب کی خوشی کی انتہا ہی نہ رہی۔ بھلا ان کو کہاں کوئی اعتراض ہونا تھا۔ سب سے بڑی بات دونوں فیملیز کا سالوں پر مشتمل بہت اچھا ملنا ملانا تھا اور ماہم دیکھی بھالی اچھی لڑکی تھی۔ مسز ممتاز (فرحان کی والدہ) تین چار دن بعد ہی نفیسہ بیگم کی خدمت میں حاضر ہو گئیں اور بہت احترام کے ساتھ انہوں نے یہ خواہش نفیسہ بیگم کے آگے رکھ دی۔ آگے سے نفیسہ بیگم کا خوشی سے کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اس کا مسلسل شادی سے انکار انہیں ہر وقت پریشان کیے رکھتا۔ پہلے جو ماہم کے رشتے آتے تھے وہ غیروں میں سے ہوتے انجان لوگوں پر ان کا بھی بھروسا کرنے کو جی نہ چاہتا پر اب کی بار انہوں نے دل میں تہیہ کر لیا تھا وہ ماہم کی ایک بھی نہیں سنیں گی۔ پھر فرحان بھی گھر کا دیکھا بھالا اچھا لڑکا تھا۔ انہیں فرحان کے علاوہ ماہم کا کوئی بہترین جوڑ لگا بھی نہیں لیکن فی الحال مسز ممتاز سے انہوں نے تھوڑا سا سوچنے کے لیے وقت مانگا تھا۔

''آپا! آپ جتنا چاہیں وقت لے لیں پر جواب مجھے ہاں میں چاہیے۔'' وہ جاتے وقت نفیسہ بیگم کے گلے لگ کر بڑی اپنائیت سے بولیں۔ جواباً نفیسہ بیگم دھیما سا مسکرا دیں۔

گھر میں جب سب کو نفیسہ بیگم نے یہ خوش خبری سنائی تو سب ہی خوش ہو گئے لیکن سب ہی کو ماہم کی طرف سے دھڑکا تھا۔ جس نے یقیناً سنتے ہی منع کر دینا تھا اور یہ دھڑکا واقعی سچ ثابت ہوا جب نفیسہ بیگم نے اسے اپنے کمرے میں بلوایا اور یہ بات اسے بتائی تو وہ غصے سے تپ اٹھی۔

''امی! میں نے آپ کو کتنی بار کہا ہے مجھے شادی نہیں کرنی۔ تو پھر آپ کیوں یہ موضوع چھیڑ دیتی ہیں۔''

''شادی نہیں کرنی آخر کیوں کوئی وجہ بھی تو ہو؟''

''وجہ کوئی نہیں ہے بس مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ اٹل تھا۔

''بیٹا فرحان! بہت اچھا لڑکا ہے اور مجھے یقین ہے وہ تمہیں خوش رکھے گا۔'' انہوں نے اسے پیار سے سمجھانا چاہا۔

''میں نے کب کہا ہے وہ برا ہے بس میں نے آپ کو اپنا فیصلہ سنا دیا ہے اور یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔''

''تمہیں خدا کا واسطہ ہے ماہم! مجھے مت ستاؤ۔ میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ تمہاری فکر مجھے دن رات ستاتی رہتی ہے۔ بے شک ابرار اور عادل بہت اچھے ہیں۔ پر میں تمہیں ان کے سہارے چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ قسمت کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ رشتے کب بدل جاتے ہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔ اس لیے بیٹا میری بات مان لو اور ہاں کر دو۔'' وہ دکھی دل سے بولیں پر ماہم کسی بھی حال میں ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔

''امی! آپ سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' اب کے ماہم کے لہجے میں تڑپ تھی

دکھ تھا وہ انہیں کیا بتاتی وہ اپنے احساسات سے مجبور تھی اور نفیسہ بیگم اس کی اس کیفیت سے انجان تھی۔ ان کا عمل فطری تھا۔ انہیں بھی عام ماؤں والے وسوسے تھے۔ وہ اسے جلد سے جلد اپنے گھر کا کر دینا چاہتی تھیں۔

''ماہم! تمہیں میری زندگی کا واسطہ میری بچی میری بات مان لو میں تمہیں اپنے گھر کا ہوتے دیکھ لوں گی تو سکون سے کم از کم مر سکوں گی۔'' انہوں نے اپنے کپکپاتے ہاتھ اس کے آگے جوڑ دیے۔ ماہم نے تڑپ کر ان کے کمزور ہاتھوں کو تھام کر گالوں سے لگا لیا۔ اس کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

''امی! آپ کیوں مجھے مجبور کر رہی ہیں؟'' وہ سسکتے ہوئے بولی۔ نفیسہ بیگم کی بھی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ اسے آنسو نہیں خوشیاں دینا چاہتی تھیں۔ اسے خوش دیکھنا چاہتی تھیں۔

''میری بچی میں بس تجھے خوش دیکھنا چاہتی ہوں تجھے اپنے گھر میں بسا دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسے میری زندگی کی آخری خواہش سمجھ لے۔'' وہ محبت میں چور لہجے میں بولیں۔ ماہم کو اپنے گرد دائرہ تنگ ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی خاموشی کی زبان میں ہامی بھر لی تھی۔ اس کی اس ہامی نے نفیسہ بیگم کو ڈھیروں خوشیوں سے نوازا تھا۔ وہ اس وقت خود کو اپنی بیمار ماں کے آگے بے بس محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر یہ فیصلہ کر لیا تھا۔ نفیسہ بیگم نے اگلے دن مسز ممتاز کو ہاں کر دی تھی اور وہ تو ایسے جیسے ہاں کے انتظار میں تھیں۔ اگلے ہی دن وہ پہنچ گئیں اور شادی کی تاریخ مانگ لی۔ سب ہی اتنی جلدی پر کچھ مطمئن نہ تھے لیکن مسز ممتاز تو جیسے تہیہ کر کے آئیں تھیں کہ شادی کی تاریخ لے کر جائیں گی۔

''بس آپا! آپ زیادہ پریشان مت ہوں۔ آپ بس ہاں کر دیں۔ ہم جہیز وغیرہ لینے کے تو حق میں ہیں ہی نہیں اور فرحان نے تو سختی سے منع کیا ہے۔ فرحان نے آفس سے دو ہفتے کی چھٹی مزید لے لی ہے اور میں چاہ رہی ہوں شادی اگلے ہفتے تک ہی ہو جائے۔'' مسز ممتاز جیسے آج ان سے ہاں کروانے کا تہیہ کر کے آئیں تھی۔

''لیکن اتنی جلدی پھر بھی ہمیں کچھ وقت تو دو۔'' نفیسہ بیگم نیم رضامند سے لہجے میں بولی۔

''آپا! خوشی کے کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ بس اب آپ ہاں کر دیں اور جلدی سے منہ میٹھا کروا دیں۔'' وہ نفیسہ بیگم کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔ ان کے بے حد اسرار اور اپنائیت پر وہ انکار نہیں کر سکیں۔ مسز ممتاز نے خوشی سے جھٹ مٹھائی کا ڈبہ کھولا اور نفیسہ بیگم کے منہ میں مٹھائی ڈال دی۔ سب کے چہروں پر پُرمسرت مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ارے بھئی میری بہو کہاں ہے۔ اسے تو بلاؤ اس خوشی کے موقع پر تو اصل میں اسے یہاں ہونا چاہیے۔'' مسز ممتاز پرجوش انداز میں بولیں۔ عالیہ فوراً ماہم کو بلانے چلی گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ماہ ان سب کے بیچ میں بوجھل دل کے ساتھ موجود تھی۔

''بس آپا! آج سے ماہم آپ کے پاس ہماری امانت ہے۔'' مسز ممتاز نے ماہم کے ہاتھ میں دو جڑاؤ کنگن پہناتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ہاں کیوں نہیں۔'' نفیسہ بیگم کے چہرے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ جب کہ ماہم کو اپنا دل منوں کے حساب سے بوجھل لگ رہا تھا۔ وہ اس سب کے لیے قطعی اتنی جلدی تیار نہ تھی۔ لیکن جب اس کی نظر نفیسہ بیگم کی طرف اٹھی تو زبان کچھ بھی کہنے سے قاصر ہو جاتی۔

☆.....☆

فرحان کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ جس کو وہ ناممکن سمجھ رہا تھا۔ وہ سب اتنی آسانی سے ہو گیا۔ اس نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ اندر سے بہت خوش اور پرسکون تھا۔ جس کو چاہا آسانی سے پا لیا۔ بس تھوڑی فکر تھی تو ماہم کی طرف سے نہ جانے وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہو گی۔ پھر خود کو یہ تسلی دے دی آخر کو اس کی مرضی ہو گی جبھی تو رشتہ طے پایا۔ ورنہ وہ اس کی ضدی طبیعت سے خوب واقف تھا۔ اگر اس کی مرضی نہ ہوتی تو یہ رشتہ کبھی نہ ہوتا۔ فی الحال وہ تمام سوچوں کو جھٹک کر آنے والی نئی زندگی کے بارے میں اچھا سوچنے لگا۔

☆.....☆

ایک ہفتہ پلک جھپکتے گزر گیا اور کب شادی کا دن آ پہنچا۔ پتا ہی نہ چلا ماہم رخصتی کے وقت نفیسہ بیگم کے گلے لگ کر بہت روئی۔ اپنوں سے جدا ہونے کا غم ہی اسے دلبرداشتہ کیے جا رہا تھا۔ ابرار اور عادل نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر دل ہی دل میں ڈھیروں دعاؤں سے نواز کر اسے رخصت کر دیا۔ گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ گھر پہنچنے تک روتی رہی۔ اسے رہ رہ کر نفیسہ بیگم کی فکر ستا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا اس کے جانے کے بعد انہوں نے تنہا ہو جانا تھا۔ اس موقع پر نفیسہ بیگم نے بہت ہمت سے کام لیا تھا۔ وہ بالکل نہیں روئی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں وہ اپنی بیٹی کو آنسوؤں کے ساتھ رخصت کریں۔ انہوں نے دل ہی دل میں نجانے اسے کتنی ڈھیروں دعاؤں سے نواز کر رخصت کر دیا۔

گھر پہنچنے کے بعد کافی رسمیں ہوئیں فرحان کے کزنز کی چھیڑ چھاڑ ماحول کو اور بھی خوش گوار بنا رہی تھیں۔ مسز ممتاز نے بھی اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی بہت دھوم دھام سے کی تھی۔ ہر طرف رونق کا سا سماں بندھا ہوا تھا۔ جب کے وہ خود جذبات سے عاری سب کے بیچ میں سپاٹ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ تمام رسموں کے بعد اسے کمرے تک پہنچا دیا گیا تھا۔ کچھ دیر لڑکیاں اس کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔ ہنسی مذاق کرتی رہی اور وہ بس خاموشی سے بیٹھی رہی۔ کچھ دیر وہ لوگ بیٹھی رہیں۔ پھر اسے تنہا چھوڑ گئیں۔ ماہم نے ایک مرتبہ بھی خوب صورت سے گلابوں سے سجے کمرے کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ آنسو تھے کہ ایک بار پھر آنکھوں سے جاری ہو گئے تھے۔ گھر والوں کی یاد اسے پھر ستانے لگی تھی وہ تھی بھی بہت حساس اور جو سب کچھ اس کے ساتھ آناً فاناً ہوا تھا اس کے لیے تو وہ قطعی تیار نہ تھی کہاں تو وہ مردوں سے نفرت کرتی تھی اور اب اسے اپنی پوری زندگی ایک مرد کے ساتھ گزارنی تھی۔ یہ سوچ سوچ کر ہی اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد فرحان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو اس نے تیزی سے آنسو پونچھ ڈالے۔ فرحان نے اسے آنسو پونچھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ دھیما سا مسکرا دیا اس وقت وہ بہت معصوم لگی تھی اسے۔ وہ گھر والوں سے بچھڑنے کے بعد سے بہت غم زدہ ہو گئی تھی اور اس کا وہ حق بھی رکھتی تھی۔ آخر کو تھی بھی سب کی لاڈلی۔ وہ دروازہ بند کر کے اس کے پاس آ بیٹھا اور ایک بھرپور نگاہ اس کے وجود پر ڈالی اس وقت وہ کسی پری سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ خوب صورت تو وہ تھی ہی اوپر سے دلہن کے روپ میں حسین ترین لگ رہی تھی۔ ڈیپ کلر کے فل موتیوں سے کام والے شرارہ زیب تن کیے خوب صورت زیور اور میک اپ سے آراستہ وہ کوئی حور لگ رہی تھی۔ خود وہ بھی کم خوب صورت نہیں لگ رہا تھا۔ بلیک کلر کی شیروانی اس کی صاف رنگت پر بے حد جچ رہی تھی۔ پوری تقریب میں کتنے ہی لوگوں نے ان کی جوڑی کو سراہا تھا۔ وہ بے خود سا اسے تک رہا تھا۔ ماہم کو اس کی نظروں سے الجھن سی ہو رہی تھی۔ دل بے اختیار ہی تیز دھڑکنے لگا۔ یہ سب اس کے لیے بالکل نیا اور انوکھا تھا عجیب سے

احساسات اندر پنپنا شروع ہو گئے تھے۔

''پلیز! مجھے چینج کرنا ہے۔'' وہ خود ہی گہری خاموشی کو توڑتے ہوئے بولی۔ تو فرحان بھی جیسے ہوش میں آ گیا۔

''ہاں تو کر لینا۔ پر کیا کچھ دیر مجھ سے باتیں نہیں کرو گی۔'' وہ اس پر نظریں جمائے بولا تو ماہم کو مجبوراً بیٹھنا پڑا۔ ''پتا ہے ماہم جب میں نے تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا تو شاید مجھے تم سے پہلی نظر میں ہی محبت ہو گئی تھی۔ آج سے پہلے میں نے کبھی اس طرح کی باتوں پر یقین نہیں کیا تھا۔'' وہ اس کے جذبات سے بے خبر اپنے جذبات اس پر ظاہر کر رہا تھا اور وہ بس سپاٹ سی سن رہی تھی۔ جیسے اسے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

''پر جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا۔ تو اس بات پر یقین آ گیا کے واقعی محبت پہلی نظر میں ضرور ہوتی ہے۔ ویسے ہے تو بڑی عجیب بات پر میں تمہیں پہچان ہی نہ سکا۔ تم ماہم ہو جو عام لڑکیوں سے بے حد مختلف کھلنڈری سی سب کے ساتھ ہنستی مسکراتی کسی بھی مصنوعی آرائش سے عاری ہوتی تھی۔ خیر سادہ تو تم اب بھی ہو۔ پر پہلے سے بہت خوب صورت ہو گئی ہو۔'' وہ محبت کے نشے میں چور لہجے میں اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بول رہا تھا اور ماہم کو اس کی باتیں صرف مصنوعی لگ رہی تھیں۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو یہ باتیں سن کر خوشی سے سرشار ہو جاتی۔ پر اس کے دل میں ایسا کوئی جذبہ تھا ہی نہیں جو وہ خوش ہوتی۔

''ماہم! یقین جانو تم میری زندگی کی پہلی اور آخری لڑکی ہو جسے میں نے دل سے چاہا ہے۔ پتا نہیں تم میرے بارے میں کیا سوچ رکھتی ہو لیکن میں اپنے بارے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں میں مرتے دم تک تمہارا ساتھ نبھاؤں گا بشرط تمہاری وفا ساتھ ہو۔'' اس نے ماہم کے مخمل جیسے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے کہا۔

اس کے چھونے پر ماہم کے اندر جیسے کرنٹ دوڑ گیا۔ اس نے تیزی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرحان کچھ چونک سا گیا اس کی اس حرکت پر۔

''پلیز میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ خشک سے لہجے میں بولی اور چینج کرنے کے لیے اٹھ گئی۔

فرحان کو اس کی یہ حرکت کچھ عجیب تو لگی پر اس کی گھر والوں سے جدائی کی افسردگی کا سوچ کر خود کو تسلی دے دی۔ اس کے چینج کرنے کے بعد وہ خود بھی چینج کرنے چلا گیا اور جب وہ واش روم سے باہر آیا اور اس پر نظر پڑی تو وہ بے خبر بستر پر لیٹی نیند کی وادیوں میں اتر چکی تھی۔ وہ چپ چاپ لائٹ آف کر کے اس کے برابر میں لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ ماہم نے آنکھیں کھول کر دیکھا فرحان دوسری طرف کروٹ لے کر لیٹ گیا تھا۔ ماہم نے دوبارہ سے آنکھیں بند کر لیں اور زبردستی سونے کی کوشش کرنے لگی۔ نئی جگہ نیا ماحول اسے مشکل سے ہی نیند آنی تھی۔ پھر بھی سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆.....☆

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس کا سر فرحان کے بازو پر تھا۔ اس کے لمبے دراز بال نیند میں کروٹ لیتے ہوئے بکھر گئے تھے۔ خود کو فرحان کے اتنا قریب دیکھ کر وہ بجلی کی سی رفتار سے اٹھ گئی۔ جلدی سے اپنے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹا اور نہانے کے لیے اٹھ گئی۔ جب تک وہ نہا کر نکلی فرحان بھی اٹھ چکا تھا۔ اس نے اب کی بار بڑی احتیاط کی تھی۔ اپنے بالوں کو کھلا نہیں چھوڑا تھا بلکہ گیلے بالوں کو جوڑے کی طرح باندھا ہوا تھا اور دوپٹہ بھی بڑے سلیقے سے اوڑھا تھا۔ فرحان کو جاگا دیکھا تو پھر کوفت سی ہو گئی۔ نہ جانے اب اس نے پھر کیا

باتوں کا سلسلہ شروع کر دینا تھا۔ وہ یہ سوچتے ہوئے ڈریسنگ کی طرف آئی اور خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے اپنا زیور ڈبوں میں سیٹ کرنے لگی جو اس نے رات جلدی میں ڈریسنگ پر ایسے ہی چھوڑ دیا تھا۔ ان دونوں کے بیچ میں گہری خاموشی تھی۔ فرحان اس کے ہر انداز کو بغور نوٹ کر رہا تھا۔ وہ اس کے اس رویے کو صرف ایک گریز سمجھ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھا اور بالکل ماہم کے برابر آ کھڑا ہوا ماہم کچھ بے چین سی ہو گئی اس کی آمد سے، پر اپنے کام کو جاری رکھا۔ فرحان نے ڈریسنگ کے دراز سے لال مخملی ڈبیہ نکالی اور ماہم کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر اپنے برابر بٹھا لیا۔ ماہم کچھ گڑبڑائی پر خاموش رہی۔

''یہ تمہارا رونمائی کا تحفہ ہے جو رات دے نہ سکا تم سو ہی اتنی جلدی گئی تھیں پر خیر اب بتاؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' وہ گولڈ کا بریسلیٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ مختصر بولی۔

''اچھا یہ تو پکڑو بلکہ رکو میں خود پہنا دیتا ہوں۔'' جب اس نے تحفہ نہ تھاما تو خود ہی پرجوش سے انداز میں اس کے ہاتھ میں پہنا دیا۔ ماہم خود کو اتنا مس فٹ محسوس کر رہی تھی کہ دل چاہا یہاں سے بھاگ جائے۔

''کیسا لگا؟'' وہ اس کی بدستور خاموشی پر بولا۔

''اچھا ہے تھینکس۔'' وہ جبراً بولی جسے فرحان نے واضح محسوس کیا تھا۔

''ماہم! میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں۔ تمہیں مجھ سے شرمانے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں مجھ سے کچھ بھی کہنا ہے پوچھنا ہے تو بلا جھجک پوچھ سکتی ہو۔'' فرحان اسے گہری نظروں سے دیکھتا بڑے اپنائیت والے انداز میں بولا۔ جب کہ ماہم سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔

''جی۔'' وہ بولی بھی تو بس اتنا ہی۔

''میں فریش ہو کر آتا ہوں۔ پھر باہر چلتے ہیں۔ سب ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔'' وہ بولتا ہوا اٹھ گیا۔

''اور ہاں میرے جانے کے بعد آرام سے اپنے گیلے بالوں کو سکھا کر برش کر لینا۔'' وہ کہتا ہوا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ جب کہ ماہم ہکا بکا سی رہ گئی۔ کتنی تیز نظریں تھیں اس کی اس نے دل میں سوچا جب کہ اس نے دوپٹہ بھی بڑے اچھے سے اوڑھا ہوا تھا۔ اس کو فرحان کی تھوڑی دیر پہلے کہی گئی بات کا مطلب اب سمجھ آیا تھا۔ وہ سر جھٹک کر اپنے بال ٹاول سے خشک کرنے لگی۔ ماہم بالکل سادہ سی تیار ہو کر فرحان کے ساتھ باہر آ گئی۔ گھر میں سبھی جاگ چکے تھے۔ سب ان دونوں کو دیکھ کر پرجوش سے ہو گئے۔ ماہم سبھی بڑوں کو سلام کرنے کے بعد لڑکیوں کے گھیرے میں موجود تھی۔

''ارے بیٹا! تم تیار کیوں نہیں ہوئیں۔'' مسز ممتاز اسے کہے بنا نہ رہ سکی۔

''ہم بھی ان سے یہی کہہ رہے تھے۔ آنٹی! پر آپ فکر نہ کریں۔ ہم لوگ ہیں ناں ہم بھابی کو تیار کر دیں گے۔'' اس سے پہلے ماہم کچھ بولتی فرحان کی ایک بڑی شوخ و چنچل سی کزن بولی۔ مسز ممتاز جواباً مسکرا دیں۔

''ہاں بھئی بس جو بھی کرنا ہے جلدی کرو ویسے ہی بہت کام ہیں۔ ارے بھئی لڑکیوں ایک کام کرو شام میں ولیمے کے فنکشن کے لیے تم لوگ ماہم کو پارلر لے جانا۔ فرحان سے کہوں گی وہ تم لوگوں کو چھوڑ آئے گا۔''

''ارے آنٹی! آپ فکر ہی نہ کریں۔ سب کام ہو جائیں گے۔''

میکے والے ناشتہ لے کر آ گئے تو مسز ممتاز ان میں مصروف ہو گئیں۔ ماہم نے جیسے ہی گھر والوں کو دیکھا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ رہا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اسے یوں لگا جیسے وہ ان لوگوں سے برسوں بعد

مل رہی ہو۔ وہ عالیہ کے پاس بیٹھی نفیسہ بیگم کے بارے میں ہی پوچھتی رہی۔ پھر ناشتے کا دور چلا ناشتے کے بعد عالیہ ابرار چلے گئے۔ عادل سے اس کی ملاقات نہ ہو سکی۔ کیونکہ وہ گھر میں نفیسہ بیگم کے پاس رکا تھا۔

ولیمے کا فنکشن بھی خوش اسلوبی سے ہو گیا۔ ماہم اور فرحان کی جوڑی کو سب ہی نے بڑے رشک سے دیکھتے ہوئے داد دی تھی۔ وہ لائٹ بے بی پنک کلر کے نفیس موتیوں کے کام والے شرارے میں معصوم گڑیا جیسی لگ رہی تھی۔ ساتھ فرحان خود بھی بلیک ڈنر سوٹ میں ہینڈسم اسمارٹ لگ رہا تھا۔ رات فنکشن کافی دیر سے ختم ہوا تھا۔ وہ فرحان سے پہلے کمرے میں آئی تھی اور سب کے جاتے ہی اس نے جلدی سے کپڑے چینج کیے۔ خود کو جیولری، میک اپ سے آزاد کیا اور بستر پر لیٹ کر سوتی بن گئی۔ فرحان جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا تو اسے سوتا دیکھ کر ٹھٹک سا گیا۔ اس کا دماغ الجھ سا گیا۔ ماہم کا روٹ رویہ اسے محسوس تو ہو رہا تھا۔ پر وہ اسے اپنا وہم سمجھ کر ٹال رہا تھا۔ ابھی بھی اسے اس کی یہ حرکت اچھی نہ لگی لیکن خود کو ایک بار پھر تسلی دی شاید اس کا یہ وہم ہے پھر خود بھی کپڑے چینج کر کے لیٹ گیا۔

☆.....☆

اگلے دن شام اسلام آباد جانے کی فلائٹ بک ہو چکی تھی۔ وہ تو گنگ سی رہ گئی۔ یہاں سب میں اسے فرحان کے ساتھ رہنا مشکل لگ رہا تھا۔ وہاں اس کے ساتھ اکیلے رہنا حالانکہ وہ شرعی طور پر اس کا شوہر تھا اس کا محافظ اس کا مجازی خدا۔ پر یہ سب قبول کرنا ہی اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔ مسز ممتاز اس کے پاس اس کی پیکنگ کا پوچھنے آئیں تو اس نے ان سے ہی بہانا بنا ڈالا۔

''آنٹی! میں آپ کو اور انکل کو چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں آپ دونوں تو بہت اکیلے ہو جائیں گے۔''

''ارے بیٹا! تم ہماری فکر کیوں کرتی ہو۔ ہمیں تو عادت ہے اور ویسے بھی فرحان کے بابا اپنی جاب میں بہت بزی رہتے ہیں اور رہی میں مجھے تو فارغ رہنا کبھی پسند نہیں ہے میں تو بزی رہتی ہوں اپنی سوشل ورک میں۔ ہاں اب جوں جوں بڑھاپا بڑھ رہا ہے تو تنہائی کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے اس بار فرحان سے کہہ دیا ہے۔ اب کی بار جو جاؤ گے تو بس اپنا ٹرانسفر کراچی کروا لینا۔ اب تو خیر سے میری بہو آ گئی ہے۔ میں چاہتی ہوں ہم سب مل کر ساتھ رہیں۔ پھر تم لوگوں کے آگے بچے ہوں گے تو ہم بوڑھے ماں باپ کو بھی ایک اور جینے کا سہارا مل جائے گا۔'' وہ پیار سے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے بولیں۔ وہ ان کی بات پر کچھ خجل سی ہو گئی۔ انہوں نے اس کے گرد دائرہ ہی اتنا تنگ کر دیا کہ فرار کا راستہ مشکل ہی نظر آ رہا تھا۔

''لیکن آنٹی! پھر بھی مجھے آپ لوگوں کی فکر رہے گی۔''

''ارے بیٹا! میں نے کہا نا ہم خوش ہیں یہاں اور یہ تم مجھے آنٹی کہنا چھوڑ دو جس طرح میں فرحان کی ماما ہوں اسی طرح تمہاری بھی ہوں۔ چلو اب اٹھو اور جلدی سے پیکنگ شروع کرو۔'' ان کے اتنے پیار اور اپنائیت بھرے انداز سے وہ ان کے آگے بے بس سی ہو گئی۔ شام میں جانے سے پہلے فرحان اسے نفیسہ بیگم سے ملوا آیا تھا۔ ان سے ملنے کے بعد وہ بہت پرسکون ہو گئی تھی۔

☆.....☆

وہ لوگ رات کے وقت اسلام آباد پہنچے تھے۔ فرحان کو کمپنی کی طرف سے ایک پوش ایریا میں فلیٹ ملا تھا۔ سبزے والا علاقہ تھا جو اس وقت گہرے سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس لیے کوئی اکا دکا بندہ ہی نظر آ رہا تھا۔ فرحان اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول رہا تھا اور وہ کچھ گھبرائی سی اس کے پیچھے کھڑی تھی دونوں کے بیچ میں اس وقت

مکمل خاموشی تھی۔ ماہم تو خیر بولتی بھی نہیں تھی لیکن فی الحال فرحان نے بھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ دروازہ کھلنے کے بعد فرحان سامان لے کر اندر کمرے میں لے گیا۔ جب کہ وہ سرسری سی نگاہ اِدھر اُدھر دوڑا رہی تھی۔ جدید انداز میں بنا چار کمروں کا فلیٹ بہت خوب صورت تھا اور سب سے زیادہ حیران اس بات پر ہوئی کہ اسے بہت خوب صورتی سے ڈیکوریٹ کیا گیا تھا۔

''تمہیں بھوک لگی ہے؟'' نہ جانے کب فرحان اس کے قریب آ کر بولا۔ وہ جو اردگرد کا جائزہ لینے میں مگن تھا ایک دم چونکی۔

''نہیں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''ٹھیک ہے تو پھر تم ریسٹ کرو۔ رات کافی ہو چکی ہے۔ وہاں سامنے کمرے میں چلی جاؤ۔ مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے ایکسکیوزمی۔'' وہ سرسری سے انداز میں بولتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے آج فرحان کا رویہ بڑا لیا دیا سا لگا جانتی تھی وہ ایسا کیوں کر رہا تھا بچی تو تھی نہیں وہ یہ سب کچھ اتنی جلدی ایکسپٹ نہیں کر پا رہی تھی تو پھر اسے کیا دیتی۔ وہ اسی طرح کی سوچوں میں الجھی نہ جانے کب نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

صبح اس کی آنکھ اذانوں کی آواز سے کھلی۔ فرحان کی طرف نظر گئی جو دوسری طرف کروٹ لیے بے خبر سو رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر وضو کیا۔ نماز پڑھی پھر کچن کی طرف آ گئی۔ وہ چیزیں چیک کرنے لگی۔ کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا۔ کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔ فی الحال تو کھانے پینے کے لیے کچھ بھی موجود نہ تھا۔ وہ تھک ہار کر چھوٹے سے لاؤنج میں بنی گلاس ونڈو کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اس نے کھڑکی کے شیشے کو دھکیلا تو باہر سے معاً ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ یہ سیکنڈ فلور کا فلیٹ تھا اور نچلی منزل کا منظر اور بھی حسین تھا۔ پورا علاقہ سبزے والا تھا جگہ جگہ ہرے بھرے درخت نظر آ رہے تھے اور نیچے گراؤنڈ پر بھی سبزہ تھا مختلف پھولوں سے سجا گراؤنڈ کا آدھا حصہ چھوٹا سا گارڈن لگ رہا تھا۔ جہاں بچوں کے کھیلنے کے لیے مختلف جھولے بھی لگے ہوئے تھے اور اپارٹمنٹ کے بائیں جانب پارکنگ ایریا بنا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی ہونا شروع ہوئی تو ماحول میں کچھ ہلچل سی مچی۔ سامنے صاف شفاف روڈ پر گاڑیاں گزرنا شروع ہو گئیں۔ وہ کتنی دیر وہاں کھڑی جائزہ لیتی رہی۔ چونکی تب جب فرحان نے مخاطب کیا۔

''میں کھانے پینے کا کچھ سامان لے آیا ہوں۔ فی الحال تم اپنے لیے ناشتہ اور دوپہر کے لیے کچھ بنا لینا۔ میں ابھی تو آفس جا رہا ہوں۔ پھر شام میں میرے ساتھ چلنا جو گھر کے لیے ضروری سامان ہو لے لینا۔'' وہ آفس جانے کے لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔ وہ بڑی حیران ہوئی نہ جانے وہ کب اٹھ کر تیار بھی ہو گیا اور سامان بھی لے آیا تھا۔ وہ تو اردگرد سے بے خبر ایسی کھوئی تھی کہ اسے کچھ پتا ہی نہ چلا۔ فرحان کا موڈ آج اسے کل کے مقابلے میں کافی فریش لگا تھا۔

''آپ نے ناشتہ کر لیا؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں میں آفس میں کر لوں گا۔ فی الحال مجھے دیر ہو رہی ہے چلتا ہوں اپنا خیال رکھنا۔'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتا ہوا چلا گیا۔ آج نہ جانے کیوں اسے فرحان کو دیکھ کر ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ دل نے ہلکا سا اسے ملامت کیا۔ وہ اس پر اتنی محبت لٹا رہا تھا اور وہ صرف سنگدلی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ پھر خود ہی ان سوچوں کو جھٹک کر کچن کی طرف چل دی۔ بریڈ اور آملیٹ کا ہلکا پھلکا ناشتہ کرنے کے بعد گھر میں یونہی

چکر کاٹنے لگی۔ صفائی تو کرنے کی ضرورت تھی نہیں بس چیزوں پر تھوڑی سی دھول تھی جو اس نے جھاڑ پونچھ کر صاف کر دی تھی۔ پھر سوچنے لگی کیا کرے۔ پھر نفیسہ بیگم کا خیال آیا تو ان کو کال کر لی۔ تھوڑی دیر اس نے بات کی تو دل کچھ ہلکا پھلکا ہو گیا۔ خود کو پھر تنہا محسوس کرنے لگی۔ اسے سوچ سوچ وحشت ہو رہی تھی کہ دن کیسے کٹے گا۔

نہانے دھونے کے بعد اس نے ٹی وی آن کر لیا لیکن اس کا اس میں بھی دل نہ لگا۔ ٹی وی دیکھنے کی اتنی عادت ہی نہیں تھی۔ شادی سے پہلے اس کا زیادہ تر وقت نفیسہ بیگم اور کتابوں میں گزر جاتا تھا۔ پر اب یہاں ایسی کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ کچھ دیر بعد دروازے پر بیل بجی تو وہ چونک اٹھی۔

''کون ہو سکتا ہے۔'' وہ سوچتے ہوئے ٹی وی آف کر کے اٹھ گئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے ایک انجان عورت جو دیکھنے میں پینتیس چھتیس سال کی خاتون لگ رہی تھی۔ ماہم کو دیکھ کر ایک دم مسکرائی۔ ماہم بڑی حیرت سے اس انجان عورت کو دیکھ رہی تھی جو اسے ایسے دیکھ کر مسکرائی جیسے کوئی بڑی جان پہچان ہو۔

''السلام علیکم!'' وہ عورت بڑے پر جوش انداز میں بولی۔

''وعلیکم السلام!'' ماہم کی حیرت جوں کی توں برقرار تھی۔

''میرا نام زرمینہ ہے اور تم یقیناً ماہم ہو۔'' ماہم کو مزید حیرت اس کے منہ سے اپنا نام سن کر ہوئی۔

''جی پر آپ ہیں کون؟''

''ارے اندر آنے کو نہیں کہو گی۔'' وہ بڑے فری انداز میں بولی جیسے کوئی اس کی پرانی سہیلی ہو۔ ماہم شرمندہ سی ہو کر سامنے سے ہٹ گئی اور اندر آنے کا رستہ دیا۔

''میں تمہارے برابر والے اپارٹمنٹ میں رہتی ہوں۔ میرے ہسبینڈ اور فرحان ایک ہی آفس میں جاب کرتے ہیں۔ فرحان بالکل میرے چھوٹے بھائیوں کی طرح ہے۔ ہم لوگوں کے کافی اچھے فیملی ریلیشن ہیں۔'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بے ربط بولنا شروع ہو گئی ماہم کو وہ کافی باتونی لگی تھیں۔

''بھئی میں تو صبح فرحان کو دیکھ کر ہی حیران رہ گئی۔ میں نے پوچھا بھئی تمہاری کب اچانک آمد ہوئی۔ تو بتانے لگا رات میں آیا ہوں ساتھ ہی بیوی بھی آئی ہے۔ ویسے فون پر تو اس نے اپنی شادی کا بتایا تھا پر میں پھر بھی بہت خفا ہوئی۔ بھئی ایک تو اتنی اچانک شادی کر لی کہ ہمیں تو شرکت کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ لیکن اب زیادہ ناراض بھی نہیں رہ سکتی تھی میں۔ اس لیے کہا جو ہوا سو اچھا ہوا شکر ہے تمہیں بھی خیال آ ہی گیا شادی کا۔ مجھے تم سے ملنے کا بہت شوق تھا اور جیسا تمہیں سنا تھا اس سے کئی گنا اچھا پایا۔ فرحان تمہاری فون پر بہت تعریف کرتا تھا۔ ماشاءاللہ تم سچ مچ بہت خوب صورت ہو۔'' وہ اتنا تیز تیز بولنا شروع ہوئی کے ماہم کو لگا جیسے وہ وقفہ ہی نہیں دے گی۔ ماہم بس خاموشی سے ہلکا سا بے جان مسکراہٹ کے ساتھ اس کی بات پر مسکرا دی تھی۔

''میری اصل میں آمد کا مقصد ایک تو تم سے ملنا تھا۔ دوسرا تمہیں یہ بتانا تھا آج شام تمہاری اور فرحان کی دعوت ہماری طرف ہے۔''

''لیکن اس تکلف کی کیا ضرورت ہے۔'' ماہم بولی۔

''ارے اس میں تکلف کی کیا بات ہے۔ تم نے ضرور آنا ہے۔ فرحان کو میں کہہ چکی ہوں۔'' وہ حکمیہ انداز میں بولی تو ماہم انکار نہ کر سکی۔ پھر ماہم اس کے لیے چائے بنا لائی تھوڑی دیر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی اور پھر چلی گئیں۔

شام میں فرحان کے آنے سے پہلے وہ تیار بیٹھی تھی اور اس نے تیار بھی کیا ہونا تھا ہلکا فینسی سا سوٹ پہنا جیولری کے نام پر کانوں میں گولڈ کے ٹاپس پہن لیے اور بس میک اپ تو وہ کبھی کرتی نہیں تھی۔ اسے پتا تھا فرحان کو دعوت کا معلوم ہے اس لیے پہلے سے تیار بیٹھی تھی۔ فرحان جب آیا تو اس کی تیاری سے سمجھ گیا یقیناً اسے دعوت کا پتا چل گیا تھا۔

''زرمینہ بھابی آئیں تھیں کیا؟'' لیکن اس نے پھر بھی پوچھنا ضروری سمجھا۔

''جی اور دعوت کا کہہ کر گئی ہیں۔''

''ہوں..... مجھے بھی کہہ رہی تھیں صبح اپنے بارے میں تو انہوں نے تمہیں بتا ہی دیا ہو گا۔''

''جی۔'' وہ مختصر بولی۔

''میں فریش ہو کر چینج کر لوں پھر چلتے ہیں۔'' وہ کہتا ہوا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

فرحان تھوڑی دیر ہی میں تیار ہو کر آ گیا تھا۔ پھر فریج میں سے کیک نکالا جو اس نے آفس سے آتے ہوئے رستے میں ہی لے لیا تھا۔ اور ماہم کو لے کر زرمینہ کے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گیا۔ زرمینہ نے بڑے پرتپاک انداز میں ان کا استقبال کیا۔ فرحان تو زاہد کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گیا تھا۔ جب کہ وہ زرمینہ اور بچوں میں بیٹھی تھی۔

''بھئی فرحان تمہاری بیوی تو بہت سادہ ہے مزاج میں بھی اور بظاہر بھی اب دیکھو ناں کہیں سے اسے کوئی دیکھ کر کہہ سکتا ہے یہ کوئی نئی نویلی دلہن ہے۔'' کھانا کھاتے ہوئے زرمینہ بے جھجک فرحان سے بولی۔

''ارے بھئی تو اس میں شکوہ کرنے کی کیا بات ہے۔ خوش نصیب ہے فرحان جو اسے اتنی سادہ بیوی ملی ہے۔ ہم سے پوچھے کوئی ہم اپنی بیوی کے ساتھ کیسے گزارا کر رہے ہیں۔'' فرحان کے بجائے زاہد، زرمینہ سے بڑے مودبانہ انداز میں بولا۔ فرحان اور ماہم دونوں زیر لب مسکرا دیے جب کہ زرمینہ نے شوہر کو گھور کر دیکھا۔

''آپ کے تو کیا ہی کہنے۔'' زرمینہ چبا کر بولی۔

''دیکھا کیسے ہمیں آنکھیں دکھائی جا رہی ہیں۔'' زاہد شکوہ کن انداز میں بولا۔ زاہد اور زرمینہ کی نوک جھونک نے ماحول کو خوشگوار بنا دیا تھا۔

''ارے ماہم! تم نے کچھ لیا ہی نہیں یہ لو بریانی ٹرائی کرو۔'' زرمینہ اسے خالی کباب کھاتے ہوئے ٹوکتے ہوئے بولی۔ اور اس کے نہ نہ کرنے پر بھی چاول اس کی پلیٹ میں ڈال دیے۔

''بھئی شرمانے کی ضرورت نہیں ہے اسے اپنا ہی گھر سمجھو اور تم بھی فرحان۔'' زرمینہ نے ساتھ اسے بھی ٹوکا۔

''آپ کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بھابی آئی نو۔'' فرحان مسکراتے ہوئے بولا۔ کھانا کافی خوشگوار ماحول میں کھایا گیا زرمینہ کا اپنائیت والا انداز ہی تھا جو ماہم اس سے گھل مل گئی تھی۔

اپنے گھر واپس آ کر ماہم چینج کرنے کے بعد کمرے میں موجود کھڑکی کے پاس کھڑی سوچوں میں گم تھی۔ فرحان باہر کسی فون کال سننے میں بزی تھا۔

سیاہ آسمان پر سفید چاند پورے آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ زندگی اس کی پہلے سے کئی گنا خوشگوار ہو گئی تھی۔ پر پھر بھی ایک بے سکونی سی تھی جو اسے جینے میں دشواری دے رہی تھی۔ ورنہ فرحان جیسے انسان کے

ساتھ کا کون لڑکی خواہش نہیں کرتی۔ قدرت نے اسے بے پناہ محبت لٹانے والا شوہر دیا تھا پر نہ جانے پھر بھی اسے کیوں اعتبار نہ آرہا تھا یا شاید اعتبار کرنا نہیں چاہ رہی تھی۔ ماضی زہر کی طرح اسے ڈستا رہتا تھا۔ وہ کچھ بھولنا چاہتی بھی تو بھول نہیں پا رہی تھی۔ فرحان کب اس کے برابر میں آکر کھڑا ہوا اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ فرحان نے آہستہ سے اس کے گرد بازو حمائل کر دیے جسے اس نے ہمیشہ کی طرح پیچھے ہٹا دیا۔

''پلیز مجھے نیند آرہی ہے۔'' وہ خشک سے انداز میں بولی فرحان ایک بار پھر اس کے رویے پر ٹھٹک گیا۔

''ماہم! میں تمہیں شادی کے دن سے نوٹ کر رہا ہوں۔ تمہارا رویہ مجھ سے بہت روڈ ہے۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اگر تمہارے دل میں کچھ ہے تو مجھ سے کہو۔'' وہ اسے اپنے سامنے کرتے ہوئے بولا۔ ماہم اس سے نظریں چرا گئی۔ فرحان کو اس کی خاموشی بہت چبھی۔

''کیا تم اس شادی کے لیے راضی نہیں تھیں؟'' وہ اس پر نظریں جمائے ہوئے بولا اور ماہم قدرے توقف کے بعد بولی۔

''یہی سمجھ لیجیے۔'' وہ اسے اب مزید خوش فہمی میں نہیں رکھ سکتی تھی۔ فرحان اس کی بات سن کر شاکڈ رہ گیا اس کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔

''جب تم شادی کرنا نہیں چاہتی تھیں تو کیوں حامی بھری؟'' وہ لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے بولا۔

''میں آپ سے نہیں کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' وہ دوٹوک بولی۔

''جان سکتا ہوں کیوں؟'' وہ سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے بولا۔

''یہ میرا پرسنل معاملہ ہے۔''

''پرسنل..... تمہارا اب کچھ بھی مجھ سے پرسنل نہیں ہے۔ بیوی ہو اب تم میری حق رکھتا ہوں تم پر ہر قسم کا۔''

وہ کچھ برہم سا ہوا۔ ماہم اس سے نظریں چرائے خاموش رہی۔ ماہم کے چہرے پر پھیلی بے چینی اور اداسی اسے تشویش میں مبتلا کر گئی۔ اس لیے وہ کچھ نرم پڑ گیا۔

''دیکھو ماہم! اب ہم میاں بیوی بن چکے ہیں۔ ہمارا نیا سفر شروع ہو گیا ہے اگر تمہارا رویہ اسی طرح رہا تو تم اپنی بھی زندگی تباہ کر لو گی اور میری بھی۔'' وہ کچھ نرمی سے بولا۔ ماہم کو کچھ سمجھ نہ آرہا تھا وہ کیا کہے وہ اسی دن سے ڈرتی تھی۔ اب جب وہ اس سے جواب طلب کر رہا تھا تو اسے کیا بتاتی۔

''پلیز آپ مجھے غلط مت سمجھیں۔ پر سچ تو یہ ہے یہ شادی میں نے اپنے گھر والوں کی خوشی کے لیے کی ہے۔ آپ سے یوں اچانک رشتہ جڑ جائے گا میں نے ایسا کبھی بھی نہیں سوچا تھا۔ پر پلیز آپ مجھے تھوڑا وقت دیں۔ یہ سب ایکسپیکٹ کرنے کے لیے۔'' وہ الفاظوں کو بڑی مشکل سے تولتے ہوئے بولی۔ فرحان اس کی بات پر دھیما سا مسکرا دیا۔

''اگر ایسی بات تھی تو تم مجھے پہلے بتا دیتیں اور میں نہ جانے کیا کچھ سوچنے لگا۔ خیر تم بالکل فکر مت کرو جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہوگا۔ تمہیں مجھ سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اچھے دوست بھی تو ہیں ناں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا جیسے اس سے بھی تصدیق چاہتا ہو۔

''جی۔'' وہ بس بامشکل بولی تھی۔

☆.....☆

موسم میں کافی تبدیلی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ سردیوں کی آمد آمد تھی اور یہی ٹھنڈک دن بہ دن بڑھتی چلی

جا رہی تھی۔ ماحول میں ایک عجیب سی خاموشی اور اداسی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ لوگ زیادہ سردی ہونے کی وجہ سے زیادہ تر وقت گھروں میں ہی گزارتے۔ اس لیے روڈ بھی جیسے سنسان لگتے۔ وہ کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگائے اپنے گرد گرم چادر لپیٹے شام کے ڈھلتے سایوں کو دیکھنے میں محو تھی۔ دن بہت چھوٹے اور راتیں لمبی ہو گئی تھیں۔ اس کا دن تو جیسے تیسے کٹ ہی جاتا پر لمبی طویل راتیں کاٹنا بہت مشکل لگتیں۔ ایک عجیب سی بے سکونی تھی جو دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ یہ سوچ کر ہی وہ گھبرا جاتی کہ اس نے فرحان کو بھی دھوکے میں رکھا ہوا ہے اور خود کو بھی دھوکا دے رہی ہے۔ کہاں تو وہ مرد ذات سے نفرت کرتی تھی پر فرحان کی بے پناہ محبت اور اپنائیت اس کے دل کو پگھلاتی جا رہی تھی۔ جب وہ بے خیالی میں اسے سوچنے لگتی تو خود کو بری طرح سرزنش کرتی شاید ڈرتی تھی کہ کہیں واقعی وہ اس کی محبت میں قید نہ ہو جائے۔ اسے نفیسہ بیگم کے الفاظ یاد آجاتے۔

''میری بچی نکاح کے تین بولوں میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں نکاح کے بعد خدا خود بخود عورت کے دل میں مرد کی محبت ڈال دیتا ہے اور مرد کے دل میں عورت کی۔'' وہ ان الفاظوں کو سوچ کر بری طرح جھرجھری لیتی۔ اس کی اور فرحان کی شادی کو دو ماہ گزر گئے تھے لیکن ان کے رشتے میں ذرا بھی گنجائش نہیں نکل پا رہی تھی اور آخر کو فرحان بھی کب تک اس کا انتظار کر سکتا تھا۔ یہ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہو جاتا۔ بے چینی تھی کہ بڑھتی جاتی۔ وہ ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب رہنے لگی تھی۔ اس کی حالت اس کے چہرے سے صاف واضح طور پر پہچانی جا سکتی تھی۔ ماضی کے حادثے نے اسے اندر سے اتنا توڑ پھوڑ دیا تھا کہ اب اندر اپنا آپ نئے طریقے سے جوڑنا بہت مشکل تھا۔ فرحان پر وہ اعتماد کرنا نہیں چاہتی تھی پر اس کے انداز اس کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ اعتماد خود بخود آتا جا رہا تھا۔ اس نے جو کہا تھا وہ پورا کیا تھا۔ کبھی بھی اپنے نفس کی تسکین کے لیے اس کے اتنا قریب ہو کر بھی اس سے زبردستی نہیں کی تھی پر ہمیشہ ایسا نہیں چل سکتا تھا پہلے پہل تو فرحان نے بھی اس کی کہی بات مان لی تھی پر نہ جانے کیوں اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی۔ بات کچھ اور ہے ماہم کے چہرے پر پھیلی ویرانی اور اداسی اسے بھی بے چین کر رہی تھی لیکن فی الحال وہ خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھ رہا تھا۔

☆.....☆

دن آہستہ آہستہ سرکتے جا رہے تھے، پر حالات جوں کے توں تھے۔ اب تو فرحان بھی کچھ خاموش سا رہنے لگا تھا۔ وہ چاہتا تھا ماہم اس سے اب خود کوئی بات کرے پر وہ ایسا نہ کرتی۔ وہ فرحان کو وقت دینے کے بجائے زیادہ تر دوسرے مشاغل میں مصروف رہتی۔ مثلاً کتابیں پڑھ لیتی، گھر والوں سے فون پر لگی رہتی یا پھر زرمینہ کے ساتھ وقت گزار لیتی۔ فرحان یہ سب خاموشی سے نوٹ کرتا رہتا اسے ان سب میں صرف اپنا آپ اگنور ہوتا نظر آتا جو اسے بہت تکلیف دیتا۔ وہ خود کئی دنوں سے بے چین رہنے لگا تھا۔ بے سکونی تھی جو اس کے اندر بھی اترتی جا رہی تھی۔ ماہم کا رویہ شروع دن سے ہی ایک پہیلی تھا۔

☆.....☆

ڈھلتی شام کا وقت تھا ماہم چائے کا کپ تھامے لاؤنج میں موجود کھڑکی کے پاس آکھڑی ہوئی جہاں سے باہر کا منظر صاف واضح نظر آرہا تھا اور وہ سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹھک سی گئی۔ اپارٹمنٹ کے گیٹ کے باہر مونگ پھلی والا کھڑا تھا اور زرمینہ کی نو سالہ بیٹی اس کی گود میں چڑھی ہوئی تھی۔ باہر سڑک پر گہرا سناٹا تھا۔ اکا دکا ہی کوئی گاڑی مشکل سے گزرتی گہری دھند میں اسے کوئی اور بندہ نظر ہی نہ آرہا تھا۔ مونگ پھلی والا اسے گود میں چڑھائے اس کے گال چومتا اور اسے طرح طرح کی چیزیں دکھا رہا تھا۔ ماہم کے ہاتھ سے چائے کا کپ

چھوٹتے چھوٹتے بچا ایک کپکپاہٹ سی بدن میں دوڑ گئی۔ وہ بدحواسی کے عالم میں نیچے کی طرف بھاگی۔ فرحان جو گاڑی پارک کر رہا تھا۔ ماہم کو تیز تیز گیٹ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر چونکا۔ ماہم نے جھپٹنے کے سے انداز میں زرینہ کی بیٹی کو مونگ پھلی والے سے چھینا۔ مونگ پھلی والا ایک دم سٹپٹا گیا اور وہ باجی باجی کرنے لگا۔ ماہم نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے اتنی کھری کھری سنائیں کہ وہ تیزی سے آگے کی طرف بڑھ گیا۔ فرحان یہ ساری صورتحال بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ ماہم کا یہ روپ اسے بالکل نیا اور انوکھا لگا۔ ماہم بچی کا ہاتھ تھامے اب غصے کے عالم میں زرینہ کے گھر کی طرف بڑھ گئی۔ زرینہ نے جیسے ہی دروازہ کھولا تو سامنے ماہم کو دیکھ کر مسکرا اٹھی جب کہ ماہم اس پر یکدم برس پڑی۔

''بھابی! آپ مجھے یہ بتائیں کیا آپ اپنی اولاد کی دشمن ہیں۔'' اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور شروع ہوگئی۔ جب کہ زرینہ اس کے غصے بھرے لہجے کو دیکھ کر ہکا بکا سی رہ گئیں۔ اسے اس کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

''ماہم! ہوا کیا ہے کچھ بتاؤ تو پہلے۔'' وہ پریشان سی بولی۔

''آپ نے اپنی چھوٹی بیٹی کو اکیلے یونہی سڑکوں پر چھوڑ دیا تاکہ کوئی بھی ایرا غیرا آئے اور مال غنیمت سمجھ کر لے جائے۔'' وہ طیش کے عالم میں بولی۔

''پر میں نے تو اسے صرف مونگ پھلی لینے بھیجا تھا۔ بہت ضد کر رہی تھی۔'' زرینہ بے خبر سی بولی۔

''تو کیا آپ اس ٹھیلے والے کو جانتی تھیں۔ کیسا تھا کیسا نہیں۔'' ماہم کو اس کی اس قدر لاپرواہی پر بہت غصہ آیا۔ جب سے اس کے ساتھ یہ سب ہوا تھا وہ ان معاملات میں بہت حساس ہوگئی تھی۔

''کیوں کچھ ہوا ہے کیا؟'' اب کے زرینہ کچھ گھبرا گئی اور ماہم اس کے چہرے کی اڑتی ہوائیاں دیکھ کر نرمی سے بولی۔

''ہوا نہیں تو خدانخواستہ ہو بھی سکتا تھا۔ کیا آپ نہیں جانتی بھابی! آج کل کے کیا حالات ہیں یہاں جوان لڑکیوں کو نہیں چھوڑا جا رہا اور یہ تو پھر بچی ہے۔ بھابی خیال رکھا کریں برے وقت کا کچھ پتا نہیں ہوتا اور انجان لوگوں پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔'' وہ رسانیت سے بولی۔

''ہاں نہیں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ غلطی میری ہے مجھے احتیاط کرنی چاہیے۔'' زرینہ کو اس کی بات سمجھ آئی تو شرمندہ سی بولی۔

''اگر آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہو تو مجھے معاف کر دیجیے گا۔''

''ارے نہیں کیسی باتیں کر رہی ہو۔ بلکہ تم نے تو مجھ پر احسان کیا ہے مجھے احساس دلا کر۔'' پھر وہ اسے اندر آنے کا کہنے لگی لیکن وہ فرحان کے آنے کا کہہ کر پلٹ کر اپنے فلیٹ میں آگئی اور یہ دیکھ بھی نہ سکی فرحان سائیڈ پر کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ جب وہ اس کے پیچھے آیا تو وہ چونک گئی۔

''آپ کب آئے؟''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے۔'' وہ خشک سے لہجے میں بولتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ فرحان کے اس رویئے کی اسے امید تھی۔ ایسا ہونا تھا آخر کو وہ کب تک اس کا انتظار کرتا۔ آج فرحان نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ جب کے وہ دو تین مرتبہ پوچھ چکی تھی۔ وہ بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے بالکونی میں کھڑا تھا۔ ہر طرف اندھیرے کا راج تھا اور ٹھنڈک بھی اپنے عروج پر تھی۔ سیاہ آسمان پر چاند بھی بڑا اداس سا لگ رہا تھا۔ ماہم کی

عادتیں اسے بہت ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ بات کچھ اور ہی تھی جس کی تہہ تک وہ پہنچ ہی نہیں پا رہا تھا اور اب کی بار وہ کوئی بہانہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''بتاؤ مجھے کس بات کی سزا دے رہی ہو مجھے۔ کیا میں تمہارا خیال نہیں کرتا۔ تمہاری عزت نہیں کرتا۔ تم سے دوستوں کی طرح پیش آتا ہوں اور تم مجھ سے جھجکتی نہیں ہو بلکہ مجھے اگنور کرتی ہو اور اس کا جواب مجھے صرف سچ میں چاہیے۔'' وہ لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے بولا۔ ماہم نے بے چینی سے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ کچھ سمجھ نہ آیا۔ وہ اسے کیا بتائے۔

''بولو جواب دو۔'' وہ بدستور اس کی خاموشی پر بولا۔

''میں آپ کو وجہ بتا چکی ہوں۔'' وہ کچھ گھبراتے ہوئے بولی۔

''نہیں میں مان ہی نہیں سکتا۔ اندھا نہیں ہوں میں جو تمہارا رویہ ہے پہچان نہ سکوں۔ بات کچھ اور ہی ہے مجھے ٹھیک طرح سے بتاؤ۔ اصل میں حقیقت ہے کیا؟'' وہ اس پر نظریں جما کر سختی سے بولا۔ ماہم اس سے نظر ملا نہ سکی۔ وہ اتنا گھبرا گئی کہ آنکھیں بھیگ گئیں۔ آنسو تھے کہ پلکوں کی باڑ توڑنے کے لیے بے چین تھے۔ وہ اسے کیا بتاتی اپنے احساسات کیسے سمجھاتی فرحان کچھ گھبرا سا گیا۔

''کیا تم کسی اور سے شادی کرنا چاہتی تھیں؟'' وہ اس کی کیفیت سے کچھ نرم پڑ گیا اور اپنے طور پر اندازہ اخذ کیا۔ ماہم ہکا بکا سی رہ گئی اس کی بات سن کر۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے مضبوط لہجے میں بولی۔

''تو صحیح کیا ہے مجھے وہ بتا دو پر خدا کا واسطہ ہے۔ خود کو اور مجھے اس الجھن سے نکال دو۔'' وہ اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے بولا۔ ماہم نے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا بے چین آنسو پلکوں کی باڑ توڑتے ہوئے گالوں پر پھسل گئے۔ اب اس سے چھپانے کا کوئی فائدہ نہ تھا اور اگر چھپا بھی لیتی تو کب تک وہ اسی طرح اس سے سوال و جواب کرتا رہتا اور وہ اپنی اور اس کی زندگی کو جہنم بنا لیتی۔ اسی لیے اس نے اسے سب حقیقت بتانے میں عافیت جانی۔

''میں اب آپ سے کچھ بھی نہیں چھپاؤں گی اور حقیقت جاننے کے بعد اگر آپ مجھے چھوڑنا چاہیں تو چھوڑ سکتے ہیں۔ مجھے تکلیف نہیں ہوگی۔ کیونکہ زندگی نے انسانوں کی ایسی کڑوی حقیقت بتا دی ہے کہ اب ان کی بے وفائی پر دکھ نہیں ہوتا۔'' وہ کھڑکی کے پار سیاہ آسمان کو دیکھتے ہوئے ڈوبے ہوئے لہجے میں بولی۔ فرحان اس کی بات پر کچھ ٹھٹک سا گیا پر فی الحال خاموش رہا۔

''آج سے دس سال پہلے کی بات ہے جب میری زندگی بے حد پرسکون اور میری مرضی کے مطابق گزر رہی تھی۔ اپنے آپ میں مگن ہر چیز سے بے خبر کون کیا سوچتا ہے؟ کون کیا دیکھتا ہے؟ کون کیا چاہتا ہے؟ کس کی نظر کیسی ہے؟ مجھے کسی چیز کی پرواہ نہ ہوتی۔ نہ کبھی سوچنے کی ضرورت محسوس کی یوں لگتا تھا جیسے سب ہی اچھے ہوں۔ پر زندگی کی حقیقت یہ نہیں تھی جو میں سوچتی تھی اس کا اندازہ مجھے اس بھیڑیے جیسے شخص کو جان کر ہوا۔'' آگے وہ سب جو قیامت اس پر گزری تھی وہ سب اسے بتاتی چلی گئی۔ بولتے ہوئے الفاظ اس کے ایسے جیسے حلق میں اٹک رہے تھے۔

فرحان شاکڈ سا سنتا رہا۔

''اس حادثے نے نہ صرف میرا اعتبار توڑا بلکہ میری پوری شخصیت ٹوٹ گئی۔ دوبارہ کسی پر اعتبار کرنے کو

بھی نہ چاہا۔ آپ سے شادی بھی اس لیے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھ جیسی ٹوٹی پھوٹی لڑکی کے ساتھ کوئی بھی انسان خوش نہیں رہ سکتا۔ جو آپ چاہتے ہیں شاید میں آپ کو کبھی نہ دے سکوں۔''

وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔ فرحان آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کی طرف آیا اور آہستہ سے اس کا رخ اپنی طرف موڑا اس کی بھیگی آنکھوں کو نرمی سے صاف کیا۔

''یہ سب تم نے گھر والوں کو کیوں نہیں بتایا؟'' وہ بہت نرمی سے بولا۔

''میں ڈر گئی تھی۔ بھائی جان نے ہمیشہ مجھ سے بہت محبت کی اور مجھے ڈر تھا اگر وہ یہ حقیقت جان جاتے تو نہ جانے وہ کیا کر بیٹھتے۔'' فرحان اس کی بات پر کچھ دیر خاموش سا ہو گیا۔

''کیا تمہیں میں بھی اس شخص جیسا لگتا ہوں؟'' وہ قدرے وقف کے بعد بولا۔

''نہیں بالکل نہیں آپ کو میں نے ان ڈھائی مہینوں میں اتنا تو جان لیا ہے کہ آپ ان مردوں میں سے نہیں ہیں جو عورت کو صرف اپنے نفس کی تسکین کا سامان سمجھتے ہیں۔'' اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

''تو کیا مجھ پر اعتبار نہیں کر سکیں؟'' وہ عاجزی سے بولا۔

''ڈرتی ہوں اگر یہ اعتبار دوبارہ ٹوٹ گیا تو شاید میں پھر زندہ نہ رہ پاؤں گی۔'' وہ اندر سے خوف زدہ تھی۔

''ایسا کبھی نہیں ہوگا میں نے تم سے محبت کی ہے اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ تم صرف ایک مرتبہ مجھ پر اعتبار کر کے دیکھو یقین جانو میں اس اعتبار کو کبھی ٹوٹنے نہیں دوں گا۔'' ماہم نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جو اسے ہی تک رہا تھا۔ وہ اس پر اعتبار کرنا چاہتی تھی۔ یہ اس کے دل نے کئی بار کہا تھا اور آج اس بات کا یقین بھی ہو گیا تھا۔ یہ اس کی اچھائی ہی تھی۔ جو اس کے حرف بہ حرف بات پر یقین کیا تھا۔ نہ جانے کوئی اور ہوتا تو کیا کر بیٹھتا۔ وہ اپنی زندگی کو مزید تباہ ہونے نہیں دینا چاہتی تھی۔ خدا نے اسے ایک بہت اچھے ہمسفر سے نوازا تھا جس کا یقین اسے ہو گیا تھا۔ وہ ایک بار اس پر اعتبار کر کے دیکھنا چاہتی تھی۔ شاید کے اس کا یہ فیصلہ صحیح ہو۔

''میں کوشش کروں گی۔'' وہ قدرے توقف کے بعد بولی تو فرحان مسکرا دیا۔ زندگی نے اسے ایک امید پھر دلا دی تھی کہ زندگی کا آئندہ سفر روشن ہو۔

☆.....☆

دن آہستہ آہستہ سرکتے جا رہے تھے۔ ان دونوں کے تعلقات میں کافی بہتری آ گئی تھی۔ بے شک ان کا ازدواجی رشتہ قائم نہ ہو سکا تھا اور اس کی وجہ ماہم ہی تھی۔ فرحان اسے مزید وقت دینا چاہتا تھا تاکہ اس کا اعتماد اس پر مکمل طور پر قائم ہو سکے۔ ماہم بے شک پہلے سے بہت پرسکون ہو گئی تھی پر ایک جھجک آڑے آ جاتی تھی اسے سمجھ نہ آتا وہ فرحان سے کیسے اپنے اندر اس کے لیے پنپتی محبت کا اظہار کرے۔ بہت بار کوشش کرتی پر ناکام ہو جاتی۔ فرحان اس کی اس تبدیلی سے بے خبر نہ تھا لیکن وہ چاہتا تھا اب کے وہ خود اس سے کھل کر اظہار کرے۔ آخر کو اس نے بھی اس کے لیے بہت بے چینی کے پل کاٹے تھے۔

☆.....☆

فرحان کی آج برتھ ڈے تھی اور اسے اس سے اچھا موقع نہ لگا۔ زرمینہ کے ساتھ جا کر وہ اس کے لیے گفٹ تو لے آئی تھی۔ پر اب مسئلہ تھا اسے دینے کا وہ کافی دیر سوچتی پھر اس نے یونہی الماری کھولی تو سامنے ہینگ کی ہوئی شیفون کی بلیک ساڑھی پر نظر پڑی جس کے بارڈر پر سفید چمکتے موتیوں کا کام ہوا تھا۔ بلاشبہ وہ بہت خوب صورت ساڑھی تھی لیکن اس نے کبھی اسے پہننا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ یہ کلر فرحان کا فیورٹ تھا۔ یہ بات وہ

بچپن سے جانتی تھی۔ اس نے بے اختیار الماری میں سے وہ نکال لی اور جب پہن کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو خود بھی اپنے خوب صورت روپ کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس نے کبھی خود کو غور سے نہیں دیکھا تھا لیکن اب نہ جانے کیوں خود کو بغور دیکھ رہی تھی۔ فرحان اس کی بہت تعریف کرتا تھا پر اس نے کبھی توجہ نہ دی ان باتوں پر۔ پر اب نہ جانے کیسا احساس جاگا تھا کہ وہ چاہتی تھی وہ اس کے لیے سجے سنورے جبھی آج اس کے لیے خود کو سجا رہی تھی۔ اس نے ہلکا پھلکا سا میک اپ کیا۔ جیولری کے نام پر کانوں میں ڈائمنڈ کے ٹاپس پہنے۔ جو ساڑھی کے کام کے ہم رنگ میچنگ تھے۔ پھر پرفیوم کا اسپرے کیا۔ بالوں کو اس نے کھلا چھوڑ دیا تھا وہ جانتی تھی فرحان اس کے بالوں کا دیوانہ ہے۔ وہ خود کو بے یقینی سے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ وہ کتنا بدل گئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کبھی ایک مرد کی محبت کی اسیر ہو جائے گی۔ پر یہ حقیقت تھی اسے نفیسہ بیگم کی کہی بات آج سچ لگ رہی تھی اور اس سے بھی زیادہ سچ یہ تھا کہ اسے بدلا تھا تو صرف فرحان کی محبت اور اس کے اعتماد نے ورنہ شاید..... وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ دروازے پر ڈور بیل بجنے سے چونکی اسے معلوم تھا یہ فرحان کے گھر آنے کا وقت تھا وہ خود میں اعتماد پیدا کرتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

دروازہ کھلتے ہی فرحان نے معمول کی طرح اس پر نظر پڑتے ہی سلام کیا جس کا اس نے دھیمے سے لہجے میں جواب دیا اور اگلے ہی پل وہ اس کے سجے سنورے روپ کو دیکھ کر دم بخود سا ہو گیا۔ وہ اسے ایک ٹک دیکھے گیا اسے آج سچ میں لگا جیسے وہ آج اس کے نفس کا امتحان لینے سامنے آ کھڑی ہو۔ ماہم اس کی نظروں سے خجل سی ہو گئی۔ پھر فرحان جیسے خود کو ہوش میں لاتا ہوا خاموشی سے اندر بڑھ گیا۔ وہ اس کے اس بدلاؤ کو بخوبی سمجھ رہا تھا اور اندر ہی اندر وہ بہت پرسکون اور خوش ہو گیا تھا کہ شکر تھا اس کو اس پر اعتبار آ گیا تھا۔

وہ فریش ہو کر نکلا تو ماہم اس کا گفٹ تھامے کمرے میں چلی آئی۔ فرحان ٹاول سے گیلے بال خشک کر رہا تھا۔ اسے اندر آتا دیکھ کر سیدھا ہو گیا اور ٹاول کو سائیڈ میں صوفے پر رکھ دیا۔ وہ خود پر بڑی مشکل سے ضبط کر رہا تھا ورنہ آج اس نے اس کے ہوش اڑانے کے لیے پوری تیاری کی ہوئی تھی اور اس کی پشت پر پھیلے کھلے سیاہ لمبے سلکی بال وہ تو اس کی جان تھے اور وہ تھی کے کبھی اس کے سامنے کھولتی ہی نہیں تھی۔

''ہیپی برتھ ڈے۔'' وہ اس کے سامنے خوب صورت گفٹ ریپر میں پیک کیا ہوا بڑھاتے ہوئے دھیمے سے لہجے میں بولی۔ فرحان اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے گفٹ تو تھاما پر بالکل اس کے قریب ہو کر۔ ماہم خجل سی ہو کر پیچھے ہٹی پر پیچھے دیوار ہونے کی وجہ سے اس کے جانے کی ساری راہ مسدود ہو گئی۔

''تھینکس..... تو تمہیں یاد تھی میری برتھ ڈے۔'' وہ بالکل اس کے قریب ہوتے ہوئے بولا۔ اس نے اس کے بائیں جانب دیوار پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھ دیا۔ جیسے اس کے فرار کا راستہ روک رہا ہو۔ ماہم کو اس کی اس قدر قربت سے گھبراہٹ سی ہونے لگی دل اتنا تیز دھڑکنے لگا جیسے باہر آ جائے گا اور اوپر سے خود پر جمی فرحان کی نظریں اسے لگا جیسے اس کی جان ہی نکل جائے گی۔ وہ خاموشی سے صرف ماہم کو تک رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا وہ اس سے خود کوئی بات کرے۔

''میں کھانا لگاتی ہوں۔'' اس نے جانے کا بہانہ بنایا پر فرحان نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر روک لیا۔

''ایسے نہیں جانے دوں گا۔ پہلے یہ تو بتاؤ آج اتنا کس خوشی میں سجی ہو؟'' وہ اس کے بالوں میں نرمی سے

انگلیاں پھیرتے ہوئے گھمبیر لہجے میں بولا۔ ماہم کو لگا جیسے وہ اس کا امتحان لے رہا ہو۔

''بولو چپ کیوں ہو؟'' وہ اس کی بدستور خاموشی پر بولا۔

''ایک شادی شدہ لڑکی بھلا کیوں سجتی سنورتی ہے۔'' ماہم کے اندر بھی تھوڑی شرارت سی جاگی اس لیے بڑی مشکل سے لہجے کو مضبوط بناتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔ فرحان اس کی بات سن کر دھیما سا مسکرایا۔

''اچھا بھلا کیوں سجتی ہے؟'' وہ چہرے پر معصومیت سجا کر اس سے بات کا مطلب پوچھنے لگا۔ اور ماہم کو اس کی اس بلاوجہ کی معصومیت پر مصنوعی غصہ آیا۔

''بتاؤ ناں چپ کیوں ہو؟'' وہ اس کی جھجک پر خوب محظوظ ہو رہا تھا۔

''پلیز ہٹیں سامنے سے مجھے اور بھی بہت کام ہیں۔'' وہ مزید اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکی اس لیے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے بولی۔ جب کہ فرحان نے اپنی گرفت اور مضبوط کر لی وہ اس کے سرخ ہوتے چہرے سے خوب محظوظ ہو رہا تھا۔

''میں بہت خوش ہوں ماہم! کے تمہیں میری محبت پر اعتبار آ گیا۔ میں اس اعتبار کو کبھی ٹوٹنے نہیں دوں گا۔'' اس نے اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے کچھ سنجیدگی سے بولا تو ماہم بھی اندر سے سرشار سی ہو گئی۔

''اب تو میں تمہیں چھونے کی جسارت کر سکتا ہوں نا۔'' وہ اس کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے بولا۔

''آپ یہ جسارت کر چکے ہیں۔'' وہ بھی اسی کے لہجے میں بولی تو وہ ہنس دیا۔

''ہاں تو بھئی شوہر ہوں تمہارا حق رکھتا ہوں۔'' وہ مذاق کے سے انداز میں رعب دار لہجے میں بولا تو ماہم مسکرا دی۔ اس کی آج اتنے عرصے بعد بھرپور مسکراہٹ پر فرحان بے حد پرسکون ہو گیا تھا۔

''ویسے میں نے آج تمہیں ایک خوش خبری بھی سنانی تھی۔''

''کیا؟'' ماہم اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''میرا کراچی ٹرانسفر ہو گیا ہے۔''

''کیا واقعی؟'' وہ پرجوش سی بولی۔

''ہاں۔'' وہ بھی مسکراتے ہوئے جیسے اسے یقین دلاتے ہوئے بولا۔

''آئم سو ہیپی آپ نے سچ آج مجھے بہت اچھی خبر سنائی ہے۔'' اس کے اندر کی خوشی چہرے سے جھلک رہی تھی۔

''کیوں نہ سناتا بھئی جب تم مجھے اتنی خوشی دے سکتی ہو تو یہ تو اس خوشی کے آگے کوئی معنی نہیں رکھتی۔''

''آپ کے لیے نہیں رکھتی ہو گی پر میرے لیے بہت خوشی کی خبر ہے۔'' وہ اپنوں کا سوچ کر ہی اداس سی ہو گئی۔

''چلو اب یہ اداسی دور کر لو کیونکہ اب تمہیں زیادہ جدائی کاٹنی نہیں پڑے گی کیونکہ اب تو میں بھی بہت پاس ہوں۔ تو یہ جدائی کا دکھ کیوں؟'' وہ شوخ انداز میں بولا۔

''بہت بے شرم ہیں آپ۔'' وہ ہنستی ہوئی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ زندگی کی اس نئی بہار نے اس کی زندگی کو تازہ پھولوں کی طرح مہکا دیا تھا۔

.....☆.....

مصباح مسکان رؤف

ناولٹ

من جاوں

اس نے تیار ہو کر خود کو دیوار پر لگے آئینے میں دیکھا تو غرور سے اس کی لمبی گردن تن گئی' بلیک شیفون کا ڈیزائنر گاؤن جس پر چمکتے اسٹونز گاؤن کی رونق بڑھا رہے تھے اس کے ساتھ ڈائمنڈ جیولری پہنے' ہلکے میک اپ میں بال دائیں کندھے پر ڈالے وہ کسی ریاست کی شہزادی لگ رہی تھی وہ ابھی اپنا جائزہ لے

رہی تھی کہ گلاس ڈور دھکیل کر قیمتی تھری پیس سوٹ پہنے ایک نوجوان اندر داخل ہوا جسے دیکھ کر وہ خوشی سے مسکرائی' نوجوان نے اس کی تعریف کرتے ہوئے اپنے ہاتھ میں پکڑی ڈائمنڈ رنگ اس کی انگلی میں پہنائی پھر دونوں مسکراتے ہوئے باہر کھڑی لینڈ کروزر کی طرف بڑھے۔

''صلہ اٹھ جاؤ' بھابی بلا رہی ہیں''۔ صبا پھپھو کی آواز نے اسے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ہی خواب سے حال میں کھینچ لیا' اس نے بے دلی سے آنکھیں کھولیں۔

''کیا پھپھو! گاڑی میں بیٹھنے تک نہیں دیا آپ نے کتنی ظالم ہیں''۔ وہ چارپائی سے اٹھتے ہوئے خفگی سے بولی تو صبا بغیر جواب دیئے چادر ٹھیک کرنے لگیں وہ جانتی تھیں کہ صلہ کے خواب کس نوعیت کے ہوتے ہیں۔

''ہائے کاش! کبھی میرے پاس سچ میں وہ ڈریس اور جیولری آ جائے کیا بتاؤں پھپھو' اتنا پیارا ڈریس تھا اور وہ گاڑی..... وہ خوبصورت پرنس آہا' کب میرے خوابوں کی تعمیر کا وقت آئے گا اور میرے خواب حقیقت میں بدلیں گے''۔ صلہ تکیے کو

بازووں میں دبائے خواب کے زیر اثر کھوئی کھوئی سی پھر چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''صلہ! خواب ضرور دیکھو مگر بیٹا..... تعبیر کی تمنا مت کرو کیونکہ اس سے صرف ہاتھ زخمی ہوں گے اور سوائے خوابوں کی کرچیوں کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا''۔ صبا پھپھو نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اسے سمجھایا۔

''آپ ایسے کیسے کہہ سکتی ہیں پھپھو.....؟''

''کیونکہ میں نے بھی ایک عرصہ اس دشت لاحاصل میں اپنے ہاتھ زخمی کئے ہیں' خواب صرف خواب ہوتے ہیں' ان خوابوں کے حقیقت ہونے کی خواہش سراسر حماقت ہے' اب کوئی شہزادے نہیں ہوتے صلہ' اور جو شہزادوں جیسے ہوں بھی تو وہ ان چھوٹے گھروں' تنگ گلیوں اور غریب محلوں کا رخ نہیں کرتے' بھلا کبھی مخمل میں بھی ٹاٹ کا پیوند لگا ہے اور اگر کہیں غلطی سے لگا بھی تو بے وقعت ہی رہا' کبھی اپنا اصل نہ بدل سکا اور مخمل کی ہم نشینی کے باوجود بھی وہ ہمیشہ ٹھوکروں کی زد میں ہی رہا' اس لئے بیٹا شہزادوں کا منتظر رہنا چھوڑ دو''۔ صبا صلہ کا ہاتھ تھامے بول رہی تھی اور صلہ حیران پریشان صبا پھپھو کا افسردہ چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''مگر پھپھو! خوابوں پہ ہمارا اختیار تو نہیں ہے نا' ہم چاہیں نا چاہیں' خواب تو آ ہی جاتے ہیں اور ان کے سچ ہونے کی تمنا تو ہر کوئی کرتا ہے''۔

''ہاں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم بظاہر تو خواب کی تعبیر کی تمنا نہ کرنے کا عزم کر کے دل کو بہلا لیتے ہیں اور سختی سے ڈپٹ دیتے ہیں لیکن دل کے کسی تاریک گوشے میں ایک آس باقی رہ جاتی ہے ایک حسرت جو تعبیر کی تمنا چاہتی ہے اور دل میں سلگتی رہتی ہے''۔ پھپھو نے چہرہ پھیرتے ہوئے آنکھوں کی نمی کو صاف کیا۔

''صبا' صلہ' آ جاؤ بیٹا' دیر ہو رہی ہے''۔ ماں کی آواز پر دونوں چونکیں' صبا فوراً اٹھ کر باہر نکل گئی جبکہ صلہ وہیں بیٹھی اپنے خواب کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆☆☆☆

صبا اسپتال سے واپس آئی تو صلہ کالج سے آ چکی تھی' صبا ڈاکٹر تھی۔

''بھابی! کوئی آیا تھا کیا.....؟'' صبا نے کچن میں نئے برتن دھلے ہوئے دیکھ کر بے اختیار پوچھا۔

''ہاں صبا! گاؤں سے بھابی آئی تھیں' حنا اور مراد کے ساتھ' حنا کی شادی کا دعوت نامہ لے کے''۔ بھابی نے جوش و خروش سے بتایا۔

''ثروت بھابی آئی تھیں' مجھے یقین نہیں آ رہا''۔ صبا حیران ہوئی۔

''اور پتا ہے صبا' بھابی چاہتی ہیں کہ ہم سب واپس حویلی آ جائیں سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے' ہم سب مل کر رہیں' انہوں نے تیمور کے لئے صلہ کا ہاتھ مانگا ہے''۔

''کیا.....؟ صلہ اور تیمور کا رشتہ بھابی صلہ نہیں مانے گی اس رشتے پر' ویسے بھی تب میں اور اب میں بہت فرق ہے' سب پہلے جیسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا چھ سال تھوڑا عرصہ نہیں ہوتا' انسان بدل جاتے ہیں' عادتیں بدل جاتی ہیں' ہم وہاں کیسے جا سکتے ہیں؟'' صبا پریشان ہی تو ہو گئی تھی شہر کے ماحول میں سیٹ ہونے کے بعد اب واپس گاؤں جانے کا سوچنا ہی دشوار کن تھا کجا کہ وہاں جا کے رہنا۔

''میری نوکری' صلہ کی اسٹڈیز' اور پھر صلہ کی مرضی''۔ وہ متفکر سی اٹھ کے اپنے اور صلہ کے مشترکہ کمرے میں آ گئی جہاں صلہ یونیفارم بدلنے کے بعد اب اپنی چیزیں سنبھال رہی تھی' صبا کو آتا دیکھ کر وہ فوراً اپنا بیگ لے کر اس کے پاس آئی۔

''پھپھو! یہ دیکھیں میرا گفٹ''۔ صلہ نے اپنے کالج بیگ سے گلابی لمبی ڈبیا نکالی۔

''یہ کیا ہے.....؟'' ڈبیا دیکھ کر اندر موجود چیز کی قیمت کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا' صبا پریشان ہوئی۔

''کھولیں تو سہی''۔ صلہ جوش سے بولی' صبا نے ڈبیا کھولی تو اندر پنک ہارٹ شیپ ڈائل والی چمکتی ہوئی خوبصورت سی گھڑی تھی' اس کے ساتھ مختلف ڈیزائنز اور کلرز کی چین بھی تھی کہ جب چاہیں گھڑی کی چین تبدیل کر سکتے ہیں۔

''یہ..... یہ اتنا مہنگا تحفہ کس نے دیا ہے.....؟'' صبا نے بے چینی و پریشانی سے پوچھا۔

''یہ میری فرینڈ طوبیٰ نے دیا ہے پھپھو' میری برتھ ڈے کا تحفہ''۔ صلہ نے خوشی و فخر سے بتایا۔

''مگر یہ اتنی مہنگی..... برینڈڈ گھڑی..... تمہیں نہیں لینی چاہئے تھی صلہ''۔

''تو کیا ہوا پھپھو! اس کے لئے تو یہ معمولی سا تحفہ ہے' چند ہزار کی کوئی خاص ویلیو نہیں ہے اس کی نظر میں یو نو پھپھو وہ ہماری طرح دو کمروں کے ڈربے میں نہیں رہتی' ہمارے ان دونوں کمروں کے سائز کا تو صرف ان کا کچن ہے' اس کے پاپا اتنے بڑے بزنس مین ہیں باہر کے ملکوں میں بھی ان کا بزنس پھیلا ہوا ہے اس کے بھائی کی دو اپنی فیکٹریاں ہیں' جتنی آپ کے مہینے کی تنخواہ ہے نا اتنی تو صرف اس کی مہینے کی پاکٹ منی ہے' کاش پھپھو میں بھی کسی ایسی فیملی میں پیدا ہوئی ہوتی یا کم از کم ایسی کسی فیملی میں میری شادی.....''

''اب بس بھی کرو صلہ کیا ہو گیا ہے تمہیں کتنی عجیب باتیں کر رہی ہو تم..... کوئی سن لے تو کیا سوچے گا' اٹھاؤ اسے بیگ میں رکھو اور کل اپنی فرینڈ کو واپس کر دو کہ تم اتنا مہنگا گفٹ نہیں رکھ سکتیں' آئی سمجھ''۔ صبا نے خفگی سے کہتے ہوئے اسے ڈپٹا۔

''مگر پھپھو! اس نے خود مجھے دیا ہے اور.....''

''بس وہی کرنا جو میں نے کہا ہے اب رکھو اسے اندر اور آ جاؤ' کھانا تیار ہے''۔ صبا دو ٹوک الفاظ میں کہتی کمرے سے نکل آئی پیچھے صلہ خود کو کوسنے لگی کہ۔

''آخر کیا تک تھی پھپھو کو دکھانے کی' نہ دکھاتی تو کم از کم یوں بے عزتی تو نہ ہوتی۔

☆☆☆☆

پچھلے کچھ دنوں سے صلہ کافی خوش رہنے لگی تھی' اکثر گنگناتی رہتی' صبا نے یہ سب نوٹ کیا' صلہ صبح دل لگا کے تیار ہوتی' باقاعدگی سے کالج جاتی' اب تو اکثر اس کو وہ فرینڈ گھر ڈراپ کرنے لگی تھی' صبا کی تشویش اس گفٹ کے بعد بڑھ گئی' ایسے میں تائی کی آمد اور رشتے کی خبر نے تو اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی' اس نے اماں پھپھو اور بھابی کے سامنے خوب واویلا مچایا اماں کے استفسار پر اس نے تیمور کے دیہاتی اور ان پڑھ ہونے کا جواز پیش کیا جس کو اماں نے کسی خاطر میں نہ لایا اور ڈانٹ ڈپٹ کر چلی گئیں جبکہ صبا کو صلہ کے جواز سے کچھ خاص تسلی نہ ہوئی۔

''بھابی! کیا سوچا ہے آپ نے؟'' کچھ دن بعد صبا نے کھانے کے دوران بھابی سے سوال کیا۔

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم لوگ واپس حویلی جائیں گے''۔ جواباً اماں نے اپنا فیصلہ سنایا تو صلہ سے کھانا کھانا مشکل ہو گیا۔

''مگر اماں! ہم سب کیسے جا سکتے ہیں؟ صبا اور میری جاب' صلہ اور بچوں کی پڑھائی.....؟'' اکبر نے پریشانی سے کہا تو صلہ کی جان میں جان آئی۔

''مگر بیٹا! ہم انکار کر کے بھابی کو پھر سے ناراض بھی تو نہیں کر سکتے نا' ان کی پیش قدمی کو ہمیں خوشی سے قبول کرنا ہے''۔

''وہ تو ٹھیک ہے اماں' پر ہم سب کی اپنی اپنی مصروفیات ہیں' حنا کی شادی کے لئے تو سب چلے جائیں گے مگر مستقل وہاں رہنا مشکل ہو جائے گا''۔ اکبر بھائی نے اپنی طرف سے حل پیش کیا تو اماں سوچ میں پڑ گئیں۔

''تو پھر میں اور تمہارے ابا چلے جائیں گے تم لوگ چھٹی پہ آجایا کرنا آپ کا کیا خیال ہے؟'' اماں نے ابا سے پوچھا تو وہ مسکرائے۔

''خیال تو اچھا ہے بیگم مگر بچوں کے بغیر رہ لو گی؟'' ابا نے پوچھا۔

''یہ چھٹی والے روز آیا کریں گے نا ہے نا اکبر؟'' اماں نے اکبر سے تائید چاہی تو سب مسکرائے سوائے صلہ کے۔

''آپ فکر ہی نہ کریں بھابی میں خود ہر ہفتے کو سب کو گاؤں لایا کروں گی اتوار کا پورا دن سب آپ کے ساتھ گزاریں گے''۔ صبا نے بھابی کو تسلی دی۔

''ہاں اور ویسے بھی جلدی صلہ شادی کے بعد وہاں آجائے گی مجھے زیادہ فکر تو اسی کی رہتی ہے وہاں بھی میری بچی میری نظروں کے سامنے ہوگی''۔ اماں خوشی سے بتا رہی تھیں' صلہ غصے سے کھانا چھوڑ کر کمرے میں چلی آئی' بھائی اور ابا نے حیرت سے اسے جاتے دیکھا۔

''شرما گئی ہے نا''۔ بھابی نے فوراً بات بنائی تو سب کھانے کی طرف متوجہ ہوگئے۔

☆☆☆☆

صلہ کے رویئے نے صبا کے شک کو یقین کی جڑ دے دی اس نے صلہ سے بات کرنے کا سوچا' صبا کے پوچھنے کی دیر تھی کہ وہ پھٹ پڑی۔

''پھپھو آپ سمجھائیں نا اماں کو ہم لوگ واپس جانے کے لئے تو شہر نہیں آئے تھے نا' اتنے سال یہاں گزار کے اب واپس اس گھٹن زدہ ماحول میں جانے کی بھلا کیا ضرورت ہے''۔ صلہ جز بز ہو رہی تھی۔

''ہمارا اصل تو وہی ہے نا صلہ اور زیادہ وقت تو ہمارا وہیں گزرا ہے ہمیں بھلا کیا مشکل ہوگی وہاں جانے میں' رہی بات گھٹن کی تو تم اگر نیگیٹیو سوچو گی تو تمہیں سب کچھ نیگیٹیو اور برا ہی لگے گا نا''۔

''جو بھی ہے میں نہ واپس جاؤں گی نہ ہی اس' اس جاہل دیہاتی سے شادی کروں گی چاہے جو مرضی ہو جائے''۔ صلہ کے ضدی انداز پر صبا ٹھٹکی ایسا ہی انکار کچھ سال پہلے بھی ہوا تھا اور اس کے پیچھے وجہ بھی تھی۔

''دیکھو صلہ! ہم اتنے ٹائم سے ان لوگوں سے نہیں ملے ہم لوگ چینج ہوئے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ بھی چینج ہوئے ہوں ہم خود سے تو کچھ بھی فرض نہیں کر سکتے''۔

''پھپھو پلیز! میں نے نہیں جانا وہاں اس گھر میں جہاں سب میری بات نہیں مانتے ہیں' یہاں میرا اب دم گھٹنے لگا ہے تو وہاں تو بالکل اجنبی ہیں سب' وہ سالوں پرانا کھنڈر میں مر جاؤں گی پھپھو وہاں' ان جاہل دیہاتیوں میں''۔

''دیکھو صلہ! تیمور کا کم تعلیم یافتہ اور دیہاتی ہونا کوئی اتنا بڑا ایشو تو نہیں ہے صلہ اور نہ ہی یہ انکار کا کوئی ویلڈ ریزن ہے تم یہ بھی تو دیکھو وہ ہم سب کا دیکھا بھالا ہے تم بچپن سے اسے جانتی ہو' اس کی عادتیں' اس کا اخلاق اور کردار کچھ بھی تو قابل اعتراض نہیں''۔

''آپ نے بھی انہی ریزنس کو ایشو بنا کر مراد انکل کا پرپوزل ریجیکٹ کیا تھا' پھر آپ کو میرے انکار پر اعتراض کیوں ہے''۔ اس نے صبا کی بات کاٹتے ہوئے طنز کیا تو وہ ساکت ہوگئی اپنی زندگی کی تلخ سچائی' اپنا تاریک ماضی صلہ کے منہ سے سننے کی اسے کبھی توقع نہ تھی۔

''تم..... تم یہ سب کیسے.....؟''

''میں بھی اسی گھر میں رہتی ہوں پھپھو ارد گرد کیا ہو رہا ہے سب سے اچھی طرح واقف ہوں سو پلیز آپ نے اپنی زندگی کا فیصلہ اپنی خوشی سے کیا تو پھر میں کیوں یہ فیصلہ نہیں کر سکتی''۔

''میں نے اپنی خوشی کی تلاش میں اپنوں کو خود سے دور کر کے ناردار راہ کا انتخاب کیا تھا صلہ' اپنے اس

فیصلے کے ہاتھوں میں نے جو زخم اٹھائے ہیں میں نہیں چاہتی کہ تم بھی ان زخموں کا نشانہ بنو' میں نے اپنی زندگی کے قیمتی پل کھو کر عمر بھر کے پچھتاوؤں کو اپنے دامن میں سمیٹا ہے مگر اب ایک اور صبا کو پچھتاوؤں کا شکار بنتا نہیں دیکھ سکتی بیٹا' ابھی بھی وقت ہے''۔ صبا نے پر امید نظروں سے صلہ کو دیکھا جو سپاٹ انداز میں بیٹھی اس کی باتیں سن رہی تھی' صبا کو لگا جیسے وہ اس کی باتوں کو سمجھ رہی ہے اور اپنی غلطی تسلیم کرے گی مگر.....

''پلیز پھپھو! میں یہاں ہی رہوں گی آپ کے ساتھ بھیا بھابی کے ساتھ' جا کے بتا دیں سب کو میں نے اس جنگل میں جانے کے لئے تعلیم حاصل نہیں کی کہ پڑھ لکھ کر ان کے چولہوں میں پھونکیں ماروں''۔ صبا خاموشی سے اسے دیکھ اور سن رہی تھی وہ تو بالکل اسی پر گئی تھی۔

''میں نے ہمیشہ بڑے گھر' آزاد فضا' پریشانیوں سے دور پر آسائش زندگی اور پڑھے لکھے امیر لائف پارٹنر کے خواب دیکھے ہیں' اور اب جب میرے خوابوں کی تعبیر کا وقت قریب آیا ہے تو آپ لوگ مجھے اس قید خانے میں گھٹ گھٹ کے مرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہتے ہیں''۔ صلہ نے صبا کو خاموش پا کے شکوہ کیا تو خیالوں میں ڈوبی صبا اس کے آخری جملے پر چونکی۔

''کیسی تعبیر..... کس کی بات کر رہی ہو صلہ.....؟'' صبا نے اسے کندھوں سے تھاما۔

''پھپھو..... وہ..... وہ میری فرینڈ طوبیٰ..... طوبیٰ کا بھا.....'' صبا کے ہاتھ ڈھیلے ہو کر اس کے پہلو میں گر گئے۔

''پھپھو! وہ بہت اچھی لڑکی ہے' میں نے آپ کو بتایا تھا' وہ لوگ اتنے امیر ہیں اپنا بزنس' فیکٹریاں' گاڑیاں' نوکر''۔

''کیسے جانتی ہو تم اس لڑکے کو.....؟'' صبا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے درشتگی سے سوال کیا تو ایک پل کے لئے صلہ کنگ ہوگئی۔

''وہ طوبیٰ کو پک اینڈ ڈراپ کرتے ہیں' طوبیٰ نے ہی مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے مجھے وہ گفٹ بھیجا تھا طوبیٰ کے ہاتھ' میں ملنے کے لئے بھی طوبیٰ کے ساتھ ہی گئی تھی' پھپھو وہ آج کل میں اپنی مما سے بات کرنے والے ہیں''۔ صلہ نے اٹک اٹک کے سادگی سے سب کچھ بتایا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے اس کے گھر والے مان جائیں گے؟'' صبا نے سپاٹ انداز میں پوچھا تو صلہ نے اپنی انگلیاں مروڑیں۔

''پھپھو وہ کہہ رہے تھے کہ وہ پوری کوشش کریں گے..... گھر چھوڑنے اور خودکشی کی دھمکی بھی''۔

''اگر تب بھی نہ مانے تو.....؟'' صبا نے سنجیدگی سے دوبارہ اس کی بات کاٹی۔

''پھر کیا کرو گے تم لوگ صلہ.....؟'' صبا کے دو ٹوک سوال پر صلہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''وہ..... وہ منا لیں گے سب کو..... وہ بہت اچھے ہیں پھپھو..... اتنی دولت مند فیملی کے اکلوتے وارث' ان کی فیملی کیسے انہیں''۔

''دولت خوشیوں کی گارنٹی نہیں ہوتی صلہ! اور ویسے بھی بڑے گھر والوں کے دل اکثر بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور.....'' دروازے پر کھٹکا ہوا تو دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا دروازے کا سہارا لئے بمشکل کھڑی اماں کی آنکھوں میں دکھ اور بے یقینی کے تاثرات تھے' صلہ نے گھبرا کر صبا کی طرف دیکھا پھر اماں کی طرف جو کرب سے اسے دیکھتے ہوئے بے دم ہوگئی تھیں۔

☆☆☆☆

اماں کا بی پی بہت لو ہو گیا تھا' صبا انہیں فوراً اسپتال لے گئی' گھر میں کسی کو پتا نہیں تھا جب اماں کو ہوش آیا تو وہ رونے لگیں۔

''بھابی! مت روئیں پلیز سب ٹھیک ہو جائے گا''۔ صبا نے انہیں تسلی دی مگر وہ روتی رہیں۔

''سب ختم ہو گیا صبا! سب ختم' میں ایک بار پھر ذلت اور طعنے برداشت نہیں کر سکتی میں یہ سب نہیں برداشت کر سکتی صبا''۔ وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دیں۔

''سب میری غلطی ہے' میری تربیت میں ہی کوئی کمی رہ گئی ہے جو پہلے تم اور اب صلہ بھی''۔ صبا انہیں اب کہاں چپ کرواتی' وہ تو خود بھی بھابی سے نظریں ملانے کی ہمت ہی نہیں کر پا رہی تھی۔

''ثروت بھابی کیا سوچیں گی! کہ ہم نے اپنی بیٹیوں کو اس لئے تعلیم دلوائی کہ وہ اپنے لئے رشتے خود ہی تلاش کر لیں' کیا عزت رہ جائے گی' خاندان میں میری میں پھر سے طعنے نہیں سننا چاہتی اس سے تو بہتر ہے کہ میں مر ہی جاؤں''۔ بھابی روتے ہوئے بول رہی تھیں اور صبا کو لگا جیسے کسی نے اسے تپتے صحرا میں ننگے پیر کھڑا کر دیا ہو۔

''کاش میں وقت کو واپس لے جا سکتی''۔ صبا نم آنکھوں کے ساتھ سوچ رہی تھی' وقت گزر جانے کے بعد ایسے ہی پچھتاوے کے ناگ ہر پل ڈستے ہیں۔

☆☆☆☆

صبا دو بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی' بھائیوں کی طرح بھابیاں بھی اس سے بہت پیار کرتی تھیں' لہٰذا سب کی لاڈلی ہونے کے ناطے وہ ہر بات منواتی' اپنی مرضی کرتی' وہ لوگ گاؤں میں اپنی خاندانی حویلی میں رہتے تھے جو دونوں بھائیوں کو ورثے میں ملی تھی' ان کے دادا کی یہ حویلی جو کبھی گاؤں کی بڑی خوبصورت اور بارعب عمارت تھی اب تو وہ اپنی تمام خوبصورتی کھو چکی تھی' دونوں بھائیوں کے دو دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی' مالی حالات بہت اچھے نہیں تھے مگر تین وقت کا گزارہ محنت و مشقت سے اچھے طریقے سے ہو رہا تھا' صبا نے گاؤں سے میٹرک کرنے کے بعد شہر جا کے پڑھنے کی خواہش کی تو ابا نے لاڈلی کی بات مان لی' بڑے بیٹے بہو نے اعتراض کیا کہ لڑکی ذات کو اتنا پڑھانے کا کیا فائدہ وہ بھی اکیلے شہر بھیج کے' مگر ابا اور چھوٹے بھائی نے کسی اعتراض کی پرواہ کئے بغیر لاڈلی کی خواہش کے پیش نظر اس کا شہر کے کالج میں ایڈمیشن کروا دیا' صبا کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اس کے باپ اور بھائی کی زندگی کس قدر دشوار ہو گئی اس بات کا اس کو ذرا بھی اندازہ نہ تھا اس پہ تو صرف پڑھنے کی دھن سوار تھی' بھائی جو کہ شہر میں ڈرائیور تھا ایک کوٹھی کے مالک کا' اس مالک نے اپنے سرونٹ کوارٹر میں اسے رہنے کی جگہ دی ہوئی تھی لہٰذا بھائی نے اسے ہوسٹل کی بجائے اپنے ساتھ ہی کوارٹر میں رکھ لیا۔

ڈرائیونگ کے ساتھ وہ ہر ممکن چھوٹے موٹے کام کرنے کی کوشش کرتا تا کہ اضافی آمدن ہو سکے' اپنے خرچ کم کر کے صبا کے لئے سب پیسے جمع کرتے بھائی کے بچے بھی پڑھ رہے تھے' الغرض کہ وہ ان کی زندگی کا ایک کٹھن دور تھا' صبا نے جب ایف ایس سی کیا تو ان دنوں بھائی کو ایک دوست کے توسط سے ایک فیکٹری میں ملازمت مل گئی جس سے صبا کا آگے ایم بی بی ایس شروع ہو گیا' کوٹھی کا مالک ایک نیک دل انسان تھا اس نے بغیر کسی اعتراض کے صبا کے بھائی کو کوارٹر میں رہنے دیا' مالک کا بھتیجا عاصم جو کبھی کبھار چچا سے ملنے آیا کرتا تھا' اب روز آنے لگا صبا کو دیکھ کر مسکراتا بات چیت کی کوشش کرتا' صبا کو وہ ویل ڈریس خوش شکل نوجوان افسانوں کے ہیرو جیسا' اپنے خوابوں کا شہزادہ لگا' جلد ہی اس شہزادے نے صبا کو اپنے دل کی سلطنت کی شہزادی بنا لیا' صبا کے بھتیجے کو ایم اے اکنامکس کے بعد نوکری ملی تو ساتھ میں فلیٹ بھی ملا یہ دونوں بھی کوارٹر چھوڑ کے فلیٹ میں شفٹ ہو گئے۔ اسی دوران ثروت بھابی نے صبا کے لئے اپنے اکلوتے بھائی مراد کا رشتہ دیا مگر صبا نے انکار کر دیا کہ میں ان کے آٹھویں پاس جاہل دیہاتی

بھائی سے ہرگز شادی نہیں کروں گی' حالانکہ مراد گاؤں میں زمیندار تھا' اس کے ذاتی پھلوں کے باغ تھے بس وہ بچپن میں ہونے والے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے تھوڑا سا لنگڑا کے چلتا تھا اس لئے 26 سال کا ہو کے بھی کنوارہ تھا۔

صبا کے دل و دماغ پہ دولت کی پٹی چڑھی تھی امیر پڑھے لکھے لڑکے کے وقتی عشق کا بھوت سوار تھا اس لئے اسے مراد کی سیرت و کردار کی دولت دکھائی ہی نہ دی انہی دنوں یکے بعد دیگرے اس کے ابا پھر بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا۔

عاصم نے اپنے گھر والوں سے کیا بات کی' کیسے کی' کیا کہا' کوئی دھمکی دی کہ ضد کی مگر صبا صرف اتنا جانتی تھی کہ عاصم کے گھر والے مان ہی گئے' صبا تو تھی ہی سب کی لاڈلی ابا اور بڑے بھائی کے بعد چھوٹے بھائی کو اس کی بہت زیادہ فکر رہنے لگی اس لئے تھوڑے اعتراض کے بعد ان کی طرف سے بھی ہاں ہو گئی اور یوں صبا شہزادی بن کر اپنے خوابوں کے محل میں آ گئی' بھابی نے پچھلے انکار کو بھلا کر اپنی اکلوتی بیٹی حنا کے لئے اکبر کی بات کی تو یہاں بھی صبا آڑے آ گئی کہ حنا تو اکبر سے بڑی ہے وہ یہ بے جوڑ شادی نہیں ہونے دے گی' ثروت بھابی جو بمشکل پچھلے انکار کو بھولیں تھیں اس اعتراض پر غصے سے ناراض ہو گئیں' اور ان سب سے قطع تعلق کر لیا حویلی میں دونوں بھائیوں کے الگ الگ حصے تھے بھابی نہ خود اس طرف آتیں نہ ہی بچیوں کو آنے دیتیں اس وقت اکبر سے چھوٹی صلہ نے آٹھویں کا امتحان دیا تھا اور اس سے چھوٹا اصغر 6 کلاس میں تھا۔ اکبر اماں' صلہ اور اصغر کو بھی شہر لے آیا' شہر میں جلد ہی اماں نے اکبر کی شادی اس کے دوست کی بہن سے کر دی جو کہ انہی کے ہم پلہ تھی۔

☆☆☆☆

خوابوں کے محل میں آ کے صبا کو اندازہ ہوا کہ بڑے گھروں میں رہنے والوں کے دل کس قدر چھوٹے ہوتے ہیں وہ لوگ صرف ظاہری طور پر راضی تھے دل سے کسی نے بھی اسے تسلیم نہ کیا تھا' ان کے لئے صبا گاؤں کی ایک لوئر کلاس کی لڑکی تھی جس نے اداؤں سے ان کے امیر بیٹے کو پھانس لیا تھا' اپنے خوابوں کے محل میں اپنی من چاہی زندگی میں صبا نے ایک دن بھی سکون کا نہ گزارا۔ اب اسے احساس ہوا کہ بھابی کو دبا دبا اعتراض کیوں تھا' وہ اپنے ہی خوابوں کے جال میں اتنا الجھ گئی کہ اسے پتہ ہی نہ چلا اور اس کے شہزادے کو اس سے بدگمان کر کے اس سے دور کر دیا گیا یوں تین مہینوں کی شادی شدہ نام نہاد آسائیشوں سے پر زندگی گزار کے وہ غریب لڑکی واپس اپنے دو کمروں کے گھر میں آ گئی' ان تین مہینوں میں صبا نے یہ تلخ بات جان لی تھی کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی' اس کے خوابوں کی تعبیر تو صرف سراب تھے جس کے پیچھے بھاگ کر وہ خود کو زخمی کر چکی تھی اس مشکل وقت میں اس کی چھوٹی بھابی' بھائی' بھتیجے اور اس کی بیوی نے سہارا دیا اور دوبارہ زندگی کی طرف لائے' صبا کی طلاق سے کچھ ہی دن پہلے اکبر نے ابا کی نوکری چھڑائی تھی کہ اب وہ آرام کریں۔ اب گھر کا سارا خرچ صرف اکبر کی تنخواہ پر چل رہا تھا' صبا نے محسوس کیا کہ اکبر پہ بہت بوجھ ہے وہ لوگ کس قدر مشکل سے گھر کا خرچ چلا رہے ہیں بچوں کی پڑھائی کا بھی خرچ' صبا نے فیصلہ کیا کہ اس کے بھائی نے اس پہ جو محنت کی ہے اپنی زندگی کی محنت لگائی ہے اب اس کے لوٹانے کا وقت آ گیا ہے لہٰذا اس نے نوکری تلاش کی' وقت نے اس کا ساتھ دیا اور جلد ہی قریبی اسپتال میں اسے جاب مل گئی اس دوران ان کا گاؤں والوں سے کوئی رابطہ نہ تھا' شروع میں ایک دو بار ان کی طرف سے رابطے کی' صلح کی کوشش کی گئی مگر بے سود۔

اب جب گھر کا سارا خرچ صبا اور اکبر مل کے اٹھا

رہے تھے تو مالی حالات میں بہت زیادہ تو نہیں مگر خاطر خواہ بہتری آ گئی تھی صلہ بی اے جبکہ اصغر ایف ایس سی کر رہا تھا چھوٹی بھابی کی بڑی خواہش تھی کہ صبا کی کسی اچھی جگہ شادی ہو جائے مگر صبا ہنوز اپنے انکار پر ڈٹی ہوئی ہے' آگے سے صلہ بھی صبا کی طرح خوابوں کی دنیا کی مکین ہے' صبا کو صلہ کے خواب پریشان کئے رکھتے تھے کیونکہ صبا کو اس میں اپنا عکس دکھائی دیتا تھا ایسے میں بڑی بھابی کی صلح کی پیش قدمی اور صلہ کا رشتہ' صبا کے لئے بیک وقت خوشی اور پریشانی کا باعث تھا کیونکہ صلہ کی خواہشات' اس کی ترجیحات میں گاؤں کہیں بھی نہیں تھی تو کیا ایک بار پھر بڑی بھابی خالی ہاتھ لوٹیں گی کیوں کہ ایک اور صبا اپنے خوابوں کے شہزادے کے انتظار میں ایک دیہاتی کو انکار کر چکی تھی۔

☆☆☆☆

''کیا بات ہے صلہ! تم آج کچھ چپ چپ ہو' طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری طوبیٰ کلاس کے بعد صلہ کے پاس آئی تو اسے گم صم بیٹھے دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

''گھر میں کوئی پرابلم ہے کیا.....؟'' طوبیٰ نے اس کی خاموشی پر اس کا ہاتھ تھام کر پوچھا تو اس کا دل بھر آیا۔

''طوبیٰ! اماں میری شادی کر رہی ہیں' وہ چاہتی ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ گاؤں چلی جاؤں''۔ اس نے نم لہجے میں بتایا۔

''تو تم ان کو انکار کر دو نا یار''۔ اپنی طرف سے اس نے آسان حل پیش کیا۔

''بہت کیا ہے مگر کوئی میری سنے بھی تو.....اماں کا بس چلے تو کل ہی میرا نکاح پڑھوا دیں''۔ وہ سر پکڑے بیٹھی تھی۔

''ڈونٹ وری صلہ! میں بھائی سے بات کرتی ہوں' اوکے' تم ٹینشن مت لو' سب ٹھیک ہو جائے گا''۔ طوبیٰ نے اسے حوصلہ دیا' وہ ایسی ہی تھی ہر ایک کا خیال کرنے والی۔

''طوبیٰ! انہیں بولنا کہ وقت بہت تھوڑا ہے' جلدی کچھ کریں''۔ صلہ نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے اس کے ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے دلاسہ دیا' صلہ کچھ دیر کے لئے مطمئن ہو گئی۔

☆☆☆☆

صلہ گھر آئی تو اماں اور بھابی گھر پہ نہیں تھیں' گھر کی ایک چابی چونکہ صلہ کے پاس کالج بیگ میں موجود ہوتی تھی' اس لئے اس نے دروازہ کھولا اور اندر آ گئی' اسے یاد آیا کہ رات کو بھابی نے ساتھ والی گلی میں ہونے والی فوتگی کے بارے میں بتایا تھا۔

''پتہ نہیں کس وقت آئیں گی''۔ وہ نہا کے کپڑے بدل کے فارغ ہوئی تو ٹائم دیکھ کے بڑبڑائی''۔ خالی گھر سے اسے وحشت ہوتی تھی۔

''میں اتنے میں نماز پڑھ لیتی ہوں''۔ وہ خود سے کہتی واش روم کی طرف بڑھی تھی کہ دروازے پر بیل ہوئی۔

''شکر ہے آ گئی ہیں''۔ وہ تیزی سے باہر نکلی اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا مگر سامنے سفید شلوار قمیض اور براؤن واسکٹ میں ملبوس نوجوان کو کھڑا دیکھ کر گھبرا گئی فوراً دوپٹہ سر پر ڈالا۔

''السلام علیکم! یہ چاچا فضل الدین کا گھر ہے''۔ نوجوان نے دروازے سے سائیڈ پہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''جی..... آپ کون.....؟'' صلہ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر نارمل ہوتے ہوئے اجنبی سے پوچھا۔

''جی میں گاؤں سے آیا ہوں' تیمور کمال الدین''۔ اس کے مکمل تعارف پہ صلہ نے چونک کے اسے دیکھا' کتنا ڈیسنٹ لہجہ تھا اس کا چھ سال میں وہ کتنا تبدیل ہو گیا تھا' صلہ تو اسے پہچان ہی نہ سکی تھی وہ تو کہیں سے بھی گاؤں کا ان پڑھ نہیں لگ رہا تھا۔

''جی.....ابا تو گھر پہ نہیں ہیں''۔ صلہ نے بتایا۔

''اور چاچی جی.....؟''

''اماں اور بھابی ساتھ والی گلی میں فوتگی پر گئی ہیں' تھوڑی دیر میں آ جائیں گی''۔ صلہ کے بتانے پر وہ دروازے سے ہٹا۔

''پھر میں باہر ہی انتظار کر لیتا ہوں''۔ وہ شائستگی سے کہتا گاڑی کی طرف پلٹا تو وہ چونکی وہ گاڑی میں انتظار کرے گا' اتنی گرمی میں' اماں نے تو مجھے چھوڑنا نہیں ہے۔

''آ..... تیمور بھائی..... اندر آ جائیں' اماں آنے ہی والی ہوں گی۔

''کیوں میری بے عزتی کروانی ہے''۔ صلہ نے اسے پکارا۔ آخری جملہ دل میں بولا۔ صلہ کے انداز مخاطب پہ اس کے لب دھیما سا مسکرائے پھر وہ سنجیدگی سے ''جی اچھا''۔ کہتا اس کے پیچھے اندر داخل ہوا' وہ اسے وہیں چھوڑ کر خود کچن گئی تو وہ خود ہی آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''یہ لیں''۔ وہ ارد گرد کا جائزہ لے رہا تھا' جب صلہ نے شربت کا گلاس لا کے اس کے سامنے رکھا' تیمور نے شکریہ کہہ کر گلاس اٹھا لیا۔ اندر آتے ہی صلہ کو خیال آیا کہ اس نے کھانا سبی کھانا ہو گا' اس لئے فوراً فریج سے سالن نکال کے گرم کیا' دو روٹیاں پکائیں اور لا کے کھانا اس کے سامنے رکھ دیا' وہ جوٹی دیکھ رہا تھا چونکا وہ کھانا رکھ کے واپس پلٹ رہی تھی۔

''بڑی سگھڑ ہے''۔ تیمور نے دل میں سوچا۔ صلہ نے خود کچن میں ہی کھانا کھایا اور فوراً رات کے لئے ہانڈی چڑھائی۔

''تو لیا دے مینو گولڈن جھمکے
میں کنان وچ پالاں چوم چوم کے''

صلہ گنگناتے ہوئے ہانڈی میں ڈوئی چلا رہی تھی جب وہ برتن اٹھائے کچن میں داخل ہوتے ہوئے اس کی آواز پر ٹھٹک کر رکا' ٹرے سے گلاس گرتے گرتے بچا' برتنوں کی آواز پہ وہ خاموش ہوئی اور فوراً ہی مڑی تو تیمور کو کھڑا دیکھ کر سٹپٹا گئی اسے کام کے دوران گنگنانے کی جو عادت تھی اسے خیال ہی نہ رہا کہ باہر تیمور بیٹھا ہوا ہے۔

''وہ..... میں..... یہ برتن رکھنے آیا تھا''۔ تیمور نے فوراً وضاحت کی اور ٹرے شیلف پہ رکھ کر جلدی سے باہر نکل گیا جبکہ پیچھے صلہ نے حجالت سے اپنے سر پہ ہاتھ مارا' اسے سخت شرمندگی ہو رہی تھی کہ پتہ نہیں تیمور بھائی کیا سوچ رہے ہوں گے میرے بارے میں۔

''اماں! تھوڑی دیر تک آنے ہی والی ہوں گی' میں اتنے میں نماز پڑھ لوں' ٹائم تھوڑا رہ گیا ہے''۔ ہانڈی بنا کر کے صلہ باہر آئی اور تیمور کی طرف دیکھے بغیر اسے بتا کر اندر چلی آئی' تیمور نے ایک نظر صلہ کو دیکھا پھر اپنے موبائل کی طرف متوجہ ہو گیا اتنے میں اچانک صلہ کی آواز آئی' وہ گھبرا کے اٹھتے ہوئے تیزی سے اندر کی طرف بڑھا اور سامنے سے آتی حواس باختہ سی صلہ سے ٹکرا گیا۔

''کیا ہوا صلہ.....؟'' تیمور نے پریشانی سے صلہ سے پوچھا جو صابن لگے چہرے اور اڑے اڑے حواسوں کے ساتھ لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔

''وہ..... وہ ادھر''۔ صلہ نے واش روم کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ہے وہاں.....؟'' تیمور کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اچانک اسے ہوا کیا ہے۔

''وہ..... لال..... لال.....'' بھاگ کر آنے سے اس کی سانس پھولی ہوئی تھی کچھ ڈر سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

''لال کیا..... لال بیگ''۔ تیمور نے حیرت سے پوچھا تو صلہ نے فوراً سر ہلایا۔

تیمور کو ہنسی آ گئی' دراصل صلہ منہ دھو رہی تھی

صابن لگانے کے بعد جب منہ دھونے کے لئے آنکھیں کھولیں تو صابن دانی کے پاس دو لال بیگ بیٹھے دیکھ کر بری طرح ڈر گئی تھی۔

''لال بیگ سے بھی کوئی ڈرتا ہے کیا صلہ؟'' تیمور نے مسکراتے ہوئے حیرت سے پوچھا تو صلہ نے اسے گھورا۔

''اگر آپ منہ دھو رہے ہوں اور آپ کے سامنے لال بیگ بیٹھا ہو تو آپ کو پتہ چلے کہ ڈر لگتا ہے کہ نہیں''۔ وہ خفگی سے بولی تو تیمور نے لب دبا کے ہنسی روکی اور اندر جا کے لال بیگ صاحبان کا قتل کر کے لاشیں صلہ کو دکھائیں مگر پھر بھی وہ اندر جانے پر آمادہ نہ ہوئی کہ کہیں اس کے جانے پر لال بیگ اٹھ کے اس کے سامنے نہ آ جائیں' تیمور دروازے میں کھڑا ہوا تو صلہ نے جلدی جلدی وضو کیا اور تیزی سے باہر نکل آئی۔ وہ نماز پڑھ رہی تھی جب بیل ہوئی' اماں آ گئی تھیں وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں تیمور رات وہیں رکا' صبح ناشتے کے بعد واپسی کے لئے روانہ ہوا' اماں اور بھابی اس کی تعریفیں کرتی نہ تھک رہی تھیں۔

☆☆☆☆

صلہ کالج میں طوبیٰ کی بے چینی سے منتظر تھی' جب طوبیٰ آئی تو اسے خالی کلاس میں لا کے موبائل پہ وکی سے بات کروائی' بات کرتے ہوئے صلہ کو عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

''صلہ! میں نے تو پوری کوشش کی ہے مگر مام ڈیڈ مانے ہی نہیں''۔ وکی بڑے آرام سے بتا رہا تھا۔

''تو پھر.....'' صلہ نے پریشانی سے پوچھا۔

''تو پھر..... ایک ہی راستہ ہے صلہ''۔ وکی نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو اس کا سارا وجود کان بن گیا۔

''وہ کیا.....؟''

''ہم کورٹ میرج کر لیں گے''۔ وکی نے اس کے فیصلے نے اس کی سماعتوں میں گویا بم پھوڑا۔

''کیا.....؟''

''ہاں کیونکہ اب یہی راستہ ہے ہمارے ایک ہونے کا سویٹی' کیونکہ تمہارے پیرنٹس تمہاری شادی کرنا چاہ رہے ہیں' تمہاری مرضی کے بغیر اور میرے پیرنٹس اس رشتے پہ راضی نہیں ہو رہے''۔ وکی نے اسے قائل کرنے کے لئے وضاحت دی۔

''آئی ڈونٹ تھنک سو صلہ کہ تمہارے پیرنٹس کو اس شادی پہ اعتراض ہوگا''۔ اسے وکی کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا۔

''کیا مطلب.....''

''مطلب یہ کہ سویٹی مجھ سا پڑھا لکھا' ویل آف' ہینڈسم داماد تو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا' کہاں مل سکتا ہے بیٹھے بٹھائے انہیں اتنا دولت مند داماد''۔ وکی کے الفاظ یہ صلہ کو لگا جیسے کسی نے سر بازار اس کے منہ پر کھینچ کے طمانچہ مار دیا ہو' اتنی ذلت وہ بھی اس کے منہ سے جسے صلہ نے دل کی مسند پر بٹھا رکھا تھا' بے اختیار کسی کا شائستہ لہجہ احترام جھکی نگاہیں اور متفکر انداز یاد آیا۔

''ہیلو صلہ..... کچھ تو بولو''۔ موبائل کے دوسری طرف وکی کی بے چین آواز ابھری' صلہ کے حلق میں گولا سا اٹک گیا۔

''یار! اب اور کوئی چوائس نہیں ہے ہمارے پاس ویسے بھی ایک بار نکاح ہو جائے تو پھر ہمارے پیرنٹس خود بخود راضی ہو جائیں گے' تم بول کیوں نہیں رہی ہو صلہ''۔ وکی کی آواز میں اب جھنجھلاہٹ عود آئی صلہ وکی سے ایسی سوچ کی توقع نہیں کر رہی تھی وہ اس کی انسلٹ کر رہا تھا۔

''سوری وکی..... میں ایسا کچھ بھی..... کچھ بھی نہیں کروں گی''۔ صلہ کو لگا الفاظ اس کے گلے میں اٹک گئے ہوں' ایک لمحہ لگا اسے فیصلہ کرنے میں۔

''واٹ..... آر یو میڈ صلہ.....؟''

''میں اپنے والدین کی مرضی کے بغیر اتنا بڑا

فیصلہ نہیں کر سکتی وکی یہ بہت غلط.....

''بٹ صلہ آئی لو یو یار''۔ وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

''پیار اپنی جگہ مگر زندگی میں پیار کے ساتھ عزت کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور میں اپنی عزت گنوا کے اپنے خوابوں کی تعبیر نہیں پانا چاہتی''۔ وہ رکی۔

''وکی! میں آپ کے گھر آپ کے اور اپنے گھر والوں کی اجازت اور مرضی کے بغیر نہیں آ سکتی' مجھے ایسی خوشیاں نہیں چاہئیں جو اپنوں کا اعتبار اور عزت گنوا کے ملیں اس لئے سوری آج کے بعد''۔

''صلہ! تم تو خود اس قید خانے سے باہر نکلنا چاہتی تھی ناں تو اب.....'' اس نے پھر اس کی بات کاٹی۔

''میں غلط تھی وکی' میرا گھر قید خانہ نہیں بلکہ وہ گھر قید خانہ ہے جس کا میں نے انتخاب کر لیا تھا مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے بروقت میرے بھٹکتے قدموں کو روک لیا جو مجھے میرے خوابوں کی دلدل میں دھکیلنے والے تھے''۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے صلہ' تم خواہ مخواہ اتنا ایموشنل ری ایکٹ کر رہی ہو اتنے لوگ کورٹ میرج کرتے ہیں ہم کونسا انوکھی کریں گے لوگ تو محبت کی خاطر دولت' گھر تک چھوڑ دیتے ہیں' میں تو پھر تمہیں اس ڈربے سے نکال کر محل میں لا رہا ہوں' مجھ سا امیر' ہینڈسم شوہر' دولت' بنگلہ' نوکر چاکر' مکمل بے فکر اور آزاد زندگی' اٹس آ گولڈن آفر یار' کوئی اور تمہیں مجھ سا کہاں ملے گا اور نہ ہی کوئی مجھ سا تمہیں چاہ سکتا ہے سویٹی..... ہاؤ یو کین ریجکٹ یور ڈریمز''۔ وکی کے انداز میں دولت کا غرور اور خود پرستی کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی صلہ کو شدید دکھ ہوا کہ وہ اسے پہچان کیوں نہ پائی یہ تو ساری زندگی اسے اس کی غریبی اور اپنی امیری کے بھی طعنے دیتا رہتا۔

''وکی صاحب! محبت کرنے سے پہلے عزت و احترام کرنا سیکھیں کیونکہ محبت ہی سب کچھ نہیں ہوتی' عزت ہر رشتے کی بنیاد ہوتی ہے اور آپ کے نزدیک تو آپ کے اور آپ کی دولت کے علاوہ کسی دوسرے کی کوئی عزت' کوئی ویلیو ہی نہیں ہے' اس لئے اپنی گولڈن آفر اپنے پاس ہی رکھیں میں اس سب کے بغیر زیادہ مطمئن اور خوش ہوں''۔ صلہ نے کسی لگی لپٹی کے بغیر دوٹوک جواب دیا۔

''اوجسٹ شٹ اپ..... یو ایڈیٹ''۔ وکی کو صلہ سے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی اس نے غصے سے چیختے ہوئے کال کاٹ دی تو صلہ نے سیل فون طوبیٰ کو دیا۔

''صلہ.....! یہ..... یہ تم نے کیا کیا ہے؟'' وہ پریشان ہوئی۔

''طوبیٰ! میں ایک فیملی کا حصہ بننا چاہتی ہوں مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں' تم بہت اچھی ہو مگر تم اپنے بھائی کو نہیں جانتیں ان کے اور میرے اسٹینڈرڈ میں بہت فرق ہے' ان کی سوچ مجھے کبھی بھی اس فرق کو ختم کرنے نہیں دے گی چاہے میں ساری زندگی لگا دوں''۔

''مگر تمہاری خوشی.....''

''میری خوشی میرے ماں باپ کی خوشی ان کی عزت میں ہے طوبیٰ اور اس بات کا احساس مجھے ہو گیا ہے میں ان کو دکھ دے کر خوشی کی تمنا کیسے کر سکتی ہوں''۔

''تمہارا کیا خیال ہے تم پچھتاؤ گی نہیں صلہ''۔ طوبیٰ نے فکرمندی سے پوچھا۔

''نہیں طوبیٰ! سیدھے راستے کا انتخاب کرنے والے کبھی کسی پچھتاوے کا شکار نہیں ہوتے''۔ صلہ نے مسکرا کر جواب دیا تو اسے مطمئن دیکھ کر طوبیٰ بھی مطمئن ہو گئی۔ کیونکہ وہ اپنی فیملی کو اچھی طرح جانتی تھی صلہ جیسی معصوم لڑکی ان دولت پرستوں میں گزرا

نہیں کرسکتی تھی' طوبیٰ تو صرف اس کی خوشی کے لئے اس کا ساتھ دے رہی تھی اسے خوشی ہوئی کہ اس نے بروقت درست فیصلہ کرلیا ہے۔

☆☆☆☆

''پھپھو! امی نے تائی جی کو کیا جواب دیا ہے؟'' صبا سر درد کی وجہ سے جلدی آ گئی تھی اور ابھی آرام کررہی تھی جب صلہ یونیفارم بدل کے اس کے پاس آئی۔

''کچھ نہیں سوچ رہی ہیں کہ کیا کریں''۔ صبا نے اپنا سر دباتے ہوئے بند آنکھوں سے جواب دیا۔

''تو پھر امی سے کہیں کہ تائی جی کو ہاں کردیں''۔ صلہ نے اپنا بیگ الماری میں رکھتے ہوئے سادگی سے کہا تو صبا کو حیرت کا جھٹکا لگا' وہ سر درد بھول کے اٹھ بیٹھی۔

''کیا کیا کہا تم نے.....؟'' صبا کو یقین نہ آیا اپنے کانوں پر۔

''تائی جی! کو ہاں کردیں''۔ صلہ نے صبا کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا تو صبا بیڈ سے اتر کر فوراً صلہ کے پاس آئی۔

''مگر تم تو.....''

''میں غلطی پر تھی پھپھو! مگر ضروری تو نہیں کہ بندہ ٹھوکر کھا کر ہی سیکھے' کسی کے تجربے سے سیکھ کر بھی تو اپنی غلطی سدھاری جاسکتی ہے نا''۔ صلہ نے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے اعتراف کیا تو صبا کو اپنا آپ ہلکا پھلکا محسوس ہونے لگا۔

''اور.....تمہارے خواب.....ان کا کیا.....؟''

''نہیں پھپھو! جن خوابوں کی تعبیر اپنوں کی بے عزتی اور بدنامی ہو مجھے وہ خواب نہیں چاہئیں' میں اپنے خوابوں کی اتنی بڑی قیمت نہیں چکا سکتی پھپھو' یہ میری حیثیت سے بڑھ کر ہیں''۔ صلہ نے نم لہجے میں کہا تو صبا نے اس کو گلے لگالیا۔

''تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے بیٹا! تم دیکھنا تمہارا یہ غلط راہ سے ہٹ کر درست راہ پر پڑنے والا قدم کس طرح خوشیوں کی طرف تمہاری رہنمائی کرے گا''۔ صبا نے اس کے آنسو صاف کئے۔

''تمہیں تیمور اچھا لگا ہے نا''۔ صبا نے شرارت سے پوچھا' وہ اس کا موڈ بدلنا چاہ رہی تھیں۔

''بے شک وہ کوئی شہزادہ نہیں ہے مگر دل کا شہزادہ ہے' بہت ہی اچھا اور نیک بچہ''۔ پھپھو نے تیمور کی تعریف کی تو وہ مسکرائی۔

''پھپھو! بے شک اب شہزادے نہیں ہوتے لیکن جوان چھوٹے گھروں' تنگ گلیوں اور غریب محلوں میں آئے وہ تو شہزادہ ہوسکتا ہے نا''۔ صلہ نے بھی شرارت سے پوچھا تو صبا مسکرائی۔

''یو نو صلہ! یو آر سو لکی' اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے''۔ صبا نے دل سے دعا دیتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

☆☆☆☆

صبا نے بھابی کو صلہ کی رضامندی کا بتایا تو انہیں تو یقین ہی نہ آیا صلہ کی ہاں نے انہیں بہت خوشی دی تھی انہوں نے فوراً تائی جی کو فون کیا اور یہ خوش خبری دی' وہ سب حنا کی شادی میں شرکت کے لئے تین دن پہلے گاؤں چلے آئے' صبا جو کھنڈر نما حویلی کی توقع کررہی تھی جدید طرز کی خوبصورت حویلی کو دیکھ کر حیران رہ گئی مراد اور تیمور نے تھوڑا تھوڑا کرکے حویلی کی خستہ حالی غائب کردی تھی۔ تائی اماں ان سب کو دیکھ کر اور خاص طور پر صلہ سے مل کر بہت خوش ہوئیں' حنا کے ولیمہ کے روز صلہ اور تیمور کی منگنی طے کردی گئی' صبا دونوں بھابیوں کے ساتھ بیٹھی باتیں کررہی تھی جب باتوں کے دوران مراد کی شادی کا ذکر ہوا تو بھابی نے صبا کی طرف دیکھا صبا نے بے اختیار نظریں چرائیں۔

''صبا بیٹا! اگر تم چاہو تو اب بھی مراد''۔ ثروت بھابی کی بات پر صبا کا سر شرمندگی سے جھک گیا۔

''بھابی! میں نے بہت تکلیف دی آپ کو پلیز مجھے معاف کردیں''۔ صبا نے شرمندگی سے بھابی کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے' ثروت بھابی نے تڑپ کے اس کے جڑے ہوئے ہاتھ تھامے۔

''خدا گواہ ہے صبا' میں نے تمہیں ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھا ہے کبھی نند نہیں سمجھا' تم مجھے آج بھی اپنے سب بچوں سے زیادہ عزیز ہو پہلی اولاد کی طرح' میرے دل میں تمہارے لئے کوئی شکوہ نہیں ہے بیٹا اس لئے یوں مت کرو''۔ صبا کے جڑے ہاتھوں کو کھولتے ہوئے بھابی نے اس کے آنسو صاف کئے' ان کی شادی کے وقت صبا چند سالوں کی تھی اس لئے انہیں صبا سے بہت لگاؤ تھا۔

''میں نے اب خوابوں میں رہنا چھوڑ دیا ہے' اپنے خوابوں کے ہاتھوں میں نے بہت اذیت سہی ہے' میں اپنوں کو دکھ دے کر سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی اس لاحاصل سفر نے میری روح کو بھی زخمی کردیا ہے''۔ وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کے رونے لگی۔

''بس بیٹا! اس سب کو ڈراؤنا خواب سمجھ کر بھول جاؤ تم نے اپنی غلطی سے سبق سیکھ لیا' اب تمہارے صبر کے صلے کا وقت آ گیا ہے''۔ بھابی نے اس کو اپنے ساتھ لگایا' چھوٹی بھابی نے بھی اپنے آنسو پونچھے۔

''تمہیں پتہ ہے صبا! مراد ابھی بھی تمہارا منتظر ہے اس نے 14 جماعتیں بھی پڑھ لی ہیں اور گاؤں میں ایک اسپتال بنوایا ہے مگر اس کی ضد ہے کہ گاؤں میں آنے والے کسی ڈاکٹر سے ہی افتتاح کروائے گا''۔ بھابی نے خوشی سے بتایا۔ وہ مزید شرمندہ ہوگئی' وہ جسے جاہل دیہاتی کہتی رہی اس نے اس کی خاطر تعلیم حاصل کی اور اپنی دولت پر غرور کرنے کی بجائے اس دولت سے گاؤں والوں کی خدمت کررہا ہے۔

''بھابی! آپ میری بڑی ہیں' آپ کو میری زندگی کا فیصلہ کرنے کا پورا حق ہے آپ کی خوشی میں ہی میری خوشی ہے''۔ صبا نے جھکے سر کے ساتھ کہتے ہوئے آنسو صاف کرتے ہوئے جونہی سر اٹھایا بھابی کے عقب میں دروازے میں کھڑے مراد کو دیکھ کر سٹپٹا گئی۔

''آپا..... وہ..... تیمور آپ کو بلا رہا ہے' بات سن جائیں''۔ مراد نے جلدی سے آپا سے بات کی اور ایک گہری نظر نم آنکھوں والی صبا پر ڈال کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆

صلہ سے مہندی کا سوٹ استری کرتے ہوئے جل گیا تو اس نے رو رو کر برا حال کرلیا' رات کو مہندی تھی' اماں کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کریں' اتنے میں تائی جی اماں کے پاس آئیں اور ان کی بات نے اماں کی پریشانی ختم کردی۔

☆☆☆☆

صبا چھوٹی بھابی کے کپڑے استری کرنے کے بعد ان کو دینے جارہی تھی کہ راہداری سے گزرتے ہوئے مراد سے ٹکرا گئی۔

''او.....سوری''۔ مراد نے نیچے گرے کپڑے اٹھا کر اسے تھماتے ہوئے معذرت کی۔

''نو نو.....اٹس اوکے''۔ صبا نے مسکرا کر کہتے ہوئے کپڑے تھامے اور آگے بڑھی۔

''سحر جی''۔ مراد کی پکار پہ وہ ٹھٹکی اور پلٹ کے اس کو دیکھا۔

''اگر میں آپ کو سحر کہوں تو آپ کو برا تو نہیں لگے گا؟'' وہ پرشوق نگاہوں سے صبا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''اٹس اوکے''۔ اس نے نظریں پھیرے ہوئے جواب دیا' اس کا پورا نام صبا سحر تھا۔

''تھینک یو سحر جی''۔ وہ خوشی سے مسکرایا۔

''ایک بات پوچھوں آپ سے؟'' وہ دونوں

بازو سینے پہ باندھتے ہوئے بولا۔

''جی.....'' صبا نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''آپ میرے اسپتال کا افتتاح کریں گی.....؟'' اس نے امید بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو صبا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''مگر بھابی تو کہہ رہی تھیں کہ.....''

''آپ ہی تو ہمارے گاؤں میں آنے والی پہلی ڈاکٹر ہیں سحر جی' آپ کے انتظار میں یہ اسپتال ابھی تک بند ہے' ویسے تو یہ دو ماہ پہلے مکمل ہوا تھا مگر میں آپ کا منتظر تھا' کیا اب میرا انتظار ختم ہوگا؟'' وہ بولتے ہوئے دھیما سا مسکرایا' اس کے سوال پر صبا نے نظریں جھکالیں' سی گرین فراک میں بال کھولے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

''پلیز سحر! نو مور ویٹ''۔ مراد نے ملتجی لہجے میں کہا تو وہ مسکرائی۔

''صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے مراد جی''۔ صبا شرارت سے بول کر تیزی سے آگے بڑھ گئی جبکہ مراد نیچے سے اس کی گری ہوئی بالی اٹھا کر اسے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔

''تھینک یو سحر جی''۔ وہ دل ہی دل میں اس کا مشکور ہوا جس نے اس کی محبت کو قبول کر کے اس کی زندگی میں رنگ بھر دیئے تھے۔

☆☆☆☆

صلہ غصے میں بال کھولے بیٹھی تھی ہیئر اسٹائل ٹھیک سے بن ہی نہیں رہا تھا کچھ غصے میں ویسے ہی اس سے ہر کام خراب ہوتا تھا' اماں نے اسے کہا تھا کہ وہ ساتھ لائے کپڑوں میں سے ہی کوئی اچھا سا سوٹ پہن لے' گھر کا ہی فنکشن ہے' کوئی بات نہیں' اس بات پر صلہ غصے سے بھری بیٹھی تھی' اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا' صلہ نے خفگی سے دروازہ کھولا تو سامنے تیمور کو کھڑا دیکھ کر خجل ہوگئی۔

''دروازہ پوچھ کے کھولتے ہیں صلہ!'' تیمور نے نرمی سے سمجھایا تو صلہ نے شرمندگی سے نظریں جھکالیں اور اڑتی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑسا اس کو یاد آیا کہ وہ ایک بار پہلے بھی یونہی بغیر پوچھے دروازہ کھول چکی ہے۔

''اپنی وے یہ آپ کے لئے''۔ تیمور نے اس کی شرمندگی ختم کرنے کے لئے فوراً ہاتھ میں پکڑا شاپنگ بیگ سامنے کیا۔

''یہ..... یہ کیا ہے.....؟''

''خود دیکھ لو''۔ اس نے دونوں بازو سینے پہ باندھتے ہوئے آرام سے جواب دیا تو صلہ نے بیگ کھولا' اندر ڈیزائنر بیگ میں پنک شیفون کا چمکتے اسٹونز کے کام والا ڈریس تھا' صلہ نے حیرانگی سے تیمور کو دیکھا۔

''رات کے فنکشن کے لئے' آپ کا ڈریس خراب ہوگیا ہے نا''۔ تیمور نے اس کی حیران نظروں کے جواب میں پیار سے بتایا تو صلہ کی آنکھیں بے اختیار نم ہوگئیں۔

''میں کیا سمجھی تھی ان لوگوں کو اور یہ سب..... کتنی غلط سوچ تھی میری''۔ ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگ کو دیکھتے ہوئے وہ ندامت سے سوچ رہی تھی۔

''ویسے صلہ..... آپ کے ہاں مہمان کو بٹھانے کا رواج نہیں ہے شاید''۔ آنکھوں میں شرارت لئے اس نے مصنوعی سنجیدگی سے سوال کیا تو وہ چونکی۔

''آپ..... مہمان تو نہیں ہیں''۔ اسے اس سوال پر حیرت ہوئی مگر ساتھ ہی اچانک اسے چند دن پہلے کی ملاقات یاد آ گئی۔

''آپ کے کمرے میں تو مہمان ہی ہوں نا ویسے ایک بات بتاؤں؟'' وہ مسکرا کر کہتے ہوئے ایکدم سنجیدہ ہوا تو صلہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''کبھی' کبھی یہاں لال بیگ بھی آ جایا کرتے ہیں''۔ اس نے رازدارانہ انداز میں بتایا تو صلہ کی

آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

''جی.....'' وہ گھبرا کے فوراً دروازے کی طرف بڑھی۔

''ڈونٹ وری صلہ! میں ہوں نا' آپ کی زندگی سے سارے لال بیگ دور کرنے کے لئے''۔ تیمور نے ڈر کے بھاگتی صلہ کو بازو تھام کر روکا تو اس کی بات پر صلہ کے گال گلابی ہوگئے۔

''آپ تیار ہوں' میں چلتا ہوں''۔ وہ مسکرا کر کہتا جاتے جاتے پلٹا۔

''صلہ''۔ وہ دروازہ بند کرنے لگی تھی چونکی۔

''یہ بھی آپ کے لئے ہے''۔ تیمور نے ایک میرون چوکور ڈبیا اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ کیا ہے؟'' ڈبیہ تھامتے ہوئے صلہ نے پھر وہی سوال دہرایا تو بے اختیار تیمور نے سر پر ہاتھ مارا۔

''صلہ ڈیئر! گفٹ دینے والا خود تو نہیں بتاتا نا کہ اندر کیا ہے' خود کھول کے دیکھو''۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو صلہ نے لٹ کان کے پیچھے اڑستے ہوئے ڈبیا کھولی' اندر گولڈن نفیس سے جھمکے تھے' ننھے ننھے نگینوں سے سجے' صلہ نے بے اختیار جھمکا اٹھایا' اسے جیولری میں زیادہ جھمکے ہی پسند تھے۔

''آپ نے فرمائش کی تھی گولڈن جھمکوں کی تو میں لے آیا' کیسے ہیں؟ اس کے ساتھ میچنگ رنگ بھی ہے مگر وہ میں نے نکال لی ہے بعد میں دوں گا''۔ تیمور نے اس کی نظروں میں پسندیدگی دیکھ کر شرارت سے بتایا تو صلہ نے اسے دیکھا۔

''مگر میں نے کب آپ سے گولڈن جھمکے''۔ وہ تیزی سے بولتے بولتے رکی' نظروں کے سامنے کچن کا اس روز کا منظر تازہ ہوا جب وہ گانا گنگنا رہی تھی اور تیمور کچن میں آیا تھا' تیمور مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہا تھا۔

''تھینک..... تھینک یو..... تیمور بھائی''۔ وہ سٹپٹا کے بولتے بولتے رکی تو تیمور زور سے ہنسا۔

''بہت اچھے ہیں' جھمکے''۔ صلہ نے جھمکوں کو دیکھتے ہوئے اپنی خفت مٹانے کے لئے جھمکوں کی تعریف کی۔

''صرف جھمکے''۔ تیمور نے حیرت سے پوچھا تو وہ جھینپ گئی۔

''نہیں ڈریس بھی اچھا ہے' یہ گاؤں بھی اچھا ہے' اور گاؤں والے بھی''۔ صلہ نے ڈبیہ شاپنگ بیگ میں رکھتے ہوئے معصومیت سے کہا تو تیمور نے اسے دیکھا۔

''ہاں جی گاؤں بھی اچھا ہے' بلکہ یہاں کے کھیت' درخت جانور' گھر سب کچھ اچھا ہے صرف میں ہی''۔ تیمور نے دروازے سے ٹیک لگاتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا۔

''آپ بھی تو اسی گاؤں میں رہتے ہیں نا''۔ اس کے انداز پہ صلہ نے مسکرا کر کہتے ہوئے دروازہ بند کرنا چاہا۔

''مگر کہیں اور بھی رہنا چاہتا ہوں' کسی کے دل میں''۔ تیمور دروازہ تھام کے اندر جھانکتے ہوئے بولا تو وہ مسکرا کر حیا سے نظریں جھکا گئی۔

''من جاوے''۔ اچانک باہر سے گانے کی آواز ابھری' کسی نے ڈیک کا والیم فل کیا تھا' صلہ نے تیمور کی جانب دیکھا تو وہ نظروں میں محبت کا جہاں سموئے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا' صلہ نے نظریں جھکالیں۔

اس کے خوابوں کی اصل تعبیر تو یہاں تھی اور وہ نادانی میں اسے اونچے محلوں میں تلاش کرنے چلی تھی' اس نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا جس نے اسے ٹھوکر لگنے سے پہلے سمجھایا اور سیدھا راستہ دکھا دیا۔

''بے شک بندے کی بہتری اللہ بندے سے بہتر جانتا ہے''۔

☆☆.....☆.....☆☆

افسانہ

ساری پریم اور رانجھا

روایت ہے کہ ایک گھبرو جوان ہوا کرتا تھا، شیر جوان، مست جوانی، جوشیلا، خوبرو، سجیلا، ایک نظر ڈال لو تو دوسری آپوں آپ اٹھ جائے، ایسا حسین کہ اسے دیکھتے رہو پر دل نہ بھرے، ایسے نین نقش کہ اپنا آپ لٹا دو تب بھی اس کے نقوش کی آرتی نہ اترے، ایسا کڑیل جوان کہ لڑکیاں بالیاں پاگل تھیں۔ ایک فن تھا اس کے پاس، ایسی کمال کی بانسری بجاتا تھا کہ بس۔ اس کی بانسری سے نکلنے والی دھنیں ہر ذی روح کو اسیر کر لیا کرتی تھیں۔ گھاس، پھول، جانور، پرندے سب مدہوش ہو جاتے، نیلے آسمان میں جب ہوا کے سنگ اس کی میٹھی سریلی سانسیں نفوذ کر جاتیں تو سننے والے پاگل ہو جاتے۔

اس کا اصلی نام تو نجانے کیا تھا پر اسے رانجھا پکارا جاتا تھا۔ وہ اچھے امیر کبیر گھرانے سے تھا۔ بھرا پرا خاندان تھا، کئی بھائی بھابیاں تھیں۔ باپ کا وہ لاڈلا تھا، اس کے سارے بھائی محنت کش تھے۔ زمینیں جائیدادیں سنبھالتے تھے۔ پر یہ ہمارا رانجھا... اپنی ساری مسحور کن خصوصیات کے باوجود ایک خامی رکھتا تھا، بے چارہ ہڈ حرام تھا۔ راحت و آرام اس کے گٹے گوڈوں میں سرایت کر چکی تھی، آرام، آرام اور بس آرام۔ کسی بھی قسم کا کام کرتے اسے موت آتی تھی۔ بھائی کئی بار اشاروں کنایوں میں کہہ بھی چکے تھے کہ جان چھوڑ اس بانسری کی اور کام دھندا کر، خالی موسیقی پیٹ نہیں بھرتی، فن اور چیز ہے اور محنت اور چیز۔ سارا دن یہاں وہاں آوارہ پھرتے، موسیقی کی تانیں بھرتے لوگوں کو مسحور کر لینا کوئی معرکہ نہیں ہے، معرکہ تو تب ہے جب مٹی سے سونا پیدا کرو، اپنا آپ مٹی کو دو تاکہ بدلے میں مٹی آپ کو نا صرف آپ کا وجود لوٹائے بلکہ شکریہ بھی کہے۔ پر ناں جی! کانوں پر جوں نہ رینگی تھی ہمارے گھبرو رانجھا صاحب کے ان پر گویا حرام تھا کھیتی باڑی کرنا، پڑھے لکھے تھے نہیں کہ افسر لگ جاتے۔

باپ چلا گیا ہمیشہ کے لئے، رانجھا اکیلا رہ گیا۔ دو راستے تو اب بھی تھے اس کے سامنے۔ اپنی روش بدل لیتا، چاہے نہ بجاتا بانسری کو، رکھ لیتا جیب میں پر محنت شروع کر دیتا۔ مٹی میں مٹی ہو کر جب تھک جاتا تو اڑاتا سروں کی تانیں۔ سب خوش، اس کی زمین بھی خوش اور آسمان بھی۔ کوئی طعنہ نہ دے سکتا، کوئی کام چور نہ کہہ سکتا۔ اگر بالفرض کوئی کہتا تو یہ اس کو ایک رسید کر سکتا، پر نہیں، وہ ویسا کا ویسا رہا۔ کھیتوں کھلیانوں میں آوارہ گردی، بانسری، لڑکیاں تاڑنا، یہاں وہاں گھر جا کر کھانا اور لمبی تان کر سونا۔

کون رکھے ایسا کاہل اپنے گھر؟ کون دے اپنی خون پسینے کی کمائی کسی کو مفت میں؟ بادشاہ اگر ٹھاٹھ کرتے ہیں تو ان کے کام نہیں دیکھتے تم؟ ہاتھ پکڑا بھائیوں نے اور کر دیا باہر۔ چل بیٹا تیری چھٹی ہوئی۔ میرا تو ماننا ہے کہ اچھا ہوا جو اس کے حصے کی زمین جائیداد اسے نہیں دی بھائیو، بے قدروں کے

ہاتھوں بے قدری سے بچ گئی زمین، اسے مل جاتی تو بانجھ ہو جاتی۔

☆.....☆.....☆

فیر پھرتا پھراتا، جھیلیں دریا پار کرتا بھٹکتا رہا ہمارا رانجھا۔ ان دنوں وہاں کسی پری وش کی دھوم تھی۔ ایک تھی ملکہ حسن، جس کے قصے پرندے یہاں وہاں سناتے تھے، ان صاحب نے ان کو پٹانے کی سوچی۔

بی بی صاحبہ کا قصہ بھی سن لو۔ اکلوتی رانی تھی چوہدری کی، چاند تاروں سے تشبیہ نہیں دینی مجھے اسے کہ چاند تارے ہیں ہی کیا، نرے آگ کے گولے۔ ان محترمہ کا حسن بے مثال تو ان جمالیاتی اشیاء کے حسن سے کہیں مختلف تھا۔ ایک نظر ڈالو تو ایسے لگے جیسے کسی سنگ مرمر سے کوئی مورت تراش دی ہے۔ دودھ جیسی رنگت، مکھن ملائی جیسی تر و تازہ، اناروں کی سی رنگت سے دہکتے گال اور آنکھیں مانو جھیلیں ہوں جیسے، پیاسے آتے جاتے اور پیاس مٹاتے جاتے۔ حسن کا شاہکار اسی رانی کو ہیر کہتے تھے۔ واقعی وہ ہیرے موتیوں میں تلنے کے قابل تھی۔ اس کی شوخیوں کے چرچے بھی ہر زبان پر تھے، اس کی چلبلی شخصیت تھی جو ہر کسی کو مسخر کر لیتی تھی۔

بی بی صاحب یہاں وہاں کھیت کھلیانوں میں سکھیوں کے ہمراہ پھرتی تھی۔ ماں باپ کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی سو ہر خواہش منہ سے نکلتے ہی پوری کر دی جاتی تھی۔ کہتے ہیں ہیر نے اپنے باغیچے میں ایک تخت بنا رکھا تھا جہاں وہ دن میں ٹھاٹ سے ملکہ کی طرح جلوہ افروز ہوتی تھی۔

قسمت کی کرنی ایسی ہوئی کہ ایک دن تھکا ہارا، پھرتا پھراتا رانجھا ادھر آن پہنچا۔ تخت دیکھا تو آرام کرنے کی طلب ہونے لگی۔ سو لیٹ گیا اور سو ہو گیا۔ ہیر رانی کو خبر ہوئی تو ادھر آ پہنچی۔ ایک پتلی لکڑی لی اور برسانی شروع، شامت کا مارا رانجھا اٹھ بیٹھا۔

یہ پہلی ملاقات تھی، یہ ملن کا پہلا منظر تھا، نظریں چار ہوئیں اور دل پر جا لگی، وقت بھی جیسے رک گیا، ہر ذی روح، چرند پرند ان دو خوبصورت انسانوں کو دیکھ رہا تھا جو ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ محبت کا تیر آنکھوں نے چلایا اور اندر تک روح کو بھی اسیر کر گیا۔ دونوں پر جیسے کسی نے کوئی طلسم پھونک دیا۔

پھر رانجھا ہیر کے ہمراہ اس کے گھر پہنچ گیا، باپ نے ہیر کی فرمائش پر اسے ملازم رکھ لیا۔ بندہ پوچھے اب راضی کیوں ہوا؟ اپنی زمینیں، ڈھور ڈنگر تو چھوڑ آیا، یہاں چاکری کیوں قبول کر لی؟ آپ کہو گے عشق، سچا عشق، تو عشق اسے باپ سے نہیں تھا؟ بھائیوں سے نہیں تھا؟ عشق، ہونہہ... تو جناب رانجھا وہیں رہنے لگا۔ ہیر تو رہتی وہیں تھی۔ داستان شروع ہوئی، میل ملاقاتیں ہونے لگیں۔ چھپ چھپ کر، کہیں سر عام، ہیر رانی کا دل اس نے دبنگی کی تانوں سے جیت لیا، ہماری ہیر اپنے محبوب کے لئے پوری بناتی اور سب سے چھپ کر رانجھے سے ملنے کھلیانوں میں جا پہنچتی۔ اپنے مرمریں ہاتھوں سے اسے کھلاتی۔ اس عنایت کے جواب میں وہ اسے اپنی سانسوں کی لے سے مدہوش کر دیتا، بانسری کی میٹھی ہوک سارے کھیت کھلیانوں میں ہوکتی۔ محبت محبت پکارتی وہاں بھٹکتی، ذرا جو دھیان سے سنتا تو جان لیتا کہ بانسری کی تانیں کون سی داستانیں سنا رہی ہیں۔

محبت ایسے ہی ہوتی رہی۔ محبت ایسے ہی ہوتے رہنا تھی کسی اوسیب کا رانجھا، اس دیس کی رانی کو رام کر چکا تھا لیکن محبت کی کہانیاں ایسے ہی پوری نہیں ہو جاتیں۔ ان میں ایک کیدو بھی ہوا کرتا ہے۔ ہیر کا چاچا تھا، خود وہ جو بھی تھا اسے اپنی پروا نہیں تھی، ہاں اپنی بھتیجی کی اسے بہت پروا تھی، زمانہ شناس تھا سو تاڑ گیا کہ ہو کیا رہا ہے۔

کہتے ہیں مشک اور عشق چھپائے نہیں چھپتے، ہماری ہیر اور رانجھے نے تو چھپانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ پھول کیا کھلتے سب جان گئے، اسی لئے کہتے

ہیں محبت پھول جیسی نہیں ہونی چاہئے، سر عام، بے باک، نظر آتی ہوئی محبت، ایسی محبت کو تو لوگوں کی نظریں اور بدنظروں کی ہائے کھا جاتی ہے۔ محبت کلی جیسی ہونی چاہئے، باہر سے دیکھو تو پتہ ہی نہ چلے کہ اندر ہے کیا۔ بس اسی بوٹے کو پتہ ہو جس کی وہ کلی ہو۔ سب راز جان گئے، ہیر کو رانجھے سے دور کر گیا گیا اور رانجھے کو ہیر سے۔ جدائیوں کے قافلے آن پہنچے۔ ملن ماضی کے سہانے قصے بن کر رہ گئے۔ ہیر کے ماں باپ نے رشتے تلاشے اور اس کا زبردستی نکاح کر دیا۔

کیسے ہوا؟ کن حالات میں ہوا؟ کس کی مرضی سے ہوا؟ یہ بیکار کی بحث ہے اور مجھے ان میں نہیں پڑنا۔ نکاح ہو گیا بس۔ جو تھا، وہ ''تھا'' اب جو رہ گیا، بس وہی رہ گیا۔ ہیر وداع ہو گئی۔

رانجھا جدائی میں بے حال، حال سے بدحال، جنگلوں بیانوں میں بھٹکتا پھرتا رہا، یہاں وہاں کی دھول پھانکتا، لڑکھڑاتا، مارا مارا پھرتا۔ ایسے میں ایک جوگی سے جا ملا۔ سادھو نما جوگی۔ تارک الدنیا۔ اپنے آپ میں مست۔ جو بھی تھا، جتنا بھی درویش تھا، تھا کون؟ ''سادھو''، جوگی، المختصر... ''ہندو''

ہمارے رانجھے نے ہاتھ باندھے اور سامنے جا بیٹھا۔ ماں باپ کے سکھائے سبق اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے سو سبق سیکھنے لادین کے سامنے جا بیٹھا۔ آپ جو بھی کہو، جو مرضی مجھے بس یہی کہنا ہے کہ پیر فقیر ایسے نہیں بنا جاتا۔ پیر فقیر، اولیا، صوفی ایسے اجڈ ناکام نہیں ہوتے، عشق حقیقی کی رمزیں ''رانجھے'' نہیں جانتے بس۔

☆.....☆.....☆

آگے کی کہانی تو آپ نے کئی بار سنی ہو گی۔ مجنوں جوگی رانجھا ہیر کے دَر تک جا پہنچتا ہے، دونوں پھر سے ملن کے خواب دیکھتے ہیں۔ ہیر کے والدین بھی مان جاتے ہیں۔ عین نکاح کے روز کیدو ہیر کو زہریلا لڈو کھلا دیتا ہے۔ ہیر کے مرنے پر وہی لڈو رانجھا بھی کھا لیتا ہے۔ مطلب آتما ہتیا... یہ لفظ میں نے استعمال کیا کیونکہ آپ کا رانجھا تو جوگی ہو چکا ہے ناں...

تو آخر میں حقیقی محبت کا ملن... وغیرہ وغیرہ۔

مجھے آپ کو یہ کہانی نہیں سنانی۔ مجھے آپ کو میری ہیر، میرے رانجھے کی کہانی سنانی ہے۔ میری ہیر جو اصل میں ہیرے موتی میں تلنے کے قابل ہے۔ ماں باپ کی عزت کی رکھوالی، لاڈلی دھی رانی، میری ہیر، جو وفا ہے اصل وفا، اور میرا رانجھا... جو ٹھوکر لگنے پر سنبھلنا جانتا ہے، جس نے یاد کئے سبق ابھی سارے نہیں بھلائے۔

☆.....☆.....☆

کہتے ہیں نکاح کے بول حقیقت میں اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ دو انجان انسانوں کو ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کا وفادار کر دیں۔

ہیر وداع ہو گئی، کھیڑے سیدے کے ہمراہ، اگلے کچھ دن وہ اس کے چہرے میں ابھی گمشدہ محبت تلاشتی رہی پر وہ نہ ملی، وہ ملتی بھی کیسے۔ وہ جو اس کا شوہر تھا، رانجھے جیسا گھبرو جوان نہ تھا، ذہنی اور جسمانی طور پر کمزور اس کا شوہر رانجھے کے سائے جیسا بھی نہ تھا، لیکن وہ شوہر تھا، ہماری ہیر نے اس کے لئے ''قبول ہے'' کہا تھا۔ ہیر نے اس میں محبت تلاشی تھی اور ناکام رہی تھی۔ محبت تو اس نے بھی ہیر میں تلاشی تھی اور وہ ناکام نہیں رہا تھا۔ ہماری ہیر رانی نے اسے ناکام نہیں رہنے دیا تھا۔

وہ دیوانہ سا انسان صرف ایک شے سے رام ہو سکتا تھا اور وہ محبت تھی۔ محبت کے تنتر منتر اسے انسان سے ذی ہوش کر سکتے تھے اور ہیر محبت کے سارے راز، سارے منتر جانتی تھی۔ اس نے وہ سارے منتر اپنے دیوانے شوہر پر آزما ڈالے۔ اپنی محبت وہ ہار چکی تھی لیکن اپنے شوہر کی محبت کو وہ جتوا دینا چاہتی تھی اور یقین مانئے، ایک بیوی جب ایسا کرتی ہے تو وہ صرف شوہر نہیں جیتتی بلکہ شوہر سے جڑا ہر رشتہ جیت لیتی ہے۔

ہماری ہیر بھی جیت گئی، شوہر کی محبت، شوہر سے جڑا ہر رشتہ، ذہنی طور پر قدرے بہتر ہوتا اس کا شوہر، اس کے ہر سسرالی رشتے دار کو اس کا احسان مند کرتا گیا۔ واہ واہ صرف اس کی نہیں ہوئی، واہ واہ اس کے ماں باپ کی تربیت کی بھی ہوئی اور وہ صحیح جیت تھی۔ اولاد ہوگئی، زندگی مکمل ہوگئی، محبت مکمل ہوگئی۔

☆.....☆.....☆

رانجھے کا قصہ بھی سن لیتے ہیں۔

جوگی سے متاثر ہو کر یہ درویش ہو گیا۔ اب گلی گلی پھرتا، صوفیانہ کلام گاتا یہاں وہاں بھٹکتا پھرتا، سوالی بن کر دَر دَر پر جاتا، ایسے ہی قسمت کے مارے نے ایک دن ہیر کا دروازہ کھٹکھٹا ڈالا۔

اور زمین و آسمان نے پھر سے ملن دیکھا۔ ویسا ہی ملن۔ ساتھ میں گمشدہ محبت کا نوحہ بھی تھا، ہجر میں بیت جانے والے سیاہ دن اور راتیں بھی آموجود ہوئیں۔

پہلی بار جب وہ ہیر سے ملا تھا وہ تب بھی اس کی نہیں تھی اور وہ آج بھی اس کی نہیں تھی۔ تب اس نے ہیر کا دل جیت لیا تھا کیونکہ وہ چاہتی تھی وہ جیت جائے، اب وہ جیت نہیں سکا کیونکہ وہ اپنا آپ کسی اور کو جتوا چکی تھی۔

''چلا جا میں تجھے جانتی نہیں''۔ ہیر نے نظریں جھکا لی تھیں۔

''میں نے تجھ سے سچا عشق کیا میرے دل کی رانی''۔

''میں نے کسی اور سے پکا عشق کر لیا، چلا جا''۔

''میں تیرے لئے جوگی ہو گیا''۔

''میں کسی اور کے لئے عزت ہو گئی، چلا جا''۔

''ایسے بے رخی نہ کر''۔ وہ قدموں میں آ بیٹھا، وہ دور جا بیٹھی۔

''عزت دار عورتیں غیر مردوں سے بات نہیں کرتیں، میں اپنے شوہر یا بیٹے کو بھیجتی ہوں''۔ اور ہمارے رانجھے کے دل پر جا لگی، وہ چلی گئی، وہ پلٹ گئی۔

اور اس دَر پر بیٹھے ہمارے رانجھے کے پاس پھر سے دو راستے تھے۔ ویسے ہی جیسے باپ کے مرنے کے بعد تھے۔ میں نے کہا تھا ناں ہمارا رانجھا لوک کہانیوں کے رانجھے جیسا نہیں، ہمارا رانجھا ٹھوکر پر سنبھلنا جانتا تھا۔

☆.....☆.....☆

رانجھا، ہمارا رانجھا پلٹ آیا، اپنی مٹی میں، اپنوں میں، سچا عشق سب سے سچا ہوتا ہے، سچا عشق کوئی جوگی، کوئی سنیاسی، کوئی زاہد نہیں سکھاتا۔ سچا عشق ایک راز ہے جو بس دل سکھا سکتا ہے۔ ہمارے رانجھے نے بھی جان لیا، بھائی سچا عشق تھے، اس کے باپ کی قبر سچا عشق تھی اور اس کی زمین سچا عشق تھی۔

اب وہ رانجھا کوئی اور ہی رانجھا تھا۔ وہ منہ سویرے اٹھتا اور بھائیوں سنگ کھیتوں پر آ پہنچتا۔ برابر کی محنت کرتا۔ مٹی میں مٹی ہو جاتا۔ تھک ٹوٹ جاتا پر محنت کئے جاتا۔ موسم بدلے، زمانے بدلے، پر رانجھا نہ بدلا نہ واپس پلٹا۔ سرسبز کھیتوں میں کام کرتے جب وہ تھک جاتا تو کسی سایہ دار درخت تلے سستانے کے لئے بیٹھ جاتا۔ ہونٹوں سے بانسری لگا لیتا جس کی میٹھی تانیں یہاں وہاں بکھرتیں اور سب کو راحت دیتیں۔ دل میں کہیں محبت کی چنگاری بھی اڑتی پر خیر ہے۔

اگلے کچھ سالوں میں شادی ہو گئی ہو، عین ممکن ہے بیوی سے وہ اور زیادہ محبت کرنے لگا ہو، بچوں نے زندگی مکمل کر دی ہو۔ دوسری طرف کئی سالوں بعد ہیر بھی مر کھپ گئی ہو گی۔ ہمیں کچھ بھی تصدیق کے ساتھ معلوم نہیں مگر ایک بات پکی معلوم ہے کہ ہماری ہیر کے لئے کوئی یادگار تعمیر نہیں ہوئی۔

کیونکہ اگر یادگار ہماری ہیر کے لئے تعمیر ہوتی تو پھر یادگاریں ہر اس ہیر کے لئے بھی تعمیر ہونی چاہئیں جنہوں نے عزت کے لئے اپنے اپنے رانجھے بھلا دیئے۔

☆.....☆.....☆

جویریہ بانو

افسانہ

جس نے

''ہماری تاک میں رہتی تھیں تتلیاں اکثر
اپنے شہر کا حسن و جمال تھے ہم''

بالکل ایسا ہی تھا وہ کھلتے گلابوں کی طرح تر و تازہ' گرتی شبنم کی طرح خوبصورت' اڑتی خوشبو کی طرح آوارہ' غرور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دینے والا' ضد کی بانہوں میں بانہیں ڈال دینے والا' فاران احمد اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ ایسے جینے والا جیسے کل ہوگا ہی نہیں' اپنی ماں کا انوکھا لاڈلا' اپنے باپ کا داہنا بازو' اپنے پورے خاندان والوں کے لئے ایک مثال' جوانی آئی تو اور کھل گیا' گردن کچھ اور اونچی ہوگئی غرور نے مزید پر پھیلا لئے جاب ملی تو شان ہی نرالی ہوگئی' خامیاں تو جیسے دور ہی بھاگ گئیں' شخصیت میں نکھار لانے والی تینوں چیزیں اس کے پاس تھیں' دولت' شہرت اور عزت' جوانی کے سنہرے سکے اس کے قدموں میں ڈھیر تھے جنہیں وہ دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا تھا' پھر محبت کرنے کے دن آ گئے۔

''تم تو لڑکی تھیں کیسے نہ فدا ہوتیں
میں تو پریوں کو بھی باتوں میں لگا لیتا ہوں''

آخر کو شہزادہ تھا وہ' کسی رانی نے ہی اس کا نصیب بننا تھا' آگے پیچھے پھرنے والی پریاں نہیں چاہئیں تھیں اسے' اسے شہزادی چاہئے تھی اپنے جیسی۔ اس پہ فدا ہو جانے والی بے شمار پریوں میں وہ بھی شامل تھی امبر نوشین۔

''جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا
میری حالت تھی دیکھنے والی''

امبر نے اسے کہاں دیکھا تھا' یہ تو شاید اسے یاد بھی نہیں تھا بس وہ یاد تھا جسے دیکھا تھا' اجازت لئے بغیر سیدھا اس کے دل میں اتر گیا تھا' تب فاران احمد سورج کی طرح تھا' پوری طرح چمکتا ہوا روشنی پھیلاتا ہوا' سب سے بلند اور امبر نوشین ایک ٹمٹماتے ستارے کی طرح تھی جسے سورج بننے کے لئے ایک لمبا سفر طے کرنا تھا' تب فاران احمد اپنے جوبن پر کھلے سرخ گلاب جیسا تھا اور امبر کھلنے کی جدوجہد کرتی ایک نوخیز کلی کی طرح تھی فاران کے پاس تب سب کچھ تھا نیک نامی' شہرت' دولت عزت' اہمیت اور ایک نام' فاران احمد' لیکن امبر نے ابھی سب کچھ حاصل کرنا تھا' ایک لمبا سفر طے کرنا تھا اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا تھا' اپنے ماں باپ کی نظروں میں سرخرو ہونا تھا' دوست بنانے تھے نام بنانا تھا' اسی لئے وہ اپنی محبت کو دل میں چھپا گئی اس کے نام سے جینے لگی اسے دیکھ کے دمکنے لگی اسے سوچ کے چمکنے لگی لیکن ساتھ ہی ساتھ گھلنے بھی لگی' محبت میں دن بدن قطرہ قطرہ بہنے بھی لگی دو سال گزر گئے تو اسے لگا جیسے دو صدیاں گزر گئی ہوں محبت کو سینے میں قید رکھنا دوبھر ہوگیا تو سیل اٹھا لیا۔

''کون؟'' فاران کے بولتے ہی جگنو جگمگا

''امبر نوشین''۔ اسے صرف نام ہی بتانا پڑا' فاران جانتا تھا اسے' آج کل وہ انہی گلیوں سے گزر رہی تھی جہاں سے وہ گزر چکا تھا' اکثر اس کا ذکر ہونے لگا تھا۔

''جی میم''۔ بڑی مشکل سے الفاظ جمع کر کے اس نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

''عمر بھر کا ساتھ دیں گے؟'' فاران کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی یہ التجا سنتے اسے نہ جانے کتنے سال ہو گئے تھے' اب تو جواب بھی رٹ گیا تھا اسے۔

''میم! دراصل میری فیملی نہیں مانتی''۔ اور اس کے بعد امبر کے لئے جینا اور دشوار ہو گیا' وہ تو پہلی دفعہ میں ہی کہہ گیا کہ بھول جائیں' لیکن وہ سو دفعہ میں بھی نہ بھلا سکی' وہ بس فاران احمد تھوڑی تھا جو بھول جاتا' وہ تو عشق تھا جو ذرہ ذرہ اس میں شامل تھا قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے بہتا تھا' روم روم میں سمایا ہوا تھا' لبوں پر رہتا تھا' آنکھوں میں بستا تھا' چہرے پر ہنستا تھا خوابوں میں جگمگاتا تھا' کیسے بھول جاتی؟ ایسے کیسے بھول جاتی؟ التجائیں کر لیں' منتیں کر لیں' آنسو بہا لئے' قسمیں کھا لیں' وعدے کر لئے' واسطے دے دیئے' مزید دو سنہرے سال تباہ کر لئے لیکن وہ نہ مانا' آخر کو وہ ستارہ تھا' مٹی کا ذرہ تو اس کا نصیب نہیں بن سکتا تھا ناں اور امبر نوشین آخر تھی ہی کیا۔ رشتوں اور ذمہ داریوں میں جکڑی ایک عام سی لڑکی' جو چشمہ لگاتی تھی' جو عموماً عبایا پہنے رکھتی تھی' جس کے بڑے عام سے نین نقش تھے' جس کا مستقبل اس کی طرح روشن نہیں تھا جس کا صرف پانچ فٹ قد تھا جو پہلی نظر میں ہی انتہائی سرسری سی لگی تھی' اسے تو اپنے جیسی چاہئے تھی ون اینڈ اونلی' امبر نوشین کبھی بھی نہیں اس کی دن بدن بڑھتی

امنگوں سے وہ تنگ آ گیا محبت لگایا اور اسے اس کی اوقات یاد کروا دی۔

''امبر پلیز! آپ پہ مجھے ترس آتا ہے اور کچھ نہیں مجھے میرے جیسی چاہئے پرفیکٹ' آپ نہیں چاہئیں بس کر دیں''۔ پوری رات گزر گئی تھی اسے تکیہ گیلا کرتے ہوئے آنسو تھمتے بھی تو کیسے' چین آتا بھی تو کیسے محبت کو ترس کھانا نہیں آتا امبر پہ بھی نہیں آیا وہ پانی پانی ہو کر بہنے لگی اور فاران' فاران احمد کو عمر کے انتیسویں سال اپنے جیسی ملی تو اس نے شادی کر لی اور امبر نوشین کے پانچ سنہرے سال محبتوں میں گندھے ہوئے چاہتوں سے بھیگے ہوئے ہر ہر پل فاران احمد کے نام پر جیتے ہوئے پانچ سال لمحہ لگا اور مٹی ہو گئے' صلہ بھی نہ ملا صبر بھی نہ آیا' بس آنکھوں کی فضول خرچیاں بڑھ گئیں۔

''کاش تمہارے سامنے کھڑی ہو کر ایک بار کہہ سکوں کہ تمہیں مجھ پر ترس کھانے کا کوئی حق نہیں ہے فاران احمد''۔ آنسو خود ہی خشک ہو گئے تھے جیسے مسکراہٹ جینے کا حوصلہ دیتی ہے' بالکل ویسے ہی آنسو لڑنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔

''مجھے میرے جیسی چاہئے''۔

''میں تم جیسی بن جاتی فاران' انتظار تو کرتے''۔ پتھر بن کر وہ سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی' دولت کو شہرت کو عزت کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتی چلی گئی۔ اپنی ہر ہر پتی کھولتی چلی گئی اپنی ہر ہر کرن بکھیرتی چلی گئی اور پھر کیا ہوا' پھر یوں ہوا کہ اس شہر کے ستاروں میں ایک اور کا اضافہ ہو گیا' امبر نوشین' پانچ سال پہلے وہ صرف ایک کلی تھی' اپنی بقا کے لئے لڑتی ہوئی پانچ سال بعد فاران احمد سے ملی تو پوری طرح کھلے ہوئے پھول کی طرح جس کی سجاوٹ ہی منفرد تھی۔

☆☆☆☆

''یہ کون ہیں؟'' فاران کو اپنے بیسٹ فرینڈ کی شادی کے فنکشن میں وہ پہلی بار نظر آئی تھی۔

''امبر نوشین''۔ اپنے پہلو میں ایک پرفیکٹ بیوی کے ہوتے ہوئے بھی وہ پوری طرح گھوم گیا تھا۔ وہ آج بھی پانچ سال پہلے جیسی ہی تھی چاند چہرہ نہیں تھا ستارہ آنکھیں نہیں تھیں سرو قد نہیں تھا' مرمریں کلائیاں نہیں تھیں' کالی گھٹائیں نہیں تھیں لیکن کاسنی رنگ کی گھیر دار فراک' چوڑی دار پاجامے' چار انچ ہیل' ہم رنگ چشمے میں میک اپ کے بغیر بھی وہ پرفیکٹ تھی۔ چشمے کے ساتھ بھی پانچ فٹ قد کے باوجود بھی سانولے رنگ کے ساتھ بھی' جیولری کے بغیر بھی' وہ پرفیکٹ تھی' ڈبل اسٹوری گھر تھا اس کا گاڑی تھی اس کے پاس' ایک بینڈ سم جاب تھی' انتہائی پرکشش سیلری تھی ہر چیز تھی ہر وہ چیز جو فاران کے پاس تھی' ہر وہ چیز جن کی وجہ سے فاران نے اسے دھتکار دیا تھا' اس لمحے اسے جو یاد آیا وہ صرف یہ تھا کہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی اس ناقابل تسخیر لڑکی نے اسے چاہا تھا۔

''کیا اب بھی چاہتی ہو گی؟'' دل میں خواہش ابھری جواب لینے کے لئے اس کی طرف چلا آیا' امبر کی آنکھوں میں بھرتا پانی اس کی محبت کی گواہی دے گیا۔ نہ جانے کیوں عجیب سی سرشاری ہوئی تھی اسے۔

''ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟'' فاران نے پوچھا۔

''میرے جیسا ملے گا تو کروں گی''۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال گئی تھی' فاران بول نہ سکا امبر کی بے تاب نگاہیں اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ وہاں صرف فاران کو دیکھنے آئی تھی لیکن فاران کے علاوہ وہ وہاں موجود ایک اور کی نظروں میں آ گئی۔ ارسلان مرزا' جو اپنے دوستوں میں عیاش' مشہور تھا جسے آج تک لفظ صحیح لکھنا نہیں آیا تھا' وہ ایک راجہ تھا جس کی کنیزوں کی لسٹ کافی لمبی تھی لیکن ان میں سے رانی کوئی بھی نہیں تھی اور جسے اس نے اپنی رانی بنانے کے لئے چنا وہ تو پہلے سے ہی رانی تھی۔

''ہمیں تو معلوم ہی نہیں تھا کہ سرکار اتنے خوبصورت ہیں''۔ اس حصار اس کے لہجے سے ہی واضح تھا۔

''لیکن افسوس سرکار تمہارے حرم کی زینت قطعاً نہیں بننے والے''۔ امبر اسے اچھی خاصی چوٹ کر گئی تھی۔ اس دن فاران نے وہ جذبہ محسوس کیا جو اپنے گزرے سالوں میں آج تک نہیں کیا تھا حسد۔ جسے رشک بھی کہتے ہیں' جسے جلن بھی کہتے ہیں جسے رقابت بھی کہتے ہیں' شادی کے کئی سال بعد بھی وہ اولاد جیسی نعمت سے محروم تھا' اسی خامی کو کمی بنا کر وہ امبر کی طرف مڑ گیا' وہ اس پرفیکٹ لڑکی کی محبت تھا اب اس بات کا غرور ہو گیا' اس کا کسی اور کے ساتھ کھڑے ہونا بھی برداشت نہ ہوتا' بات کرنا بھی برداشت نہ ہوتا' رفتہ رفتہ یوں ہوا کہ وہ پانچ سال پہلے والی امبر نوشین جیسا ہو گیا' اسے اپنے دل میں اتار کے اس جیسا ہو گیا بڑے حق سے اس نے امبر کو اپنی پلکوں میں چھپا لیا' یوں جیسے بنی ہی اس کے لئے ہو' بھول گیا کہ وہ شادی شدہ تھا بھول گیا کہ ماضی میں اسے دھتکار چکا تھا' بھول گیا کہ امبر اس کے علاوہ کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆

''یہ کیا کر رہی ہو تم؟'' آنکھوں میں درد لئے اس کے پاس آیا تھا۔

''وہی جو آپ نے کیا تھا شادی''۔ امبر کو پانچ سالوں کی اذیتیں یاد آئی تھیں۔

''وہ تمہارے قابل نہیں ہے امبر''۔ اس کا دل رویا تھا۔

''تو پھر کون ہے میرے قابل؟ آپ تو نہیں ہیں ناں آپ تو بہت بلند ہیں مجھ سے''۔ فاران چپ چاپ لوٹ آیا امبر کو سب نے روکا' ہر دوست نے ہر کولیگ نے گھر والوں نے ہر مخلص انسان نے کہا کہ ارسلان سے شادی نہ کرو لیکن۔ اسے شاید درد سہنے کی عادت ہوگئی تھی' فاران کی آنکھوں سے نکلتے حسد کے شرارے اور بے بسی کے آنسو دیکھنے کی عادت ہوگئی تھی سبھی ہر مشورے' ہر نصیحت کو ٹھوکر مار کر اس نے ارسلان سے شادی کر لی۔

''واقعی مجھے نہیں پتہ تھا کہ سرکار اتنے خوبصورت ہیں''۔ اسے بانہوں میں سمیٹتے گھونٹ گھونٹ اندر اتارتے ہوئے بھی وہ باز نہیں آیا تھا' پہلی رات ہی وہ اس کے آگے ہار گیا۔

''پچھلے 28 سال جو کیا سب بھلا دیا' آج سے ہر ہر لمحہ صرف تمہارا ہے''۔ اس کے لبوں پر داستانیں لکھتے ہوئے وہ اسے وعدوں کی ڈور تھما رہا تھا' وفا کا رس سنا رہا تھا' محبت کی قسم کھا رہا تھا' عشق کا عہدے رہا تھا' شادی کے بعد آتشی گلابی فراک پہنے جیولری اور میک اپ سے سج کے ارسلان کا بازو تھامے وہ کسی کولیگ کی طرف سے دی گئی دعوت میں آئی تو فاران وہاں موجود تھا' خاموش لبوں سے دہائیاں دیتا ہوا' خشک آنکھوں سے آنسو بہاتا ہوا۔

''بدلہ لے رہی ہو ناں؟'' اس کا لہجہ ہی ٹوٹا ہوا تھا۔

''فاران بھول جائیں مجھے''۔ وہ نظریں چرا گئی۔

''جس دن تم مجھے بھول گئیں ناں اس دن میں بھی بھول جاؤں گا''۔ نم آنکھوں سے کہتا وہ اس کے اندر طوفان مچا گیا تھا' وقت نے کروٹ لے لی اور فاران احمد پاگل سے پاگل ہوتا چلا گیا' ارسلان نے اس پہ چاہت بکھیرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن فاران کی آنکھوں نے بھی التجائیں کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور جب فاران کا درد انتہاؤں پر پہنچ گیا تو ہر حد پھلانگتے ہوئے اس کے گھر جا پہنچا۔

''کیوں کر رہی ہو ایسے؟'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''آپ نے بھی تو یہ ہی کیا تھا''۔ امبر کے آنسو نکلے۔

''تب نہیں معلوم تھا مجھے کہ تم''۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''کہ تم.....؟'' امبر سوالیہ لہجے میں بولی۔

''کہ تم پہلی دفعہ ہی میں زیر کر لینا جانتی ہوں' تب ملا نہیں تھا میں تم سے تب ایسی نہیں تھیں تم' تم جتنی بار کہو گی میں معافی مانگ لوں گا لیکن''۔ امبر کے چہرے کو تھامے اس کے ہاتھوں کی انگلیاں لرز رہی تھیں فاران کے آنسو بے دریغ امبر کا چہرہ بھگو رہے تھے۔

''میں نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر''۔ وہ روتے ہوئے اس کے سینے سے لگی تھی اور اس رات ارسلان پہلی بار شوہر بن گیا۔

''دوبارہ نہیں ملو گی تم اس سے''۔ اس کا ہاتھ امبر کے چہرے کو رنگین کر گیا تھا لیکن اس درد کے لئے ہی تو شادی کی تھی اس نے سو باز نہیں آئی' ارسلان کے لفظوں میں سختی اور ہاتھوں میں تیزی آتی گئی۔

''تم چھوڑ کیوں نہیں دیتیں اسے''۔ امبر کے زخموں پہ لبوں سے مرہم لگاتا وہ رو پڑتا۔

''آپ اپنا کیں گے مجھے؟'' وہ پوچھتی۔

''سو بار ہزار بار لاکھ بار''۔ وہ اسے سمیٹ لیتا بات فاران کی بیوی تک بھی پہنچ گئی۔

''اگر آپ اولاد کے لئے دوسری شادی کرنا

چاہ رہے ہیں تو تھوڑا رک جائیں علاج مکمل ہوتے ہی اللہ رحم کر دے گا''۔ اس نے ہر ممکن کوشش کی تھی۔

''میں اس سے پیار کرتا ہوں''۔ وہ بولا تھا۔

''میں بھی آپ سے پیار کرتی ہوں''۔ وہ بھی بولی تھی۔

''تو تمہیں چھوڑ تو نہیں رہا' صرف اسے اپنا رہا ہوں''۔ اور جب ارسلان کے دیئے زخموں کا بوجھ حد سے بڑھ گیا' جب فاران سے بدلہ لیتے لیتے تھک گئی جب ایک بار پھر پانچ سال پہلی والی امبر نوشین بن گئی تو اس نے طلاق کا مطالبہ کر دیا' سب جانتے تھے کہ ایسا ہوگا' سب جانتے تھے کہ ارسلان کیسا ہے' سب جانتے تھے کہ ارسلان غلط ہے' سب جانتے تھے کہ وہ اپنی بیوی پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ لیکن ارسلان نے اسے طلاق نہ دی۔ اس نے خلع لے لیا لیکن اس سے پہلے کہ کچھ فائنل ہوتا وہ ایک بیٹے کی ماں بن گئی ارسلان نے اس کے قدموں میں بیٹھ کر اسے منایا۔

''خدا کی قسم تم سے پیار نہ کرتا ہوتا تو ایک لمحہ نہیں لگاتا تمہیں چھوڑنے میں' نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر تبھی تو التجائیں کر رہا ہوں میرے لئے نہ سہی اپنے بیٹے کے لئے ہی واپس آ جاؤ''۔ وہ شاید واپس نہ جاتی اگر فاران کی بیوی اس سے نہ ملتی۔

''تمہاری محبت یا شرافت پہ کوئی شک نہیں ہے مجھے مجھ سے زیادہ قابل عزت ہو تم' صرف میرے شوہر کے لئے ہی نہیں' پورے شہر کے لئے' تمہیں اس پانچ سالہ پاکیزہ محبت کا واسطہ' میری جڑواں بیٹیوں کے سر سے سائبان مت چھینو''۔ اور ظالم تو شاید وہ کبھی بھی نہیں تھی چھین کر تو آج تک اس نے ایک ذرہ تک نہیں لیا تھا کسی کو رلا کر تو شاید وہ ایک لمحہ بھی نہ خوش رہ پاتی ایک طرف فاران تھا اس کی محبت' جسے پا کر شاید ہر کسک مٹ جاتی' اور دوسری طرف اس کا بیٹا تھا اس کا شوہر تھا ایک معصوم لڑکی کا گھر تھا' اور یہ سب اس کی محبت کی بھینٹ چڑھ جاتا۔

''مجھے لے جاؤ''۔ اس کے فون پر ارسلان خوشی سے نہال ہو گیا تھا فاران بلکتا ہوا اس کے پاس آیا۔

''امبر میں مر جاؤں گا''۔ اسے گلے لگاتے ہوئے بولا تھا۔

''نہیں فاران' کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا' اپنی بیٹیوں کی نظر میں سرخرو ہوں''۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

''تم نے معاف نہیں کیا ناں مجھے؟'' وہ بولا۔

''میں نے محبت کی ہے آپ سے' معافی کہاں سے آ گئی''۔ وہ بھی رو دی۔

''کاش میں تم سے پہلے ملا ہوتا''۔ فاران کے آنسو اس کے بال بھگو رہے تھے۔

''تو پھر آپ کو مجھ سے محبت کیسے ہوتی؟'' وہ بولی۔

''قسم سے تمہارے علاوہ اور کسی کو یوں نہیں چاہا' اتنا نہیں چاہا' کسی کو ایسے نہیں چاہا' صرف تمہیں پیار کیا ہے اور اتنا کہ میں شمار نہیں کر سکتا' لفظوں میں نہیں بتا سکتا' میں سانس نہیں لیتا امبر' میں تمہارا نام لیتا ہوں''۔ فاران کے آنسو اس کے لفظوں کی سچائی کے گواہ تھے امبر ہولے سے اس سے الگ ہوئی ارسلان چپ چاپ دروازے میں کھڑا تھا۔

''دوبارہ میرے سامنے مت آنا''۔ اس کا ہاتھ ارسلان کے ہاتھوں میں دیتا وہ دروازہ عبور کر گیا تھا۔ یہ ہی تو ہوتی ہے محبت' جو ہر پل جلائے' ہر لمحہ سلگائے' وہ محبت ہی کیا جس میں قربانی نہ ہو۔ اگر فاران کو بھی ہو جاتی جب امبر کو ہوئی تو وہ ڈیل ہوتی لین دین ہوتا محبت نہیں ہوتی۔

☆.....☆.....☆

عائشہ انصاری

افسانہ

اسٹولر

''رمشہ! تمہارا وہ اسٹولر کہاں ہے؟ جو میں نے پچھلے ہفتے لے کر دیا تھا''۔ پروا نے اپنی چھوٹی بہن سے پوچھا جو نوٹس بکھیرے پڑھنے میں مشغول تھی وہ ٹھٹکی۔

''وہ..... آپی وہ تو''۔ رمشہ گڑبڑا گئی وہ اب پروا کو کیا جواب دیتی وہ تو خود اس بات سے نظریں چرا رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ خراب ہو گیا یا پھٹ گیا' گھبرانے کی کیا بات ہے اس میں' وہ تو میں اس لئے پوچھ رہی تھی کہ تمہیں پہنا نہیں دیکھا کچھ روز سے''۔ پروا کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے مصروف سے انداز میں گویا ہوئی تو رمشہ خاموش رہی۔

''چپ کیوں ہو' کوئی پریشانی ہے' پیسے چاہئیں''۔ پروا سے رہا نہ گیا' وہ اٹھ کر اس کے پاس چلی آئی۔ رمشہ یوں بھی چپ نہ رہتی تھی وہ شوخ و چنچل ہنس مکھ لڑکی تھی ہر بات کا جواب دو بدو دیا کرتی تھی' اب اس کی چپ پر وہ ٹھٹکی تھی۔

''آپی وہ..... اسٹولر میری دوست ثناء کو پسند آ گیا تھا' تو اس نے مجھ سے لے لیا''۔ رمشہ نے نظریں چرا کر جواب دیا۔

''او چلو کوئی بات نہیں' میں تمہیں اور لے دوں گی''۔ پروا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

''نہیں کوئی بات نہیں' میرے پاس ابھی دو ہیں' جب ضرورت ہوئی تو بتا دوں گی''۔ رمشہ نے کہا اور اس کا چہرہ غور سے دیکھا جہاں کوئی واضح تاثر نہ تھا۔

''ہوں.....'' پروا مسکرا دی اور کمپیوٹر آف کر کے شام کی چائے بنانے باہر چلی آئی اس نے وہ اسٹولر رمشہ کو گفٹ دیا تھا کہ وہ خوش ہو جائے گی اور اس کو ضرورت بھی تھی وہ کالج عبایا پہن کر جاتی تھی' جس کے ساتھ وہ اسٹولر پہنتی تھی مگر اس نے آگے وہ اسٹولر اپنی دوست کو دے دیا یہ بات حقیقتاً پروا کو ہرٹ کر گئی تھی مگر وہ چپ رہی وہ اسٹولر اس کو نجانے کیوں اچھا لگنے لگا تھا اسے افسوس ہوا وہ دوبارہ کبھی اس اسٹولر کو پہن نہیں سکے گی۔

☆☆☆☆

''مس پروا! سیون اسٹار انڈسٹری کی فائل آپ کے پاس ہے نا' اس پروجیکٹ پر جو کام رہتا ہے وہ آج وائنڈ اپ کرنا ہوگا' باس کو آج وہ فائل کمپلیٹ چاہئے' سو پلیز فائلز لے کر آپ میرے روم میں تشریف لے آئیں''۔ ہشام باری اس کے کیبن کے پاس کھڑا کہتا ہوا اس کا جواب سنے بغیر چلا گیا۔

''ہوں..... سمجھتا پتہ نہیں کیا ہے خود کو' حکم دینا آتا ہے بس''۔ پروا اس کے انداز پر کھول اٹھی' کم از کم اس کا جواب تو سن لیتا کہ وہ ابھی فری ہے کہ نہیں مگر نہیں اسے تو بس اپنی بات سنانے کی عادت ہے وہ پروجیکٹ کی فائلز ناراضی سے اٹھا کر اس کے روم میں چلی آئی' وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ کر فائلز کھول کر اس سے ڈسکس کرنے لگی' وہ ہمیشہ کی طرح اپنے خاص اسٹائل میں تھی' سادہ قمیض شلوار پر

پرنٹڈ دوپٹہ گلے میں ڈالے اور سر پر اسٹائلش طریقے سے اسٹولر پہنے وہ سانولی مگر کھلتی رنگت کی لڑکی دلکش لگ رہی تھی' پرکشش نقوش اور محتاط انداز اسے سب سے الگ رکھتے تھے' اس کے ساتھ کام کرنے والے میل کولیگ اس سے دوستی' بات کرنے کی کوشش کرتے مگر وہ ریزور رہتی' اور سامنے بیٹھا یہ واحد بندہ تھا جو اس سے مکمل لاپرواہی برتتا تھا اور پروا کو یہ ہی بات اس کی زیادہ پسند تھی وہ اس پر اعتماد کر سکتی تھی۔۔

''مس پروا یہ اس پروجیکٹ کی پریزنٹیشن ہے اگر آپ کو اس میں کچھ چینجنگ کرنا مناسب لگے تو آپ دیکھ لیں''۔ ہشام باری نے لیپ ٹاپ اس کے سامنے کرتے ہوئے پروفیشن انداز میں کہا تو وہ لیپ ٹاپ پر نظریں مرکوز کئے اپنا آئیڈیا دینے لگی' وہ غور سے اس کی بات سن رہا تھا کہ اس کے چہرے پر نظر پڑی اور وہ اسے دیکھتا چلا گیا' وہ چہرہ مکمل اداسی اور افسردگی کا پیکر لگ رہا تھا' ہشام باری اس کے چہرے کی اداسی میں کھو گیا' وہ اس کے بائیں سائیڈ پر کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔

''مسٹر ہشام باری میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں''۔ پروا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' وہ ٹھٹکا۔

''ہوں..... یو آر رائٹ''۔ وہ فوراً سنبھل کر بولا۔

''تو فائنلی یہ پروجیکٹ بھی ریڈی ہو گیا بس' باس ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہماری محنت دیکھ کر خوش ہوں گے''۔ وہ سوچ کر خوش ہوتی ہوئی بول رہی تھی جبکہ ہشام باری ایک عجیب سے احساس میں گرفتار ہو گیا تھا' وہ اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

''ہوں..... ایسا ہی ہوگا''۔ اس کے عنابی ہونٹوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی' پروا نے چونک کے اسے دیکھا وہ شاید پہلی بار اس سے بات کرتے ہوئے مسکرایا تھا' اس کی مسکراہٹ پرکشش تھی پھر وہ جتنی دیر اس کے ساتھ کام کرتی رہی تھی اس نے ہشام باری میں کچھ تبدیلی محسوس کی تھی وہ گاہے بگاہے اسے دیکھ رہا تھا مگر اس کی نظروں میں احترام تھا عورت خود پر پڑنے والی اچھی بری نظر پہچان لیتی ہے اسے ہشام باری کا یوں دیکھنا چونکا گیا تھا اچھا تو نہ لگ رہا تھا مگر اس کے دیکھنے سے وہ خود کو غیر محفوظ بھی نہ محسوس کر رہی تھی ان آنکھوں میں ہوس نہ تھی لیکن اس احساس کو وہ کوئی نام بھی نا دے سکی تھی وہ جلد از جلد کام ختم کر کے اپنے کیبن میں جانا چاہتی تھی پھر بالآخر کام ختم ہو گیا وہ اٹھی اور فائلز سمیٹتی ہوئی جانے لگی پر اس کی آواز پر وہ رک کر ہشام باری کو دیکھنے لگی۔

''یہ اسٹولر آپ پر اچھا لگ رہا ہے''۔ وہ اس سے اس بات کی ہرگز توقع نہ کر رہی تھی وہ جانتی تھی ہشام باری کو۔ وہ اس کے ساتھ ایک سال سے کام کر رہی تھی مگر اس نے اسے کبھی غلط نہ پایا تھا بلکہ آفس کی گرلز ورکر اس سے دوستی کرنے کی کوشش کرتی تھیں اور وہ ان سے دور رہتا' لیکن کیا وہ اب اس سے فلرٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہے یا؟ وہ نا سمجھی سے اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

''ایکسکیوزمی''۔ اسے لگا وہ غلط سن پائی ہے۔

''تھنک' آپ جا سکتی ہیں''۔ وہ فوراً بولا اور اپنے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا' پروا اپنے کیبن میں آ کر کافی دیر تک سوچتی رہی ہشام باری جیسا ڈیسنٹ بندہ اس طرح کی حرکت کر سکتا ہے' اس کے ذہن میں سوچیں جنم لے رہی تھیں۔

''ہوں..... مجھے کیا اور ہو سکتا ہے اسے یہ اسٹولر اچھا لگا ہو اور اس نے یوں ہی کہہ دیا ہو آخر وہ بھی انسان ہے اسے بھی کچھ اچھا لگ سکتا ہے۔ میں کیوں اس کے بارے میں سوچ رہی ہوں''۔ وہ سوچوں کو پرے دھکیل کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆☆

پروا اور رمشہ اپنے امی ابو کے ساتھ ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی تھیں' امی ٹیچر تھیں اب وہ گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھایا کرتی تھیں اور پروا آفس میں کام کرتی جبکہ رمشہ ابھی کالج میں پڑھ رہی تھی ابو کی دکان تھی جو آئے دن بند رہتی تھی گھر کا خرچ ٹیوشن اور پروا کی تنخواہ سے ہوتا تھا وہ دونوں تیار ہو رہی تھیں صبح کے آٹھ بجنے والے تھے۔

''آپی..... آپ یہ اسٹولر پہن لو اس کے ساتھ کتنا میچ کر رہا ہے''۔ رمشہ نے اپنا اسٹولر پروا کو دیتے ہوئے کہا جو کل ہی پروا اس کے لئے لائی تھی۔

''نہیں یہ تمہارا ہے اور تم نے تو ابھی استعمال بھی نہیں کیا۔ میں پہلے کیسے لے لوں؟'' پروا نے اسٹولر دیکھ کر کہا اور بالوں کا جوڑا بنانے لگی۔

''تو کیا ہو گیا میری ہر چیز پر آپ کا حق ہے' بس یہ پہن لیں میچ ہو رہا ہے' میں پھر لے لوں گی''۔ رمشہ نے خود پر پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے کہا۔ یہ ان دونوں کا مشترکہ کمرا تھا جہاں سامان کے نام پر دو سنگل بیڈ اور ایک ڈریسنگ ٹیبل تھا جس پر کچھ پرفیومز اور میک اپ کا سامان رکھا تھا یہ سب رمشہ کا تھا پروا یہ سب کم و بیش ہی استعمال کرتی تھی' پروا نے اسٹولر اوڑھ لیا تھا۔

''دیکھو تو میری سانولی سلونی سی بہن کتنی پیاری لگ رہی ہے''۔ رمشہ نے آئینے کے عکس میں اسے دیکھ کر کہا وہ مسکرا دی' پروا کی سانولی مگر کھلتی رنگت تھی وہ پرکشش لڑکی تھی۔

''اچھا بس مکھن نہ لگاؤ یہ رکھ لو ضرورت پڑ سکتی ہے''۔ پروا نے روزانہ کی طرح کچھ پیسے اسے دیئے جو اس نے کالج بیگ میں رکھ لئے تھے جب کبھی پروا اسے پیسے نہ دیتی تو وہ سمجھ جاتی کہ اس کے پاس بھی پیسے ختم ہو گئے ہوں گے۔

''تو چل دی ہماری بیٹی لوگوں کو یہ دکھانے کہ اس کا باپ بے غیرت ہے گھر میں پڑا ہے اور یہ کام کرنے جاتی ہے بیوی بیٹی کی کمائی پر چلتا ہے مگر کوئی کیا جانے یہ سب اپنے شوق سے کرتی ہے میں تو دکان سے جولاتا ہوں گھر پر خرچ کر دیتا ہوں زیادہ نہ صحیح دو وقت کی روٹی تو کھلاتا ہوں مگر ان کو تو مظلومیت کا ٹیگ لگانا ہے خود پر''۔ روز کی طرح ابو پھر ان کو دیکھ کر شروع ہو گئے تھے وہ اپنا فرض سمجھ کر روزانہ یہ کام سرانجام دیتے تھے۔

''ہوں..... دو وقت کی روٹی آج ہی میں گھر بیٹھ گئی نا تو ایک وقت کی روٹی کھانا بھی مشکل ہو جائے گا' ان کا دل نجانے کیوں اتنا سخت ہے اپنی اولاد اور بیوی کو ذلیل کرنے کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں انہیں''۔ پروا کچن میں آ کر آہستگی سے گویا ہوئی۔

''ان جیسے بے ضمیر لوگوں کا دل نہیں دکھتا پروا آپی! پتہ نہیں امی نے اتنے سال کیسے گزار دیئے ان کے ساتھ''۔ رمشہ بھی بڑبڑائی تھی' امی نے انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا اور سوچنے لگیں کہ وہ اتنے سال خود کی ذات کی نفی کر کے صرف اپنی اولاد کی خاطر ان کے ساتھ رہ رہی ہیں اکیلی عورتیں اس معاشرے میں سکون سے نہیں رہ سکتیں وہ جیسے بھی تھے ان کے محرم تھے اور محافظ بھی' مرد جیسا بھی ہو اپنی عورت کی عزت کا محافظ بن جاتا ہے۔ وہ دونوں روز ابو کی باتیں سن کر دل برداشتہ سی گھر سے نکلتی مگر اپنی منزلوں تک پہنچنے سے پہلے خوشدلی کا لبادہ اوڑھ لیتی تھیں۔

☆☆☆☆

''گرلز کیونکہ آج کالج کا آخری دن ہے تو جن جن کے نوٹس کے پیسے رہتے ہیں وہ سبمٹ کروا دیں''۔ سی آر نے کلاس میں داخل ہو کر سب کو متوجہ کیا ان کے پیپر شروع ہونے والے تھے اس لئے ان کو فری کیا جا رہا تھا کالج سے۔ رمشہ پریشان

ہوگئی اس کے پاس پیسے نہیں تھے مہینے کے آخری دن چل رہے تھے اور ان دنوں تو ان کے گھر کھانا بھی مشکل سے بنا کرتا تھا وہ فکرمندی سی سوچ رہی تھی پھر اللہ سے دعا کرنے لگی۔

''رمشہ یار! چلو کینٹین چلیں مجھے بھوک لگ رہی ہے''۔ سی آر کہہ کر جا چکی تھی چھٹی سے پہلے پیسے جمع کروانے تھے تب ہی ثناء نے اسے کہا۔

''نہیں یار! مجھے تو ذرا بھوک نہیں لگی تم چلی جاؤ''۔ رمشہ اپنی بکس بیگ میں رکھنے لگی اور عبایا اسٹولر اٹھا کر کھڑی ہوئی۔

''واہ یہ کتنا پیارا اسٹولر ہے' کہاں سے لیا''۔ ثناء کی نظر اسٹولر پر پڑی تو اس سے پوچھنے لگی اور خود پر اوڑھ لیا۔

''پروا آپی لے کر آئی تھیں مارکیٹ سے''۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''بہت اچھا لگ رہا ہے کھلا کھلا سا رنگ ہے مہرون اور پرنٹ بھی زبردست''۔ ثناء نے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں اچھا لگا تو تم رکھ لو ثناء''۔ رمشہ نے خوش دلی سے کہا' ان کی دوستی زیادہ عرصے سے نا تھی مگر کچھ ہی عرصے میں کافی گہری ہوگئی تھی وہ دونوں ایک دوسرے سے چیزیں شیئر کرلیتی تھیں۔

''نہیں ایسے اچھا تھوڑی لگتا ہے''۔ ثناء بے دلی سے اسٹولر اسے واپس کر کے بولی۔

''یہ کیا' ہم میں یہ تکلف کب سے آ ٹپکا' رکھ لو میری دوست''۔ رمشہ نے وہ اسٹولر اسے دیتے ہوئے کہا تھا۔

''پھر ایک شرط پر میں اس کے پیسے دوں گی''۔ ثناء کہتی ہوئی فوراً اپنے والٹ سے پیسے نکال کر بولی۔

''یہ کیا بات ہوئی تم''۔ رمشہ نے شرمندہ ہو کر کہا مگر ثناء نے بات کاٹ دی۔

''تم نے بھی مارکیٹ سے خریدا ہے نا تو میں تم سے خرید رہی ہوں بس اب چپ کرو اور یہ رکھو ورنہ میں تم سے بات نہیں کروں گی''۔ ثناء نے اسے 300 روپے دیئے۔

''میرے پاس ابھی اتنے ہی ہیں باقی ادھار رہے مجھ پر''۔ ثناء نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں یہ ہی اس کی قیمت ہے مگر مجھے اچھا نہیں لگ رہا ثناء''۔ رمشہ نے دوبارہ شرمندگی سے کہا مگر ثناء لاپرواہی سے بات بدل گئی۔ رمشہ سوچ رہی تھی کہ وہ نوٹس کے پیسے کہاں سے دے گی' اسے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیا تھا مگر اللہ کی ذات اپنے بندوں کے لئے وہاں سے وسیلہ پیدا کرتی ہے راستہ دکھاتی ہے جہاں سے انہیں گمان بھی نہیں ہوتا' نوٹس کے پیسے بھی اتنے دینے تھے اس کا یقین اللہ کی ذات پر اور بڑھ گیا' وہ شکوے کیا کرتی تھی کہ سب کے باپ ایسے ہوتے ویسے ہوتے اور اللہ نے ان کے لئے کیسا باپ دیا' اللہ اپنی پیارے بندوں کو آزماتا ہے وہ اپنے آنکھوں کی نمی چھپانے کے لئے بے وجہ اپنا بیگ ٹٹولنے لگ گئی۔

☆☆☆☆

''مس پروا! سی سائیڈ پروجیکٹ کی فائل آپ کے پاس ہے''؟ ہشام باری اس کے پاس کچھ فاصلے پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''وہ تو داؤش کے پاس ہے آپ کو بتایا تو تھا کل''۔ پروا نے حیرت سے اسے دیکھ کر جواب دیا ابھی کل ہی تو واضح طور پر اس موضوع پر بات ہوئی تھی۔

''او ہاں..... سوری ذہن سے نکل گیا''۔ وہ شرمندگی سے بولا۔ پروا آج کل ہشام باری کی حرکتوں کو نوٹ کر رہی تھی وہ کچھ عجیب ہوگیا تھا۔ پر اعتمادی سے بات کرنے والا اس سے بات کرتے ہوئے کچھ کنفیوژ ہو رہا تھا مگر کیوں؟

''آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟'' وہ کچھ لمحوں بعد گویا ہوئی اسے وہیں کھڑا دیکھ کر۔

''ہوں..... ہاں..... وہ آپ نے لنچ کرلیا''؟ وہ بے ربط سا بولا' یہ سوال اس نے اتنے عرصے میں پہلی بار پوچھا تھا اسے حیرت کے جھٹکے لگ رہے تھے۔

''جی نہیں بس جا ہی رہی تھی''۔ وہ اس کی طرف غور سے دیکھ کر بولی وہ الجھا ہوا لگا۔

''پھر ساتھ ہی چلتے ہیں' دراصل مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے''۔ وہ خود میں ہمت جمع کر کے پراعتماد سا بولا' وہ جو بات کرنا چاہ رہا تھا اس نے ایسی باتیں کسی کے لئے سوچی بھی نہ تھیں مگر اچانک اس کی سوچوں کا محور بدل گیا تھا' پروا اپنا کام ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆☆

''کیا آپ جانتے ہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' پروا اس کی بات سن کر حیرت زدہ سی بولی وہ اس سے ایسی بات کی ہرگز توقع نہ کر رہی تھی۔

''جی میں نے بہت سوچا اس بارے میں میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ مجھے آپ سے عشق ہوگیا اور میں آپ کے بغیر رہ نہیں سکتا' ہاں یہ سچ ہے کہ میں آپ کو پسند کرنے لگا ہوں آپ دوسری لڑکیوں سے مختلف ہیں اپنے کام سے کام رکھنے والی اور مضبوط کردار کی مالک' میں ہمیشہ سے اپنی زندگی کی ساتھی میں ایسی خوبیاں دیکھنا چاہتا تھا جو آپ میں ہیں' اس بات کا مجھ پر اچانک کچھ دن پہلے انکشاف ہوا ہے' میں ہرگز آپ کو مجبور نہیں کروں گا مگر آپ کو کہیں تو شادی کرنی ہے تو میں کیوں نہیں؟'' اس نے پروا کی بات کا جواب تفصیل سے دیا تھا' سبز رنگ کے اسٹولر میں اس کی پیلی رنگت میں گھلی اداسی چھائی ہوئی تھی اور اسی اداسی نے اسے اس کی طرف متوجہ کیا تھا' تیکھے نقوش اداسی کا لبادہ اوڑھے رکھتے تھے پروا نے اس کی چمکتی آنکھیں دیکھی وہ ان آنکھوں کی چمک کو تاریک نہیں کرنا چاہتی تھی مان سے دیکھتی آنکھوں کو اس نے نظرانداز کیا۔

''مسٹر ہشام باری! میں یہاں کام کرنے آتی ہوں اپنے رشتے ڈھونڈنے نہیں' میرے نزدیک میری عزت نفس اہم ہے میں خود پر لگنے والے الزام سچ ثابت نہیں کرسکتی' آپ سے شادی کر کے میرے خاندان والے مجھ پر جو باتیں کستے ہیں میں وہ سب سچ کیسے کردوں حالانکہ میں نے کوئی ایسا کام کیا بھی نہیں' آج کے بعد آپ مجھ سے ایسی بات مت کریئے گا ورنہ میری روزی کمانے کا یہ ذریعہ مجھ سے چھوٹ جائے گا''۔ پروا نے دل میں اٹھتی خوشی کی ننھی کونپلوں کو اکھاڑ پھینکا۔ بلاشبہ یہ سامنے بیٹھا شخص دھتکارے جانے کے قابل نہ تھا مگر وہ خاندان والوں کو اپنی ذات پر کچھ بولنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

''صرف لوگوں کی وجہ سے آپ ایسا کہہ رہی ہیں یا یہ آپ کا اپنا فیصلہ ہے؟'' ہشام باری کے الفاظ نے اس کو اٹھنے سے روک دیا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا آپ اچھے انسان ہیں مگر میں جس کلاس سے تعلق رکھتی ہوں وہاں یہ بات بہت اچھالی جائے گی اور میں اپنے امی اور ابو کی عزت پر حرف بھی نہیں آنے دوں گی''۔ اس نے حتمی انداز میں کہا تھا۔

''یہ کوئی بری بات تو نہیں کہ آفس کے لڑکے سے شادی ہوجائے''۔ وہ اس کے بے تکے جواز پر بولا۔

''ہوں..... بری بات نہیں مگر میں پہلے ہی مشکل سے جاب کرتی ہوں اور اس پر بھی لوگوں کی باتیں اور نظریں برداشت کرنی پڑتی ہیں' اور آپ سے شادی کا مطلب ہوگا میں آفس میں افیئرز چلاتی رہی تھی اور یہ بات''۔ وہ کپ کے کناروں پر

انگلی پھیرتے ہوئے بول رہی تھی۔

''میں جانتا تھا آپ خود سے زیادہ دوسروں کے بارے میں سوچتی ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے اس لئے میں نے اس بارے میں حل سوچا ہوا ہے' اگر آپ محض اس وجہ سے انکار کررہی ہیں تو یہ سراسر حماقت ہوگی''۔ وہ نرم لہجے میں گویا ہوا اس کی بات پر وہ چونکی۔

''مطلب کیا حل سوچا ہوا تھا آپ نے؟''

کپ کے کنارے پر حرکت کرتی انگلی ٹھہر گئی اسے دیکھتے ہوئے پوچھا گیا۔

''آپ نے وہ مہرون اسٹولر دبارہ کیوں نہیں پہنا' پتہ ہے اس دن کے بعد مجھے وہ رنگ اچھا لگنے لگا ہے''۔ ہشام باری نے اس کی آنکھوں میں جھانکا پروا منہ کھولے حیرت سے اسے دیکھنے لگی وہ اس کی بات نا سمجھی تھی۔

''ویسے آپ وہ اسٹولر پہنتی بھی کیسے جبکہ وہ اپنی اصل جگہ پر ہے' یعنی میرے گھر پر''۔ وہ دوبارہ بولا بلکہ انکشاف کیا۔

''جی..... میں آپ کی بات نہیں سمجھی''۔ وہ الجھی۔

''آپ یہ جاب چھوڑ دیں میں کچھ عرصے بعد ہی آپ کے گھر اپنی بہن اور والدہ کو بھیج دوں گا' اس طرح کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ہم ایک ساتھ آفس میں کام کرتے تھے''۔ وہ آنکھوں میں شرارت لئے بول رہا تھا وہ اسے شاکی انداز میں دیکھنے لگی۔

''پلیز ہشام! آپ سیدھی بات کریں پہیلیاں مت بجھوائیں''۔ پروا نے الجھ کر کہا۔

''ثناء میری بہن ہے اور رمشہ نے وہ اسٹولر ثناء کو دے دیا تھا۔ چونکہ ایک دن پہلے ہی وہ اسٹولر آپ نے پہن رکھا تھا تو میرے پوچھنے پر ثناء نے بتایا۔ بلکہ یوں کہئے کہ باتوں باتوں میں اس نے آپ کی تعریفوں کے اتنے قصیدے پڑے وللہ دل تو پہلے ہی آپ کی طرف مائل ہورہا تھا اس پر ثناء کی باتوں نے مجھے یہ بات سوچنے پر مجبور کردیا کہ پروا جیسی لڑکی کو زندگی کا ساتھی بنالیا جائے''۔ ہشام باری کی باتوں پر وہ پوری آنکھیں کھولے اسے یک ٹک دیکھ رہی تھی۔

''پلیز پروا ایسے مت دیکھو ورنہ مجھے عشق ہوجائے گا''۔ اس نے شوخ لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو وہ فوراً گھبرا کر نظر جھکا گئی۔ اس کی زردی مائل رنگت شرم سے لال ہورہی تھی۔

''جب آپ نے خود ہی سارے فیصلے کرلئے ہیں تو میری کیا مجال کچھ بولوں''۔ وہ مسکراہٹ چھپا کر بولی تھی اور کپ لبوں سے لگالیا۔

''مادام! آپ کا فیصلہ ہمارے لئے بہت اہم ہے' آپ سوچ کر جواب دینا مگر اس بندے ناچیز کے احساسات کا خیالات رکھتے ہوئے فیصلہ کریئے گا''۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا' پروا مسکرادی اور کچھ کہے بغیر اٹھ کر چل دی' اس کی مسکراہٹ میں چھپا اقرار وہ جان سکتا تھا' پروا نے جاتے جاتے مڑ کر دیکھا وہ وہیں بیٹھا اسے ہی جاتا دیکھ رہا تھا' رات سونے سے پہلے اس نے رمشہ کو سب بتایا تھا وہ خوش تھی اور ایک غزل بھی اس نے اپنی ڈائری کی زینت کی تھی۔

''پانی پہ چلنا چاہتی ہوں
ہوا میں اڑنا چاہتی ہوں
محبت کی پچھی بن کر
فضا میں گم ہونا چاہتی ہوں
دنیا کے لئے جو کیا..... سو کیا
اب میں خود میں کھو جانا چاہتی ہوں
معتبر تھی دنیا..... ستم دینے سے پہلے
مگر اب میں بھی خود مختار ہونا چاہتی ہوں!''

☆.....☆.....☆

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 8

زندگی پھول ہے محبت خوشبو

آریکہ کے لیے یہ کسی جھٹکے سے کم نہ تھا۔ اس کا رشتہ حنین کے لیے آ گیا تھا۔ امی اور ابو تو خوش تھے پھر لوگ ان کے دیکھے بھالے تھے۔

مگر آریکہ کا دل نہیں مان رہا تھا، اس کو حنین کی باتیں اور انیسہ آنٹی کی باتیں دل ہی دکھا رہی تھیں۔ یعنی وہ اسے صرف کام کرنے والی سمجھتی ہیں، انہیں گھر کی ذمہ داری کو سنبھالنی والی چاہیے بہو نہیں اور حنین کو بیوی نہیں ملازمہ چاہیے۔ اس کے دل کا خون ہی ہو رہا تھا۔

آریکہ کو پتا تھا امی اور ابو کی خاطر اسے اس رشتے پر سر جھکانا ہی پڑے گا۔

''آپی! واہ، یہ تو چھکا مارا ہے آنٹی نے چلیے آپ بس اوپر سے نیچے رخصت ہو کے چلی جائیں گی۔'' ثمرہ بھی خوش لگ رہی تھی۔

''تمہیں ایک دم سے اچانک کیا ہوا کل تو بہت حنین کو برا بھلا کہا جا رہا تھا۔'' اس نے تپ کے ہی کہا۔

''کیوں آپ کو برا لگ رہا تھا۔''

''جی نہیں مجھے کیوں برا لگے گا میں تو تمہیں کہہ رہی ہوں۔'' آریکہ اپنی الماری کے کپڑے ترتیب سے تہہ کر کے رکھ رہی تھی۔

''حنین بھائی آپ کو کیسے لگتے ہیں؟''

''جیسے تمہیں لگتے ہیں مغرور بد دماغ۔'' وہ تو حنین سے ویسے ہی بہت زیادہ خائف ہوگئی تھی۔

''اگر مغرور اور بد دماغ ہوتے تو آنٹی ان کا رشتہ آپ کے لیے لے کے نہ آتیں۔'' اس نے بھی کپڑوں کو تہہ کرنا شروع کر دیا۔

''امی کو جواب جلد ہی دے دیں گی۔''

''تمہیں کیسے پتا؟'' آریکہ کا دل انجانے میں دھڑکنے ہی لگا۔

''رات ابو سے بات کر رہی تھیں، میں نے سن لیا آنٹی بھی کہہ رہی تھیں خوب سوچ سمجھ لیں پھر ہی جواب دیں۔''

''میرا دل نہیں مانتا اس رشتے کو۔''

''آپی! آپ حنین بھائی کے مزاج کی وجہ سے کہہ رہی ہیں۔ مجھے پتا ہے وہ ایسے نہیں ہیں حالات انسان کو ایسا بنا دیتا ہے پھر ان کی جاب بھی نہیں تھی لڑ کے چڑ چڑے ہو ہی جاتے ہیں۔''

''تم بڑی سائیڈ لے رہی ہو تم کر لو نا۔'' اس نے ترخ کے ثمرہ سے کہا۔

''آپ ہی ان کے ساتھ سوٹ کرتی ہیں۔ مجھ سے بڑے بھی بہت ہیں میں نے انہیں ہمیشہ بڑا بھائی ہی سمجھا ہے۔''

''میں کیا شروع سے انہیں شوہر سمجھتی تھی۔'' اس کے منہ سے غصے میں ہی نکل گیا تھا۔

''یہ تو خیر میں نہیں کہہ رہی۔'' اس نے کپڑے اٹھا کے سارے سیٹ کرنے شروع کیے۔ آریکہ نے بھی اس کی سائیڈ کا دروازہ بند کیا۔

''مجھے تو بہت ہی خوشی ہے آپ کی شادی ہوگی اتنا مزہ آئے گا۔ میں بہت اچھے اچھے کپڑے بناؤں گی۔'' ثمرہ تو بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔

آریکہ نے پھیکی سی ہنسی کے ساتھ اسے دیکھا تھا وہ کمرہ سمیٹنے لگی تھی۔ چھٹی کی وجہ سے وہ دونوں مل کر پورے گھر کی صفائی کرتی تھیں اور مشین لگا کے کپڑے بھی دھوتی تھیں۔

''تم کچن دیکھ لو میں جب تک مشین لگاتی ہوں۔ پردے دھونے ہیں۔'' وہ اپنے اور ثمرہ کے کپڑے دھونے والے سمیٹ کے باہر لے گئی ابو اور امی کے کپڑے نکالے اور اس نے دس بجے مشین لگالی، بارہ بجے لائٹ جاتی تھی اس نے دو گھنٹے میں دھونے کا سوچا تھا۔ نیچے جھانک کے دیکھا حنین ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ حنین کی بھی بے اختیار نگاہ اٹھی تو آریکہ سٹپٹا ہی گئی۔ حنین ہاتھ ہلا کے مسکرانے لگا۔ وہ گھبرا کے پیچھے ہوگئی تھی۔ اور حنین ہنسنے لگا۔

''محترمہ چپکے چپکے جھانک رہی ہیں۔ میں بھی آج گھر میں ہی ہوں اس کی چوری پورے دن پکڑوں گا۔ پھر بعد میں اسے تنگ بھی کروں گا۔'' اس کے لب مسکرا رہے تھے۔

''یہ میں نے کیا حرکت کی سمجھیں گے میں انہیں ہی دیکھتی رہتی ہوں۔'' آریکہ کی دھڑکنوں نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ اس نے پھر ساری توجہ کپڑے دھونے میں لگائی اسے کافی دیر لگ گئی۔ پانی پھر ختم ہوگیا۔ لائٹ بھی چلی گئی۔ دو گھنٹے بعد آئی تو اپنے بقیہ کپڑے دھوئے تھے۔ پانی چڑھانے کا بھی بولنا تھا ثمرہ روٹی بنا رہی تھی۔

''ثمرہ نیچے جا کے بولو پانی چڑھا دیں۔''

''ہاں ابھی جاتی ہوں برتن بھی پڑے ہیں وہ بھی دھونے ہیں۔'' اس نے سنک کی طرف دیکھا جو برتنوں سے بھرا پڑا تھا۔

''ایسا کریں آپ کھڑکی سے دیکھیں ہوسکتا ہے حرا یا آنٹی ہوں ان سے بول دیں کیونکہ پانی اوپر تو پہلے ختم ہوتا ہے ان کے آتا رہتا ہے پریشر نیچے کا زیادہ ہوتا ہے۔''

''کوئی نہیں ہے۔'' وہ جھنجلائی ہوئی ہو رہی تھی۔ کیونکہ حنین مسلسل سامنے نظر آرہا تھا۔

''اچھا یہ دو روٹیاں بنا کے آتی ہوں۔''

آریکہ پھر باہر آگئی۔ مشین برآمدے میں بنے واش روم کے باہر ہی رکھی تھی۔ کپڑے وغیرہ وہ لوگ نہیں دھوتی تھیں۔

''حنین بھائی پانی کی موٹر چلا دیں، پانی ختم ہوگیا ہے۔'' ثمرہ تو بول بھی سکتی ہیں۔''

آریکہ تو شرم سے پانی پانی ہوگئی جب کہ ثمرہ بھی جھینپ گئی کیونکہ حنین کا مزاج سنجیدہ جو لگ رہا تھا۔

''بد دماغ شخص ہے کبھی جو ہنسی کے بول لے۔'' آریکہ دانت پیس رہی تھی۔ ثمرہ کو ہنسی آرہی تھی موٹر اس نے لگنا تھا کافی دیر سے چلائی ہوئی تھی آریکہ نے ہی نہیں دیکھا نل کھول کے پانی آرہا ہے یا نہیں۔

☆.....☆

''اگر سنجیدہ ہو تو ہی بات آگے چلاؤں گی۔'' امی حنین کی طبیعت جانتی تھیں۔

''امی! آپ بار بار پوچھ کے مجھے کیوں شرمندہ کرتی ہیں۔ ایک دفعہ جب کہہ دیا تو کہہ دیا اور پھر آپ غالباً رشتے کی بات کر کے بھی آگئی ہیں اب میرے انکار کی تو گنجائش ہی نہیں۔'' وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ انیسہ اس کی مکمل رضامندی کے ساتھ یہ رشتہ کرنا چاہتی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ آریکہ اس کی طرف سے بدگمان ہو۔

''مجھے آریکہ شروع سے پسند ہی۔ لڑکیوں کو ایسا ہی سلیقہ مند اور ہر کام میں طاق ہونا چاہیے۔ میرا تو اسے دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔'' وہ آریکہ سے بہت خوش تھیں۔

''امی سوچ لیں خاندان والوں میں کوئی تو امیدوار ہوگا ہی۔'' حنین نے ڈسکوری چینل لگایا۔ امی کے سامنے تو وہ ویسے بھی احتیاط ہی کرتا تھا کوئی الٹا سیدھا چینل نہیں لگ جائے۔

''خاندان والوں کو اس وقت کب خیال آیا جب تمہارے ابو کی وفات ہوئی تھی۔''

''اوہ سوری امی! میں بھی کیا ذکر لے کے بیٹھ گیا۔ آپ ابو کے ذکر پر رونے لگتی ہیں۔'' وہ گھبرا گیا۔

''ارے بھئی کیا پکایا ہے دنیا والوں۔'' حسن کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

حنین نے تشکر بھرا سانس لیا۔ کم از کم امی ابو کے ذکر کو بھولیں گی تو ورنہ وہ رونے لگتی تھیں۔

''ہاں تمہاری ماں نوکر ہے پکا کے رکھا ہے کھالو نکال کے۔'' انہوں نے تیز لہجے میں ہی ذرا ڈپٹ کے کہا۔

''یہ حرا کدھر ہے اس سے بولیں وہ لا دے، سچ امی بہت بھوک لگی ہے۔'' وہ بھی ٹی وی والے روم میں کارپٹ پر ٹانگیں پھیلا کے بیٹھ گیا۔

''اوپر گئی ہوئی ہے آریکہ کے پاس۔'' انہوں نے بتایا۔

''آپ آریکہ باجی کو ایک ہی دفعہ لے کے کیوں نہیں آجاتی ہیں تاکہ ہمیں بھی آسانی رہے۔ سچ امی کھانا تک ٹیبل پر لگا کے دے دیتی ہیں۔'' وہ آریکہ کی تعریفوں میں لگ گیا۔

''تمہاری نوکرانی نہیں ہوگی جو تمہارے کاموں میں تمام ہوگی۔'' انہوں نے ڈانٹ دیا۔

حنین مسکرادیا جب سے رشتے کی بات چلی تھی۔ وہ بہت مطمئن تھا۔ وہ آریکہ کو کہیں اور جانے بھی نہیں دیتا جیسی اس کی سادہ مزاج طبیعت تھی اسی طرح آریکہ بھی سادہ مزاج تھی۔ اسے ایسی ہی کم گو شرمائی گھبرائی لڑکی پسند تھی۔ ایسی لڑکیاں اپنے آگے کم از کم شوہر کو سمجھتی تو ہیں۔

''انہیں دیکھیں کیسے خوش خوش مسکرا رہے ہیں۔ بے چاری کو اتنا ڈانٹتے ہیں وہ آگے سے کچھ بولتی بھی نہیں ہیں۔''

''بس رہنے دو محترمہ کی زبان اچھی خاصی ہے۔'' حنین نے اس کی بات کے جواب میں ہاتھ اٹھا کے کہا۔

''تم اسے سناتے رہو وہ آگے سے کچھ بولے بھی نہیں۔'' امی نے آریکہ کی ہی حمایت میں کہا۔

''امی! آپ تو ابھی سے اس کی حمایتی بن گئی ہیں۔ اس کے آنے کے بعد تو مجھے سائیڈ پر کر دیں گی۔'' حنین نے خفگی سے کہا۔

''ایسی ہی لڑکیاں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ وہ کتنی عزت کرتی ہے میری بیماری میں سارے کام گھر کے کر جاتی ہے۔'' وہ اس کی خوبی کی دل سے قائل تھیں۔

حنین کا سیل بج اٹھا وہ ریموٹ حسن پر اچھال کے خود اپنے کمرے میں چلا آیا۔

''یار! اس وقت نہیں آؤں گا ٹائم دیکھو دس بج رہے ہیں۔'' حنین اپنے دوست سے بات کر رہا تھا۔

''نہیں یار! آج چھٹی تھی پورا وقت گھر پر ہی رہا آرام ہی کیا ہے۔'' وہ بتا رہا تھا۔

''اوکے، اوکے۔'' اس نے بات کر کے سیل بند کیا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ رمیز اس کا جگری بچپن کا دوست تھا۔ گزشتہ دنوں ہی اس کی شادی ہوئی تھی، حنین نے جانا کم کر دیا تھا اسے اچھا نہیں لگتا تھا اور رات میں تو خاص طور پر جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ کہیں اس کی بیوی کو اعتراض نہ ہو۔

''ہوں، حنین صاحب آپ کچھ دن صبر کر لیں آپ بھی بیوی والے ہو جائیں گے۔'' وہ چینج کر کے اٹھ گیا۔ صبح آفس کے لیے وہ چھ بجے اٹھتا تھا کپڑے وغیرہ صبح ہی پریس کرتا تھا۔

''پتا نہیں آریکہ کا رسپانس کیا ہوگا وہ اس رشتے پر خوش بھی ہوگی یا نہیں۔'' حنین کو یہ خیال بھی آتے تھے۔ وہ اسے اکثر زچ بھی تو کر دیتا تھا۔

''خیر کوئی بات نہیں جب تم آؤ گی تمہیں میں منا ہی لوں گا۔ بہت پیار سے اور محبت سے۔'' اس نے آنکھیں بند کیں اور اسی کے خیالات میں کھو گیا تھا۔

''انکل آنٹی کیا جواب دیتے ہیں مجھے پتا ہے وہ دل سے تو راضی نہیں ہوگی۔ انکار ہی کرے گی۔'' اسے آریکہ کی گزشتہ باتیں بھی یاد آنے لگی تھیں۔ ایک دن اس نے کہا تھا۔

''آپ سے شادی سے بہتر میں مر جانا پسند کروں گی۔'' وہ مسکرا دیا۔

''کیسے مجھے چھپ چھپ کے دیکھ رہی تھی۔''

وہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ جب سے اس کی جاب لگی تھی وہ بہت مطمئن اور خوش تھا اس کی تنخواہ میں اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ گھر میں سکھ کے دن شروع ہو گئے تھے ورنہ وہ کتنا پریشان تھا۔ گھر کے اخراجات کرائے سے ہی ادا ہو رہے تھے۔ وہ بہت ذمے دار تھا۔ ابو کے انتقال کے بعد سے اس نے اپنی تعلیم بھی مکمل کی اور ایک کوچنگ سینٹر میں پڑھاتا تھا۔ حنین اور حرا تو بہت چھوٹے تھے۔ یہ شکر تھا مکان ان کا اپنا تھا جو ابو اپنی ہی زندگی میں بنوا گئے تھے۔ ورنہ اس دور میں مکان بنانا اور خریدنا بہت ہی مشکل تھا مگر حنین نے سوچا ہوا تھا وہ کچھ تو پراپرٹی

بنائے گا۔

☆.....☆

اس نے کھانا پینا تک چھوڑ دیا تھا۔ روئے جاتی تھی کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔ بشریٰ کو اس کی یہ حالت دیکھ کر رات دن فکر ہو رہی تھی۔

''زیادہ ہی لاڈ پیار میں سر چڑھا لیا ہے ہم تو کبھی نہ بولے اپنی شادی پر اور آج کل کی اولادوں کو دیکھو ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہیں۔'' دادی جان کو ماہا کی حرکتوں پر غصہ ہی آ رہا تھا۔

بشریٰ ساس کی بات چپ کر کے سن رہی تھیں رخشندہ نے ان کے پر سوچ اور اداس چہرے کو دیکھا۔

''اماں! بچی ہے سمجھ جائے گی اب ایسے تو پیچھے نہیں پڑ سکتے۔''

''بس رہنے دو بڑی دلہن، جتنی اس کی عمر ہے اس عمر میں تو ہمارے دو بچے ہو گئے تھے۔'' انہوں نے رخشندہ کی بات بھی رد کر دی۔

دونوں بہوئیں اپنا سا منہ لے کے بیٹھ گئی تھیں۔

بشریٰ ماہا کی ضدی طبیعت سے بہت پریشان رہنے لگی تھیں اور پھر انہیں ماہا کی دلچسپی شہزیل میں نظر آ رہی تھی وہ ماں تھیں آنکھیں رکھتی تھیں مگر انہوں نے اس بارے میں ماہا سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

''منیب سے بولو جلدی اس کے بھی ہاتھ پیلے کرو، ورنہ یہ لڑکی تو سر چڑھتی جائے گی۔''

''ابھی تو صرف رشتہ دیا ہے، اتنی جلدی تو ہم بات پکی نہیں کر سکتے۔''

''کیوں نہیں کر سکتے، صنوبر کے ساتھ ساتھ اسے بھی نمٹاؤ۔'' رحمت بی بی تو جیسے منہ پھٹ بیٹھی تھیں۔ ماہا کو رخصت کرنے کی۔

صنوبر نے سنا تو تاسف سے لب بھینچ کے رہ گئی۔ ماہا اس سے بھی تو بات نہیں کر رہی تھی کتنا سمجھا چکی تھی۔

''بشریٰ! تم دوپہر کے کھانے کا انتظام کر لو کیونکہ یہ لڑکیاں تو ایسے ہی بیٹھی رہیں گی، جب تک انہیں نہ بولو۔'' رخشندہ نے خود ہی موضوع اور ماحول کو بدلا۔

وہ بھی جیسے یہاں سے اٹھنا ہی چاہتی تھیں۔ بشریٰ کا دل بہت کٹ رہا تھا۔ پھر ساس کی ایسی باتوں نے تو انہیں کبیدگی کا شکار کر دیا تھا۔

''لڑکیوں کو تمہاری ٹی وی کمپیوٹر سے فرصت ہوگی تو کھانے پکانے پر بھی توجہ دیں۔'' رحمت بی بی کو تو موقع ملنا تھا سب کی کھینچائی کرنے کا۔

وہ دونوں اٹھ گئی تھیں۔ رخشندہ نے دیکھا بشریٰ چپ چپ سی ہو گئی تھیں۔

''بشریٰ! تم اماں کی باتوں کا اثر نہیں لو۔''

''بھابی! ماہا کو میں جانتی ہوں وہ نہیں مانے گی کیا کروں میں صنوبر کی بھی بات طے گئی ہے مجھے تو اس بچی کی بھی فکر ہے، کہیں ماہا کی ضد مسئلہ نہ کر دے۔'' انہیں تو وسوسے اور اندیشے پریشان کر رہے تھے۔

''تم فکر نہیں کرو اوپر والے نے جو سوچا ہے وہی ہوگا۔'' انہوں نے بشریٰ کو تسلی اور اطمینان دلایا۔

''آپ اماں کی باتیں تو سن رہی ہیں پتا نہیں کیوں وہ ماہا سے اتنا خائف کیوں رہتی ہیں۔'' وہ افسردہ سی گویا ہوئیں۔

''تم دیکھتی نہیں ہو شہزیل کو بھی اکثر سنا دیتی ہیں وہ بچہ اچھا ہے آگے سے کچھ نہیں بولتا ہے۔ وہ تو خود ان

لڑکیوں کے درمیان اٹھنے بیٹھنے سے گریز کرتا ہے میں دیکھ رہی ہوں اکثر وہ گھر سے زیادہ تر باہر ہی رہتا ہے۔'' رخشندہ نے کہا۔

''اماں نے شروع سے ہی شہزیل کو پسند ہی نہیں کیا ہے وہ بچہ گھر والوں سے بچھڑا ہوا ہے یہ دکھ کیا کم ہے جو اسے مزید ہم سب دکھی کریں۔'' بشریٰ کو شہزیل کا بھی ہر وقت خیال رہتا تھا۔

''اچھا تم اس وقت ماہا کو دیکھو دو دن سے کچھ نہیں کھا رہی ہے۔ ورنہ ایسے تو بیمار پڑ جائے گی۔ کچن میں دیکھتی ہوں۔'' وہ بشریٰ کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ وہ سر ہلاتی ہوئی ماہا کے روم کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

''کیا بات ہے پورے کمرے میں اندھیرا کر کے پڑی ہوئی ہو۔'' وہ اندر آئیں تو کمرے میں پردے وغیرہ سب پڑے ہوئے تھے اور وہ اندھیرے میں اوندھے منہ بیڈ پر پڑی ہوئی تھی۔

''امی پلیز! پردے پڑے رہنے دیں۔'' اس نے منہ بنا کے کہا۔ ''ماہا کیا حالت بنائی ہوئی ہے اپنا کمرہ دیکھو کیسا پھیلا کے رکھا ہوا ہے۔'' وہ ساتھ گری ہوئی چیزیں اٹھانے لگیں جو یقیناً اس نے غصے میں احتجاج کے طور پر اٹھا اٹھا کے پھینکی تھیں۔

''بیٹا! اس طرح تو کوئی نہیں کرتا اور پھر ہم تمہاری اتنی جلدی شادی تھوڑی کریں گے۔''

''امی پلیز! مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے اور صنوبر کے دیور سے تو بالکل بھی نہیں۔'' اس نے شدت سے اندر کا غصہ دبایا۔

''ہمارے گھر کی لڑکیاں ایسے نہیں بولتی ہیں۔''

''امی! ہم دقیانوسی دور میں نہیں رہ رہے ہیں۔ ہر لڑکی کو پسند نہ پسند کا پورا اختیار ہے۔ شرعی طور پر اور قانونی طور پر بھی۔'' اس نے تیز لہجے میں کہتے ہوئے ان کی بات کاٹی۔

''صنوبر نے کوئی احتجاج کیا۔''

''ضروری نہیں ہے اس نے احتجاج نہیں کیا اسے لڑکا پسند آ گیا تھا اس لیے چپ ہو گئی۔''

''صنوبر کا دیور بھی برا نہیں ہے پڑھا لکھا ہر طرح سے اچھا ہے۔''

''مگر مجھے پسند نہیں ہے اگر آپ سب نے مجبور کیا تو یاد رکھیے گا میں جان سے گزر جاؤں گی۔'' اس نے چہرے پر سختی اور غصہ لیے انہیں گویا وارننگ دی۔ بشریٰ تو لرز کے رہ گئی تھی۔ ماہا کی جنونی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔

☆.....☆

نیل فر کو ٹینشن ہو گئی تھی اگر واقعی کبھی فہر سچ مچ گھر آ گیا تو کیا ہو گا۔ شکیل احمد جو اتنا سب کچھ چھپائے ہوئے ہیں اگر سب کو خبر ہو گئی تو پورے خاندان میں طوفان آ جائے گا اور وہ اپنی ذات سے ایسی تکلیف اپنے باپ کو تو ہرگز نہیں دے سکتی۔ فہر کو کسی بھی طرح کر کے روکنا تو پڑے گا۔

''ارے بیٹا! تم کیوں کچن میں آ گئی ہو۔'' زبیدہ نے اسے یوں اچانک سے کچن میں دیکھا جو مسلسل سوچوں میں غلطاں تھی اور فرائیڈ رائس بنانے کی تیاری بھی کر رہی تھی۔

''آں ہاں۔'' وہ چونک گئی۔

''خالہ پلیز! مجھے تو کچھ کرنے دیا کریں۔ آپ کوئی کام کرنے نہیں دیتی ہیں۔ آج میں اپنی پسند کا کھانا بنا رہی ہوں۔ آپ کو چپ کر کے کھانا پڑے گا چلیے آپ باہر نکلیے۔'' نیل فر نے انہیں اپنے حصار میں لے کے

بڑے پیار بھرے لہجے میں کہتے ہوئے کچن سے نکالا تھا۔
''ارے بیٹا! کیا کرتی ہو؟'' زبیدہ کو چائنیز کھانے بالکل پسند نہیں تھے۔
''آپ پریشان نہیں ہوں، آلو قیمہ بھی بناؤں گی وہ بھی الگ ریسپی سے۔'' اس نے ان کا چہرہ مسکرا کے دیکھا۔
''بیٹا! تمہارا رنگ جل جائے گا چولہے کے آگے کھڑے ہونے سے۔''
''یہ کیا بات کی آپ انسان نہیں ہیں یہ تو زیادتی ہے نا میں کچن کی طرف دیکھتی ہی نہیں ہوں جب کہ پورا دن گھر میں رہتی ہوں۔'' نیوی بلیو پرنٹڈ کپڑوں میں اس کی سرخ و سپید رنگت اور زیادہ نمایاں ہو رہی تھی۔ گھنیری پلکیں پنک ہونٹ ایسا لگتا اس پر پنک لپ اسٹک لگی ہو۔ بلیک سلکی دراز بال اس کی پشت پر پھیلے اور زیادہ حسین لگتے تھے، زبیدہ تو اس کی نظر ہی اتارتی رہتی تھیں یہ نہیں تھا ان کی بیٹی شہوار خوب صورت نہیں تھی مگر نیل فر پر عکس اس کی ماں کا تھا جو ایرانی تھی۔ رانی خود خوب صورت ترین عورت تھی، نیل فر میں نین نقش انہی کے تو تھے۔
''خالہ! کیا بات ہے اتنی غور سے کیوں دیکھ رہی ہیں۔'' وہ جھینپ گئی۔
''مجھے تمہاری ماں یاد آ گئی بالکل تم اس کا عکس ہو۔'' ان کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔
''ہوں یہ تو ہے۔'' وہ بھی افسردہ ہوئی۔
''پتا نہیں یہ شہوار نے آج اتنی دیر کیوں کر دی۔'' انہیں یکدم شہوار کا خیال آیا جو دو بجے تک یونیورسٹی سے آ جاتی تھی اس کے پیپرز ہو رہے تھے۔ نیل فر سے بھی اس نے کتنا کہا تھا کلاس اٹینڈ نہیں کرتی تو نہ کرے! ایگزام ہی دے لے۔
''میں کال کرتی ہوں۔'' وہ ڈائننگ ٹیبل سے اپنا سیل اٹھا کے اسے کال کرنے لگی تھی۔
''کہاں ہو جلدی آؤ۔''
''اچھا، اچھا۔'' نیل فر نے اس سے پوچھا اور بند کر دیا۔
''راستے میں ہے آ رہی ہے، جب تک میں بقیہ کام تو کر لوں وہ بھوک بھوک کا شور مچائے گی۔'' اس نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا اسی دوران شہوار بھی آ گئی تھی۔
''واؤ کیا خوشبوئیں آ رہی ہیں۔'' اس نے کچن سے آتی اشتہا انگیز خوشبو کو لمبی سانس لے کے محسوس کیا۔
''فرائیڈ رائس اور چکن سوپ بھی بنایا ہے۔'' نیل فر ڈائننگ ٹیبل بھی ترتیب دے چکی تھی۔
''دن میں سوپ!'' وہ حیرانگی سے بولی۔
''کوئی جرم نہیں ہے۔ دن میں سوپ بنا کے اگر پی لیا جائے تو جاؤ جلدی فریش ہو کے آؤ بہت بھوک لگی ہے۔'' اس نے ساتھ ہی اسے ڈانٹ بھی دیا۔ تین بجے کے قریب کھانا کھایا تھا۔
''نیل فر! لاسٹ ایئر ہے کیوں اپنی پڑھائی کو تباہ کر رہی ہو۔''
''یہ تم روز روز ایک ہی بات کرتے تھکتی نہیں ہو۔'' وہ شہوار کو غصے سے دیکھنے لگی۔
''ارے بیٹا! یہ کوئی پارسل دے کے گیا ہے۔'' زبیدہ خالہ ایک بڑا سا ڈبہ اندر لے کے آئی تھیں۔ دونوں نے چونک کے سر اٹھایا تھا کیونکہ آج سے پہلے کبھی یہاں پارسل وغیرہ تو کبھی نہیں آیا تھا۔
''کون آیا تھا؟'' نیل فر کو اچنبھا بھی ہو رہا تھا۔

(جاری ہے)

رابعہ افضال خان

ناول

رات وہ بھولے چاند کی

یخ بستہ رات کا آغاز ہو چکا تھا، اس نے ایک نظر سوئی ہوئی زبیدہ بیگم کے وجود پر ڈالی اور بلیک شال کو اپنے گرد مضبوطی سے لپیٹتی آہستہ سے کمرے سے نکل آئی، کھلے صحن میں آتے ہی سرد یخ بستہ خنک ہوائیں اس کے

وجود کے آر پار ہوتی آگے کو بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ صحن کے بائیں طرف نیم کے درخت پر پڑے لکڑی کے جھولے پر آ کر بیٹھ گئی اور ایک نظر آسمان پر ڈالی تھی، رات بے حد اداس تھی اور طویل بھی۔ اس کی آنکھوں کی سطح پر نمی کی تہہ گہری ہوتی جا رہی تھی، نہ جانے کیوں آج وہ ستم گر حد سے زیادہ یاد آ رہا تھا۔

"کاش آریز تم نے مجھے دھوکا نہ دیا ہوتا، ایسا کیوں کیا تم نے، میرا دل برباد کر دیا، میری ذات کو محبت کا مان بخشا تھا، تو پھر اس قدر دھوکا کیوں ہونے دیا۔ دل تو کرتا ہے تمہیں ایسے فراموش کر دوں کہ کبھی غلطی سے بھی تمہیں یاد نہ کروں مگر یہ دل بہت دغا باز ہے جس قدر بھولنے کی کوشش کرتی ہوں اتنا ہی زیادہ شدت سے یاد آتے ہو تم۔ کاش میں تمہیں بھول سکتی، تمہاری ہر یاد کو اپنے دل سے کھرچ کے پھینک سکتی۔"

وہ گالوں پر بہتے آنسوؤں کو ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتی بے بسی کی انتہا پر تھی اور آریز لغاری کی یاد اس کی بے بسی میں مزید شدت پیدا کرتی جا رہی تھی۔

☆.....☆

وہ اپنے شاندار بیڈروم کے ٹیرس پر کھڑا خود سے بھی بے نیاز آسمان پر نگاہ جمائے کھڑا تھا، دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں کے بیچ دبا سگریٹ سلگ رہا تھا، بالکل اس کے دل کی طرح اس کا دل بھی تو نیناں کی یاد میں لمحہ لمحہ سلگتا تھا، اس کی جدائی اسے ہر پل تڑپاتی تھی، اس کی یاد کا زہر قطرہ قطرہ اس کے دل پر گرتا اس کے دل کو زخم زخم کرتا تھا۔

"جانتا ہوں نیناں! نیند تمہاری آنکھوں سے بھی روٹھی ہوئی ہے، تم بھی میری محبت میں یوں ہی سلگتی ہو جیسے کہ میں، یہ ہوائیں مجھے تمہارے بے چین دل کی کہانی سناتی ہیں، کاش نیناں تم نے ایک دفعہ مجھ پر اعتبار کیا ہوتا، ایک دفعہ میری بات سنی ہوتی تو آج یوں جدائی کا زہر روح کو جھلسا رہا ہوتا، ہجر کا بے نور موسم ہمارے درمیان حائل نہ ہوتا لیکن تم نے میری محبت کو بے اعتبار کر دیا۔ نہ جانے تمہارے دل میں میں موجود بھی ہوں یا پھر میری محبت کی طرح مجھے بھی دل سے نکال پھینکا ہے اور کتنا تڑپاؤ گی نیناں! بس کر دو، ایک ناکردہ گناہ کی سزا ختم کر دو۔ دل بہت اداس ہے تمہارے بغیر، کیا جان لوگی اپنے اس دیوانے کی۔"

اداس سے چاند پر نگاہ جمائے وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خود کلامی کرتا ہوا بولا تھا اور ذہن کے دریچوں سے پچھلی بہت ساری یادیں جھانکنے لگی تھیں۔

☆.....☆

"مے آئی کم ان سر!" عباد صاحب نے آریز لغاری کے آفس پر ناک کیا تھا۔

"یس کم ان۔" وہ جو لیپ ٹاپ پر مصروف تھا، لمحہ بھر کو لیپ ٹاپ سے نظر ہٹا کر جواب دیا تھا اور پھر سے نگاہیں لیپ ٹاپ پر جما دی تھیں۔

"سیٹ عباد صاحب!" تقریباً دس منٹ کے بعد وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"تھینک یو سر!" عباد صاحب چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولے تھے۔

"عباد صاحب! مجھے کے یو کمپنی کے پروجیکٹ کی تمام ڈیٹیلز ای میل کر دیں۔" ایک گھنٹے میں وہ کے یو کمپنی کی فائل پر سرسری سی نگاہ ڈال کر عباد صاحب سے بولا تھا۔

"جی سر! میں ابھی آپ کو ساری ڈیٹیلز ای میل کر دیتا ہوں۔"

"آرڈر کب تک پورا ہو جائے گا، آئی تھنک ہمارے پاس اونلی تین دن ہیں۔"

"سر! کل شام تک کمپلیٹ ہو جائے گا۔"

"گڈ۔" وہ ایک دم ہی پرسکون ہوا تھا۔

"ڈیٹا آپریٹر کی سیٹ کے لئے کوئی اپائنٹ ہوا ہے یا نہیں؟"

"جی سر! ڈیٹا آپریٹر کے لئے مس نیناں کو اپائنٹ کیا ہے۔"

"انٹرویوکس نے لیا تھا؟"

وہ ایک ہفتے بعد آج آفس آیا تو تمام ڈیٹیلز لے رہا تھا عباد صاحب سے، ایک ہفتے کے لئے وہ سری لنکا گیا ہوا تھا۔

"انٹرویو حیدر صاحب نے لیا تھا اور انہوں نے ہی مس نیناں کو اس جاب کے لئے اپائنٹ کیا ہے۔" عباد صاحب نے مکمل تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"اوکے، آپ مجھے ساری ڈیٹیلز ای میل کر دیں، میں گھر پر چیک کر لوں گا۔" وہ اپنا موبائل اور گاڑی کی

چابیاں اٹھاتے خود بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

"جی سر!" عباد صاحب بھی فوراً کھڑے ہوئے تھے۔

"سر! اگر آپ ایک راؤنڈ پروڈکشن ہاؤس کا بھی لگا لیتے۔" عباد صاحب نے آریز کے ساتھ چلتے مؤدب انداز میں کہا تھا۔

"اوکے، چلیے۔" چند پل سوچنے کے بعد وہ پروڈکشن ہاؤس کی طرف قدم بڑھا چکا تھا۔

☆.....☆

وہ اپنے آفس میں بیٹھا ایک اہم فائل کو ریڈ کر رہا تھا کہ جب ہی ہلکی سی ناک کے ساتھ نسوانی آواز بھی اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

"مے آئی کم ان سر!" آنے والی کے لہجے میں لڑکھڑاہٹ بہت واضح تھی۔

"یس!" اس نے فائل سائیڈ پر کرتے دروازے کے درمیان میں کھڑی اس کنفیوژ سی نازک اندام حسینہ کو اندر آنے کی اجازت دی تھی۔

"آپ آریز لغاری ہیں؟" ہاتھ میں فائل تھامے حد درجہ کنفیوژ سے لہجے میں وہ اپنی جھکی لمبی خمدار پلکوں کو آہستہ سے اٹھاتے بولی تھی۔

"آپ مجھ سے میرا نام پوچھنے یہاں تک آئی ہیں؟" وہ اس کی لمبی گھنی خمدار پلکوں کے پیچ و خم میں الجھتا حیرت سے بولا تھا۔

"نن.....نہیں.....سر! وہ عباد صاحب نے یہ فائل ارجنٹ آریز لغاری کو دینے کے لئے کہا ہے اور میں نیو اپائنٹ ہوں تو میں آریز لغاری کو جانتی نہیں ہوں اس لئے پوچھا۔"

آریز نے بھرپور نگاہ سامنے کھڑی حسینہ پر ڈالی تھی، گوری رنگت بڑی بڑی گہری سیاہ آنکھوں پر لمبی گھنی خمدار جھکی پلکیں چھوٹی سی کھڑی تیکھی ناک میں چمکتا گولڈن نوز پن سرخ ہونٹوں کے اوپر موجود سیاہ تل سر کو پنک اسکارف سے ڈھکے ہم رنگ دوپٹہ پہنے وہ آریز لغاری کو مبہوت کر گئی تھی۔

"آپ رائٹ جگہ پر آئی ہیں، میں ہی آریز لغاری ہوں۔" چند لمحوں میں اس کا جائزہ لینے کے بعد وہ بولا تھا۔

"سر! یہ فائل۔" تصدیق ہوتے ہی وہ فائل ٹیبل پر رکھ کر ایسے اس کے آفس سے باہر نکلی تھی، جیسے پسٹل سے گولی۔

آریز کو بے ساختہ اس کی گھبراہٹ پر ہنسی آئی تھی۔ وہ سر جھٹکتا فائل کی طرف ایک مرتبہ پھر متوجہ ہو چکا تھا۔

"اوف توبہ کیسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے یہ آریز صاحب، جیسے آنکھوں سے ہی سالم نگلنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔" اپنے کیبن میں آ کر اپنے دوپٹے سے چہرے پر آیا پسینہ صاف کرتے وہ ایک دم جھرجھری سی لے کر خود سے بولی تھی۔

"نیکسٹ ٹائم بی کیئر فل نیناں۔" وہ خود کو ہی سرزنش کرتے بولی تھی اور پھر پی سی کی طرف متوجہ ہو گئی کہ ٹائم کم تھا اور کام زیادہ۔ ایک گھنٹے میں اسے سارا ڈیٹا فیڈ کر کے عباد صاحب کو فارورڈ کرنا تھا۔

☆.....☆

پہلی دستک پر ہی دروازہ کھل گیا تھا، وہ سلام کرتی اندر آ گئی، چادر کو خود سے الگ کرتے بیگ صحن میں

پڑے تخت پر رکھتے وہ خود بھی وہیں بیٹھ گئی تھی۔
''ابو نہیں آئے ابھی تک؟'' ماں سے پانی کا گلاس لیتے سرسری سی نگاہ کمرے پر ڈال کر وہ افتخار صاحب کے بارے میں پوچھنے لگی۔
''بس آنے والے ہوں گے، تم فریش ہو جاؤ، جب تک میں تمہارے لئے کھانا گرم کرتی ہوں۔'' وہ اس کے ہاتھ سے خالی گلاس لیتے کچن میں جانے کے ارادے سے اٹھنے لگی تھیں کہ نیناں نے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں واپس اپنے پاس بٹھالیا۔
''رہنے دو اماں! ابو آجائیں تو پھر ساتھ ہی کھائیں گے کھانا، یہاں بیٹھیں میرے پاس۔'' وہ انہیں اٹھنے سے روکتے ہوئے پیار سے بولی تھی۔
''کیا بات ہے اماں اتنی اداس کیوں ہیں؟'' زبیدہ بیگم کا منہ اترا دیکھ کر وہ استفسار کرنے لگی۔
''نیناں بہت دل دکھتا ہے، کبھی سوچا نہ تھا کہ تجھے جاب جیسی جھنجٹ میں ڈالیں گے مگر یہ اچانک تیرے ابو کی جاب ختم ہونے سے میری بچی پر سارا بوجھ آن پڑا ہے۔'' اماں کی آواز بھرا گئی۔
''اماں! ایسا کیوں سوچتی ہیں، کوئی بوجھ نہیں پڑا ہے مجھ پہ۔ بہت خوش ہوں میں۔ مجھے بھی ماں باپ کے کسی کام آنے کا موقع ملنا چاہیے۔ آخر کو میرے ماں باپ نے بھی بچپن سے لے کر آج تک میرے ہزاروں ناز نخرے خوشی سے اٹھائے ہیں۔'' وہ ان کے گلے میں باہیں حمائل کرتے بہت محبت سے بولی تھی۔ اماں کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔
''اللہ میری بیٹی کے نصیب بہت اچھے کرے۔'' ان کے دل سے بے ساختہ دعا نکلی تھی۔

☆.....☆

تقریباً ساڑھے بارہ بجے تھے جب اس کی گاڑی لغاری ہاؤس کی سرخ روش پر آکر رکی تھی اور وہ کوٹ کو ایک کندھے پر ڈالے ایک ہاتھ میں لیپ ٹاپ پکڑے لاؤنج کا گلاس وال کھول کر اندر آیا تھا اور اس کا خون کھول کر رہ گیا تھا۔ سامنے صوفے پر لاپرواہی کے سارے ریکارڈ توڑتی بے ڈھنگے پن سے نیم دراز زرتاشہ موجود تھی۔ سامنے ایل ای ڈی کی بڑی سی اسکرین پر کسی رومانوی فلم کا نہایت ہی گھٹیا سین جلوہ افروز تھا اور تھرڈ کلاس ڈائیلاگ۔
''لاحول ولاقوۃ۔'' بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا تھا، بمشکل زرتاشہ کو کچھ بھی کہنے سے خود کو روکتا وہ اسے اگنور کرتا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔
''آریز! تم کب آئے؟ میں کب سے تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔'' ریموٹ سے آواز کم کرتے دوپٹہ ایک شانے پر ڈالے منہ پر ہاتھ رکھ کر جمائی کو روکتی زرتاشہ نے یکدم ہی آریز کو مخاطب کیا تھا۔
''میرا ویٹ کس لئے کر رہی تھیں؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بولنے پر مجبور ہوا تھا۔
''تم فریش ہو جاؤ میں رحمت بوا سے کھانا گرم کرواتی ہوں۔'' اس کی بات کو ان سنی کئے وہ اپنا ہی راگ الاپ رہی تھی۔
''تھینکس! اتنی زحمت کی بھی ضرورت نہیں ہے، میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔
''کافی پیو گے؟'' اب کے کافی کی آفر ہوئی تھی۔
''میں اتنی رات کو کافی نہیں پیتا اور اب تم بھی اپنے روم میں جا کر آرام کرو۔'' وہ اسی سپاٹ لہجے میں کہتا

دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔
''ہنہ، میں تو جیسے مری جا رہی ہوں اس کے لئے۔'' کندھے اچکاتی وہ بھی اپنے روم کی طرف بڑھ گئی۔

☆.....☆

''بیٹا جی! دو لمحے اپنے قیمتی وقت سے نکال کر اپنے اس بوڑھے باپ کو بھی دے دو۔'' حیدر لغاری آج صبح صبح اس کے کمرے میں چلے آئے تھے، وہ اپنے اوپر باڈی اسپرے کر رہا تھا، کھل کر مسکرا رہا تھا۔
''کیسی باتیں کر رہے ہیں پاپا! آپ کے لئے تو وقت ہی وقت ہے۔'' وہ ان کے برابر میں آکر بیٹھ گیا تھا۔
''بیٹا جی، شادی کا کب تک ارادہ ہے؟'' انہوں نے بلاتمہید پوچھا تھا۔
''فی الحال تو میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' فی الفور جواب آیا تھا۔
''کب کرو گے شادی، اٹھائیس کے ہو چکے ہو۔'' حیدر لغاری نے خفگی بھرے انداز میں اپنے خوبرو بیٹے کو دیکھا تھا۔
''پاپا جی! شادی بھی کر لیں گے، اتنی بھی جلدی کیا ہے۔'' وہ شوز کے لیس باندھتا مزے سے بولا تھا۔
''جلدی ہے خود تو سارا دن گھر میں ہوتے نہیں ہو، مجھے بھی آفس آنے نہیں دیتے، ایک معمولی سا ٹیک تھا اور تم نے تو مجھے لے کر گھر میں بٹھا دیا۔ سارا دن میں بور ہو جاتا ہوں۔ زرتاشہ اور عینا کی اپنی الگ مصروفیات کم از کم میری بہو ہو گی تو ہم دونوں ایک دوسرے سے باتیں تو کر لیں گے۔'' حیدر صاحب خفگی بھرے لہجے میں بولتے چلے گئے تھے، آریز کو ان کی شکایات پر ہنسی آئی تھی۔
''ابھی تو ایک ضروری میٹنگ میں پہنچنا ہے، اس اہم مسئلے پر گھر آکر بات کرتے ہیں۔'' ان کے گال پر پیار کرتا، موبائل اور چابیاں اٹھاتا وہ تیزی سے باہر نکلا تھا۔ پیچھے حیدر صاحب اس کی چالاکی پر ایک گہری سانس بھر کے رہ گئے تھے۔

☆.....☆

''کہاں جانے کی تیاری ہے زری؟'' وہ جو آئینے میں کھڑی اپنی تیاری مکمل کرنے کے بعد خود کو تفصیلی نگاہ سے دیکھ رہی تھی، ماں کی اچانک آمد پر چونکی تھی۔
''آج نومی کی برتھ ڈے پارٹی ہے، ماما وہیں جانے کی تیاری ہے۔'' وہ اپنا بلیو دوپٹہ نفاست سے کندھے پر ڈالتے آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تھی۔
''زری! تم یہ فضول کی پارٹیاں بھگتاتی رہو، دیکھنا تمہاری ان ہی حرکتوں کی وجہ سے آریز ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔'' عینا بیگم نے اپنی پیشانی سہلاتے کہا تھا۔
''ماما! آریز کہیں نہیں جانے والا۔'' وہ سینڈل کے اسٹیپ بند کرتی مکمل یقین سے بولی تھی۔
''تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو۔'' عینا بیگم بیٹی کا اطمینان دیکھ کر چونکی تھیں۔
''سو سمپل ماما! وہ ابھی تک اپنے باپ کی جی حضوری کرنے والا ایک شریف اور فرمانبردار بیٹا ہے اور ماموں جان آپ کی کوئی بات نہیں ٹالتے اور وہ مجھ سے بہت محبت بھی کرتے ہیں۔'' اس کے دلائل واقعی میں مضبوط تھے۔
''ہاں، یہ تو ہے۔'' عینا بیگم یک دم پرسکون ہوئی تھیں۔
''او کے ماما بائے۔'' وہ بیگ کندھے پر ڈالتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''جلدی آنا زری۔'' وہ اسے ہدایت دیتی خود بھی اس کے روم سے باہر نکل آئی تھیں۔

☆.....☆

آریز آج جلدی گھر آ گیا تھا۔ حسب معمول زرتاشہ کسی فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی میں گئی ہوئی تھی اور عینا بیگم کسی سوشل ورک پر وہ فریش ہونے کے بعد حیدر صاحب کے روم میں آیا۔ وہ وہاں موجود نہیں تھے۔ وہ سیدھا اسٹڈی روم میں چلا آیا، اس کی توقع کے عین مطابق وہ کسی انگلش ناول کے مطالعے میں پوری طرح مگن تھے۔

''گڈ ایوننگ ڈیئر پاپا!'' وہ انہیں اپنی طرف متوجہ کرتا وہاں موجود دوسری چیئر پر بیٹھ گیا۔

''گڈ ایوننگ۔'' حیدر صاحب نے سرسری سا اسے دیکھ کر جواب دیا اور ایک مرتبہ پھر سے ناول کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آریز جانتا تھا یقیناً کل والی بات پر ناراضی ہے۔

''پاپا! سچ میں خفا ہیں؟'' وہ ان کے گھٹنوں کے پاس بیٹھ کر بہت محبت سے بولا تھا۔

''میری خفگی کی پرواہ ہے میرے بیٹے کو؟'' وہ کچھ ناراض سے لہجے میں بولے تھے۔

''آف کورس پاپا! یہ آپ سے بہتر کون جانتا ہے۔'' آریز نے ان کے ہاتھ سے ناول لے کر ٹیبل پر رکھا تھا۔

''تو پھر مان کیوں نہیں لیتے میری بات۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے بولے تھے۔

''پاپا جی! شادی کے لئے ایک عدد لڑکی بھی ہونی چاہیے۔'' وہ شرارت سے بولا تھا۔

''لڑکی بھی دیکھ رکھی ہے میں نے۔'' وہ یک دم پرجوش ہو کر بولے تھے۔

''اچھا! کون ہے بھئی؟'' آریز کا تجسس فطری تھا۔

''اپنی زرتاشہ... عینا نے خود مجھ سے زرتاشہ کے لئے کہا ہے۔'' وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بتا رہے تھے۔

''پاپا میں زرتاشہ سے شادی نہیں کروں گا۔'' وہ حد درجہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

''کیوں بیٹا زری میں کیا برائی ہے؟''

''کوئی برائی نہیں ہے لیکن میرے ذہن میں بیوی کا جو خاکہ ہے وہ اس پر پوری نہیں اترتی۔ مجھے اپنے لئے بیوی چاہیے، کوئی چلتی پھرتی ماڈل نہیں۔'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا تھا۔

''اوکے! تو پھر تم خود لڑکی پسند کر لو، جہاں کہو گے، جس سے کہو گے شادی کے لئے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' وہ تو جیسے تیار بیٹھے تھے۔

''اور آپ کی بھانجی کی طرف سے جو زلزلہ آئے گا۔'' وہ یک دم شوخ ہوا تھا۔

''مل کر نمٹ لیں گے۔'' وہ بھی اسی انداز میں بولے تھے۔

''آئی لو یو ڈیئر پاپا۔'' وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر بولا تھا۔

''لو یو ٹو پاپا کی جان۔'' وہ اس کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے مسکرائے تھے۔

☆.....☆

وہ ہوٹل سے میٹنگ بھگتا کر آ رہا تھا، گاڑی کو پارک کر کے وہ پلٹا ہی تھا کہ اس کی نظر تیزی سے قدم بڑھاتی نیناں پر پڑی تھی۔ وہ ہاتھ کی پشت سے چہرہ صاف کرتی تیزی سے باہر کی طرف جا رہی تھی، وہ بے ساختہ اس کی طرف بڑھا تھا۔

''خیریت، مس نیناں؟'' وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

''سر! میرے ابو کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، ہوسپٹل جا رہی ہوں۔'' بھرائی آواز میں کہتی وہ اپنی آنسوؤں سے لب بھری آنکھیں جھکا گئی تھی۔

''چلیں میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' وہ اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھاتا ہوا بولا تھا۔ پیچھے وہ بھی اس کی تقلید میں چلنے لگی۔ گاڑی کو مین سڑک پر ڈالتے اس کی نگاہ یوں ہی برابر میں بیٹھی حد درجہ پریشان نیناں افتخار سے ٹکرائی تھی۔

''پلیز! آپ روئیں مت، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے آپ کے ابو۔'' وہ بے اختیار ہی اس کو تسلی سے نواز بیٹھا تھا۔

''اماں! ابو کیسے ہیں؟ کہاں ہیں؟'' وہ کاریڈور میں بینچ پر بیٹھی زبیدہ بیگم کے پاس آ کر روتے ہوئے بول رہی تھی۔

''آئی سی یو میں ہیں، بیٹا دعا کرو اپنے ابو کے لئے۔'' زبیدہ بیگم کا خود حال برا تھا۔

''آنٹی پلیز! سنبھالیں خود کو، میں ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔'' وہ انہیں تسلی دیتا ایک نظر بلیک اسکارف میں مقید اس کے روئے روئے بے پناہ سرخ چہرے پر ڈالتا آگے کی طرف بڑھ گیا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد افتخار صاحب کو آئی سی یو سے پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ وہ فوراً روم میں بھاگی تھی۔

''ابو!'' افتخار صاحب کو دیکھتے ہی اس کی سسکی نکل گئی تھی۔ وہ دوائیوں کے زیر اثر غنودگی میں تھے۔ سر پہ پٹی بندھی تھی، دایاں پیر بھی پٹیوں میں جکڑا تھا، بائیں ہاتھ پر ڈرپ لگی تھی، اس کی آنکھوں سے یک دم ہی آنسوؤں کی لکیریں بننے لگی تھیں۔

''بری بات ہے بیٹا، دعا کرو۔'' زبیدہ بیگم نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی تھی۔

''اچھا آنٹی! میں چلتا ہوں۔'' آریز سے نیناں کا رونا برداشت نہ ہوا تو آگے بڑھ کر بولا تھا۔

''اچھا بیٹا! اللہ تمہیں بہت خوش رکھے، تمہیں ہزاروں خوشیاں دکھائے، تمہارے ماں باپ کو سلامت رکھے۔ بہت ساتھ دیا ہے اس برے وقت میں تم نے ہمارا۔'' زبیدہ بیگم نے نم آلود آواز میں کہا تھا۔

''آنٹی! اب آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔'' وہ بے ساختہ جھینپا تھا۔

''جب بھی ضرورت ہو آپ مجھے یاد کر سکتی ہیں۔'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولا تھا۔

''ایک منٹ سر!'' وہ کوریڈور میں تھا جب پیچھے سے آتی آواز نے اس کے بڑھتے قدموں کو روکا تھا۔

''ویری سوری سر! ٹینشن میں کچھ یاد ہی نہ رہا، بہرحال بہت بہت شکریہ آپ کا ہماری اتنی مدد کرنے کے لئے۔'' وہ پھولی سانسوں کے درمیان بولی تھی۔

''مینشن ناٹ۔'' وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی نم زدہ پلکوں کو دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''ایک بات کہوں؟'' چند منٹ کے بعد وہ بولا تھا۔ نیناں کی استفہامیہ نگاہیں اس کی طرف اٹھی تھیں۔

''آپ کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں، اتنا ظلم مت ڈھایا کریں ان معصوم آنکھوں پر۔'' اس کا لہجہ گھمبیر تھا تو الفاظ اس سے بھی زیادہ گھمبیر۔

''جی...!'' وہ ایک دم گھبراہٹ زدہ لہجے میں بولی تھی۔

''جی غور کیجئے گا میری ایڈوائزیر۔'' گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہتا وہ فوراً سے سیڑھیاں اتر گیا جب کہ وہ کتنی دیر کھڑی اس کی بات پر غور کرتی سن کھڑی رہ گئی۔

☆.....☆

''مس نیناں! آپ کو آریز صاحب اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔'' وہ کام میں مصروف تھی جب ہی عباد صاحب کا انٹرکام آیا تھا۔

''مجھے کیوں بلا رہے ہیں؟'' وہ انٹرکام سننے کے بعد خود سے الجھتی ہوئی بولی تھی اور جھنجھلاتی ہوئی آریز لغاری کے آفس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

''کم ان مس نیناں!'' دستک پر وہ پورے اعتماد سے اس کا نام لیتا ہوا بولا تھا۔

''سر! آپ نے مجھے بلایا؟'' آہستہ سے قدم اٹھاتی وہ اس کی ٹیبل کے عین سامنے کھڑی تھی۔ وہی مخصوص اسٹائل میں یلو اسکارف سر باندھے گھنی خمدار پلکوں کو جھکائے وہ عین اس کے سامنے مکمل طور پر اس کی نظروں کے حصار میں قید تھی۔

''بیٹھ جائیے مس نیناں!'' وہ اپنی مسکراہٹ دباتا سنجیدگی سے بولا تھا۔

''جی۔'' ایک نظر سامنے بیٹھے آریز لغاری پر ڈالتی وہ جھجکتی ہوئی چیئر پر یوں بیٹھی تھی گویا کسی بھی لمحے اٹھ کر بھاگ جائے گی۔ آریز کو اس کے اتنے گریز پر بے ساختہ ہنسی آئی مگر وہ ضبط کر گیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کے والد صاحب کی؟'' اس کی جھکی خمدار پلکوں پر نگاہیں جمائے وہ شگفتگی سے بولا تھا۔

''جی ٹھیک ہے۔'' جواب مختصر تھا۔

''ایک بات بتائیے مس نیناں! آپ کے یہاں بولنے پر بھی حکومت کو ٹیکس بھرنا پڑتا ہے؟'' اس نے پرمزاح انداز میں اسے چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔

''جی!'' وہ پہلے تو ہونق ہوئی تھی اور پھر جب سمجھ میں آیا تو اگلے ہی لمحے نگاہ جھکا گئی تھی۔

''چلیں میں یہ ٹیکس ہٹوا دوں گا مگر ایک شرط پر کہ پھر آپ ایک لفظی جواب دینے سے مکمل گریز کریں گی۔'' وہ شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

''سر! میں جاؤں۔'' اس کی بات نظرانداز کرتی وہ اپنے دھڑ دھڑ کرتے دل کو سنبھالتی بمشکل بولی تھی۔

''جائیے۔'' چند لمحے چپ رہنے کے بعد وہ گہری سانس لیتا ہوا بولا تھا اور وہ سر پہ پیر رکھ کر آریز کے روم سے نکلی تھی۔ آریز کے لبوں پر گہری مسکراہٹ موجود تھی جبکہ وہ سر سے پیر تک پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔

''نہ جانے سر کو کیا ہو گیا ہے۔'' وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھے اپنی اتھل پتھل ہوتی سانسوں کو قابو کرتی خود سے بولی تھی۔ نگاہوں میں اس کا وجاہت سے بھرپور سراپا گھوم گیا تھا۔

چھ فٹ سے نکلتا قد، کسرتی بدن، کالے سیاہ سلکی بال، کھلتی گندمی رنگت پر ہلکی ہلکی سی شیو، گلابی ہونٹوں کے اوپر کھڑی مغرور تیکھی ناک۔ وہ بے شک مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ وہ سر جھٹکتی ایک مرتبہ پھر پی سی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی مگر ذہن میں آریز لغاری کا سراپا پوری آب و تاب کے ساتھ جھلملا رہا تھا۔

☆.....☆

وہ آج جلدی آفس سے اٹھ گیا تھا، گھر میں معمول سے زیادہ خاموشی تھی۔ نہ عینا بیگم نظر آئیں نہ زرتاشہ

عادت کے مطابق ٹی وی میں مگن لاؤنج میں ڈیرہ جمائے ملی۔ وہ شکر ادا کرتا سیدھا حیدر لغاری کے روم کی طرف آیا تھا۔ وہ فیض احمد فیض کی شاعری پڑھنے میں مگن تھے۔

''السلام علیکم پاپا!'' وہ سلام کرتا اندر چلا آیا۔

''وعلیکم السلام! خیریت تو ہے برخوردار، آج جلدی گھر کا رخ کر لیا۔'' وہ بک کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

''بس آج دل نے کہا کہ آج کا سارا وقت اپنے ڈیئر پاپا کے ساتھ مل کر گزاروں تو میں نے فوراً عمل کیا اور سیدھا گھر چلا آیا۔'' وہ لاڈ سے ان کے گلے میں بازو حمائل کرتے بولا۔

''آج گھر میں خاصا امن ہے پاپا!'' وہ ان کے سامنے پڑی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ہاں! آج دہشت گرد عوام شاپنگ کے سلسلے میں گھر سے غائب ہے۔'' وہ بھی ہنستے ہوئے بولے تھے۔

''چلیں پھر ہم دونوں مل کر اس امن کو انجوائے کرتے ہیں۔ آج میں خود آپ کو اپنے ہاتھوں سے چائے بنا کر پلاتا ہوں۔'' وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولا تھا۔

''چلو پھر مل کر بناتے ہیں۔'' حیدر صاحب بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور پھر دونوں نے مل کر رات کا ڈنر بھی خود ہی تیار کر لیا تھا۔ ڈنر انجوائے کرتے، کافی پیتے، ڈھیر ساری باتیں کرتے دونوں کو وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا تھا کیونکہ حیدر صاحب کی باتوں میں زیادہ تر آریز کی ممی کا ذکر تھا۔ آریز کے بچپن کے قصے جو حیدر صاحب نہ جانے کتنی مرتبہ اسے سنا چکے تھے اور وہ ان ہزار دفعہ کے سنے قصوں کو ہمیشہ بہت توجہ سے سنتا تھا کیونکہ اس کے ہر قصے میں اس کی ممی کا ذکر موجود ہوتا تھا اور حیدر لغاری کی آنکھوں میں اپنی شریک حیات کے ذکر پہ ایک خاص چمک ہوتی تھی۔

''کاش ممی! آج آپ بھی ہمارے ساتھ موجود ہوتیں۔'' آریز کے دل سے بے ساختہ ایک ہوک سی اٹھی تھی۔

☆.....☆

''اماں! کل سیلری ملے گی تو لسٹ بنا دینا، کل آفس سے واپسی میں مارکیٹ سے راشن وغیرہ لیتی آؤں گی اور ابو کی دوائیوں کا پرچہ بھی یاد سے دے دیجئے گا۔'' رات کے کھانے کے بعد وہ چائے بنا کر لائی تھی۔ ماں کے ہاتھ میں کپ تھماتے خود ان کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''اچھا بنا دوں گی۔'' وہ دھیرے سے بول کر چپ ہو گئیں۔

''اماں! کیا بات ہے اتنی خاموش کیوں ہیں۔'' انہیں سوچوں میں گھرا دیکھ کر وہ ایک دم ان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''کچھ نہیں بیٹا ٹھیک ہوں میں۔'' وہ زبردستی مسکرا کر بولیں تھیں۔

''اماں! اب آپ اپنی بیٹی سے بھی چھپائیں گی؟'' وہ زبیدہ بیگم کو شاکی نظروں سے دیکھتی خفگی سے بھرپور لہجے میں بولی تھی۔

''نیناں بہت بوجھ ڈال دیا ہے ناں، تیرے ماں باپ نے تجھ پر خدا گواہ ہے حالات اس نہج پر پہنچ جائیں گے کبھی سوچا نہ تھا مگر تیرے ابو کے ساتھ ہوئے اچانک حادثے نے سب کچھ بدل رکھ دیا، میری معصوم سی بیٹی کو در در کی ٹھوکریں کھا کر نوکری کرنی پڑ رہی ہے۔ کبھی نہ سوچا تھا کہ ہم تجھ سے نوکری کروائیں گے۔'' وہ اسے

گلے سے لگائے سسک پڑی تھیں نیناں کے دل پر جیسے گھونسا سا پڑا تھا۔

''اماں! یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں جب ماں باپ اولاد کے لیے ہر دکھ ہر پریشانی ہنستے ہنستے خود پر جھیل کر انہیں ہر سکھ دے سکتے ہیں، تو پھر کیا اولاد اپنے ماں باپ کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتی اور کوئی بوجھ نہیں ہے بلکہ میرا فرض ہے خوش قسمت ہوتی ہے وہ اولاد جو ماں باپ کے کام آسکے اور اللہ کا شکر ہے کہ مجھے بھی میرے اللہ نے ان چند خوش نصیب لوگوں میں شامل رکھا ہے۔ ایسے اداس مت ہوا کریں اماں میرا دل بہت دکھتا ہے، جب میری اتنی پیاری اماں ایسے روتی ہے۔'' وہ ان کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتی بہت محبت سے بولی تھی، اماں کے چہرے پر اس محبت پر ایک دم سے مسکراہٹ آئی۔

''اللہ میری بیٹی کے نصیب بلند کرے ہمیشہ سکھی رہے میری بیٹی۔'' انہوں نے بے ساختہ اس کی روشن پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

☆.....☆

''یہ مجھے کیا ہو گیا ہے ہر وقت وہ کیوں میرے دل و دماغ پر سوار رہنے لگی ہے، کیوں میں صرف اس کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔'' وہ لان میں ٹہلتا جیسے جھنجھلا سا گیا تھا اپنی نہ سمجھ آنے والی کیفیت پر۔

''محبت ہو گئی ہے اس لڑکی سے تمہیں۔'' آریز لغاری کے دل نے جھٹ پیشن گوئی کی۔

''محبت ہاں شاید مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے شدید محبت بے تحاشا۔'' آریز لغاری نے دیر نہیں کی تھی دل کے سامنے اعتراف کر لینے میں۔

''تو پھر اعتراف محبت کیوں نہیں کر لیتے اس کے سامنے۔'' دل نے پھر مداخلت کی تھی۔

''اعتراف محبت۔'' وہ زیر لب دہراتا ہوا بولا تھا۔

''کیا اعتراف محبت کرنا اتنا آسان ہو گا میں لغاری امپائر کا اکلوتا وارث اس لڑکی کے سامنے اپنی محبت کا اعتراف کر سکوں گا۔'' وہ عجیب الجھن میں گھرا تھا۔

''ایک دفعہ ہمت تو کر دیکھو آریز لغاری۔'' دل نے ہمت بندھائی تھی۔

''ہوں کچھ کرنا پڑے گا۔'' وہ کچھ سوچ کر یک دم ہی مسکرا دیا تھا۔

''ہیلو کزن! خیریت اکیلے اکیلے مسکرایا جا رہا ہے۔'' زرتاشہ اچانک ہی وہاں چلی آئی تھی اس کے مسکراتے لب یک دم سمٹ گئے تھے۔

''کچھ خاص نہیں۔'' وہ لان میں پڑی چیئر پر بیٹھ گیا اس کا خوشگوار موڈ یک دم ہی خراب ہوا تھا اس کی اس وقت مداخلت بہت کھلی تھی آریز کو۔

''چلو تم کہہ رہے ہو تو مان لیا۔'' وہ کندھے اچکا کر کہتی خود بھی اس کے سامنے والی چیئر پر بیٹھ گی۔

''آریز! کل پانچ بجے فری ہو گے تم۔'' وہ بہت پیار سے بولی تھی۔

''کیوں؟'' آریز نے سپاٹ سے لہجے میں پوچھا۔

''وہ کل میری فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی ہے مما نے جانے سے منع کر دیا ہے تو تم مجھے اس کے گھر ڈراپ کر دو گے اور گفٹ بھی خریدنا ہے اس کے لیے۔''

''سوری میں تو کل بہت بزی ہوں۔'' اس نے صاف منع کیا۔

''بس تھوڑی دیر کے لیے آریز ہم جلدی واپس آجائیں گے۔''

''زری کل میری بہت اہم میٹنگ ہے تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جانا۔'' وہ بات کو ختم کرتا اندر کی طرف بڑھ گیا اور زرتاشہ مارے غصے کے کرسی کو ٹھوکر مارتی خود بھی اندر کی طرف چلی گئی تھی۔

☆.....☆

''کیا میں اندر آسکتا ہوں؟'' وہ جو بہت اہم فائل کی ڈیٹیلز چیک کر رہا تھا اپنے دھیان سے یک دم چونکا تھا اور سامنے زبیر کو دیکھ کر اس کے چہرے پر بے ساختہ خوشی جھلکی تھی۔

''اس آفس میں ایک نہایت ہی کمینہ بے مروت الو کا پٹھا آریز لغاری نام کا شخص ہوتا ہے جو بدقسمتی سے میرا دوست ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔'' زبیر اندر آتا دانت پیستے ہوئے بولا تھا۔

''تو کب آیا دبئی سے؟'' اس کو کھینچ کر گلے سے لگاتے وہ پرجوش لہجے میں بولا تھا۔

''اگر تجھے اعتراض ہے تو واپس چلا جاتا ہوں۔'' وہ اس کے گلے لگے تپے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

''اتنا غصہ خیر تو ہے کہیں بھابی نے تو جوتے کے زور پر دبئی سے نہیں بھگا دیا۔'' وہ اس کو دیکھ کر شرارت سے بولا تھا۔

''بہت ہی ذلیل انسان ہو۔'' زبیر کو بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔

''بے شک یار کی یاری کا اثر ہے۔'' وہ بھی کونسا کم تھا۔

''گھر میں سب کیسے ہیں بھابی، بی بی جان اور میرا کیوٹ سا بھتیجا۔'' وہ اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا تھا۔

''سب خیریت سے ہیں تم سناؤ کہاں ہو کیا کر رہے ہو۔ پورے چھ مہینے ہو گئے ایک فون تک نہیں کیا کبھی ہم غریبوں کو یاد کر لیا کرو ہر دفعہ دوستی کے اصول میں ہی نبھاتا رہوں۔'' زبیر نے اسے بری طرح لتاڑا تھا۔

''مجھے کہاں جانا ہے یہیں کراچی میں ہوں بابا کی بہت طبعیت خراب ہو گئی تھی بہت زبردست اٹیک ہوا تھا، تو بس آج کل پاپا کو گھر میں زبردستی بٹھا کر خود سارا بزنس دیکھ رہا ہوں اسی پریشانی میں رہا بس یاد ہی نہ رہا کچھ اور آخری بات تم مجھے یاد کرو یا میں تمہیں بات تو ایک ہی ہے۔'' آریز نے اس کے بھولے چہرے کو محبت سے دیکھا تھا۔

''بہت کمینے انسان ہو۔'' زبیر نے اس کے کندھے پر مکا مارا تھا۔

''اب کیسی طبعیت ہے انکل کی؟''

''ایک دم فٹ فاٹ۔'' وہ انٹرکام پر چائے کے ساتھ ریفریشمنٹ کا آرڈر دیتے بولا تھا۔

''تم اب جلد سے جلد شادی کر لو تا کہ انکل کی بہو گھر میں آجائے، جو تم دونوں کا خوب خیال رکھے۔''

''ہاں انشاء اللہ جلد ہی گھوڑی چڑھنے کا سوچ رہا ہوں۔'' وہ بے خیالی میں کہہ گیا۔

''اوہوں لگتا ہے کھڑوس سے آریز لغاری کو کوئی سوہنی کڑی مل گئی ہے۔'' زبیر بھرپور شرارت سے بولا تھا۔

''ہاں ایسا ہی سمجھ لو۔''

''گھنے میسنے یہ بھی دل میں دبا کر رکھ لیا، اب بھی میرے پوچھنے پر پھوٹا ہے منہ سے۔'' زبیر چڑھ دوڑا تھا آریز پر۔

''ارے پہلے میری بھی تو سن لے یار۔'' وہ اپنا بچاؤ کرتے بولا تھا اتنے میں چائے کے ساتھ سموسے اور

بسکٹ بھی آ گئے تھے۔

''لو چائے پیو پھر بتاتا ہوں۔'' اور پھر وہ سارا قصہ اس کے گوش گزار کر چکا تھا۔

''اوہ تو یہ قصہ ہے۔'' زبیر نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا تھا۔

''ویسے محترمہ کس ڈیپارٹ میں ہوتی ہے؟''

''آفس میں ڈیٹا آپریٹر ہے۔'' وہ چائے کا آخری گھونٹ لیتے بولا تھا۔

''تو پھر چلو۔'' وہ فوراً کھڑا ہوا تھا۔

''کہاں؟'' آریز نے ناسمجھی سے زبیر کو دیکھا تھا۔

''ہونے والی بھابی سے ملنے۔'' وہ پرجوش سا بولا۔

''او میرے بھائی! رحم کھا میری پوزیشن پر وہ اکیلی نہیں ہوتی اور ابھی ورکر ہوتے ہیں مروائے گا کیا۔'' آریز نے اسے واپس کھینچ کر صوفے پر بٹھایا تھا وہ برے برے منہ بناتا بیٹھ گیا۔

☆.....☆

اس نے بروقت بریک لگائے تھے اور اپنی طرف کا دوڑ کھولتا باہر نکلا تھا۔

''ایکسکیوزمی محترمہ! دیکھ کر نہیں چل سکتیں اگر میں بروقت بریک نہ لگاتا تو آپ مر بھی سکتی تھیں۔'' شدید غصے میں بولتا وہ ایک دم ساکت ہوا تھا اس کی کار سے ٹکرانے والی کوئی اور نہیں نیناں تھی۔

''او مائی گاڈ! نیناں آپ یہاں اس طرح وہ یک دم ہوش میں آیا تھا۔

''سر پلیز مجھے بچالیں۔'' وہ جلدی سے اس کے بازو سے لگتی سہمے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''کیا بات ہے نیناں؟'' ایک نظر خود سے لگی نیناں پر ڈالی تھی پھر آہستگی سے اس کی گرفت سے اپنا بازو آزاد کرتے وہ دھیرے سے بولا تھا۔

''سر! وہ دونوں لڑکے کب سے میرا پیچھا کرتے مجھے تنگ کر رہے ہیں۔'' وہ آنکھوں میں ڈھیروں آنسو لیے بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

''کون پیچھا کر رہا ہے آپ کا۔'' ایک دم ہی اس کا لہجہ سرد ہوا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ سر! وہ کہاں سے میرے پیچھے لگے میرا سارا سامان بھی گر گیا میں گھر کا سامان لینے آئی تھی۔'' وہ مسلسل اپنے آنسو صاف کرتے بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

''او کے جسٹ ریلیکس میں ہوں نا۔'' وہ ایک دم ہی اپنائیت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''چلیں گاڑی میں بیٹھیے۔'' اس نے اس کے لیے کار کا فرنٹ ڈور کھول دیا تھا اور وہ خاموشی سے سعادت مند بچی کی طرح گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور وقت ہوتا تو وہ قطعی نہیں بیٹھتی اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں۔

''اب بتائیے کیوں اندھا دھند بیچ سڑک پر دوڑ لگا رہی تھیں۔'' سامنے سڑک پر نگاہ جمائے وہ بولا تھا۔

''سر! میں مارکیٹ تک گئی تھی گھر کے لیے راشن وغیرہ لینا تھا مارکیٹ سے نکلی تو جانے وہ دونوں لفنگے لڑکے میرے پیچھے لگ گئے میں اتنا ڈر گئی تھی کہ سارا سامان بھی نہ جانے کہاں گرا دیا اور اگر آپ نہ آتے تو نہ جانے میرا کیا ہوتا۔'' وہ یک دم ہی جھرجھری لے کر بولی تھی۔

آریز نے اسے نظر گھما کر بغور دیکھا تھا، بھیگی ہوئی خمدار پلکیں گلابی گالوں پر مٹے مٹے آنسوؤں کے نشان، لرزتے گلابی ہونٹوں پر موجود دولت دربان تل اور اس کے سر سے ڈھلکتے اسکن اسکارف سے جھانکتے اس کے

سنہرے بال۔ وہ سچ میں سراپا گلاب تھی۔ آریز کا یک دم دل چاہا کہ وہ اس کی گھنی بھیگی خمدار پلکوں کو اپنے ہونٹوں سے چھو کر دیکھے مگر پھر فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

''ٹیکسٹ ٹائم اس طرح گھر سے مت نکلنا۔'' اس نے اس کے سراپے سے نگاہ ہٹا کر خود کو اس کی طرف سے مکمل بے نیاز ظاہر کرتے تنبیہی انداز میں کہا تھا۔

''جی۔'' وہ ایک دم سے سر کو اثبات میں ہلا گئی۔ آریز نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔

''اب جلدی سے اپنا حلیہ ٹھیک کریں پھر مارکیٹ چلیں گے اس کے بعد میں آپ کو آپ کے گھر ڈراپ کر دوں گا اور گھر میں آج کے واقعے کا ذکر مت کرنا خوامخواہ آپ کے پیرنٹس ٹینشن لیں گے۔''

''جی۔'' وہ ایک دم سے سر کو اثبات میں ہلا گئی تھی۔ آریز کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی جسے اس نے فوراً چھپا لیا تھا۔

''ایک بات اور پہلے بھی کہہ چکا ہوں اب پھر کہہ رہا ہوں اتنی خوبصورت آنکھوں پر اتنا ستم مت ڈھایا کریں، کہیں کسی بے چارے کی جان ہی نہ چلی جائے آپ کی اس ستم ظرفی پر۔'' اس کے لہجے کی گھمبیرتا نے اسے حد درجہ کنفیوژ کیا تھا۔

''جی۔'' وہ آنکھیں پھاڑے آریز لغاری کو دیکھنے لگی۔

''جی سے آگے آپ کی مس نے کچھ نہیں سکھایا۔'' وہ باقاعدہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا تھا، اس کی شوخی پر وہ فوراً سے پیشتر نظروں کا زاویہ بدل کر کھڑکی سے باہر نظر آتے مناظر کو دیکھنے لگی جبکہ آریز لغاری کے لبوں پر بہت خوبصورت مسکراہٹ نے قبضہ جمایا تھا۔

☆.....☆

اس نے اپنی بند آنکھیں پٹ کر کے کھول دیں تھیں اور بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''یا اللہ! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔'' سینے پر ہاتھ رکھے وہ اپنے شور مچاتے دل کو قابو کرتے بولی تھی۔

''کیا ہو گیا ہے مجھے آنکھیں بند کرتی ہوں تو وہ بند آنکھوں کے پیچھے بھی پورے طمطراق سے دل کے سنگھاسن پر بیٹھا نظر آتا ہے، آنکھیں کھول دوں تو آس پاس محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس کا گھمبیر لہجہ ہر وقت میری سماعتوں میں ہلچل مچائے رکھتا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے، ایسا بالکل نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ سر کو نفی میں ہلاتے مسلسل خود کلامی کے سے انداز میں بولی تھی۔

''کہیں مجھے اس شاندار شخص سے محبت تو نہیں..... نہیں ایسا کیسے ہو سکتا ہے یہ میں کیا الٹا سیدھا سوچنے لگی ہوں کہاں وہ آسمان کی وسعتوں میں سب سے روشن ستارہ اور کہاں میں زمین کی خاک۔'' نہ جانے کیوں اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں تھیں اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں کو رگڑا تھا۔

''اتنا ستم مت ڈھایا کریں ان معصوم آنکھوں پر۔'' بے ساختہ اس کی سماعتوں میں اس کا گھمبیر لہجہ گونجا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ کس کے اپنے کانوں پر رکھ لیے تھے اور آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کی لڑی لگ گئی تھی۔

☆.....☆

افتخار احمد اور زبیدہ بیگم کا تعلق متوسط طبقے سے تھا، افتخار صاحب گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر تھے۔ زبیدہ بیگم کو افتخار صاحب کی والدہ نے پسند کیا تھا اور یوں وہ دونوں شادی جیسے مقدس بندھن میں بندھ گئے تھے۔ شادی

کے دو سال بعد ان کے آنگن میں ایک معصوم خوبصورت سی پری نے آنکھیں کھولیں تھیں، اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں، چھوٹے سے سرخ و سپید منہ پر گلابی ہونٹوں کے اوپر کالا تل براؤن بال اور بڑی بڑی آنکھوں پر لمبی گھنی خمدار پلکیں وہ واقعی میں کسی پری سے کم نہ تھی افتخار صاحب نے بیٹی کو پہلی بار دیکھا اور انہیں اس کی آنکھیں اس قدر پیاری لگیں کہ جھٹ ان کے لبوں سے نیناں نام نکلا اور یوں اس کا نام نیناں رکھ دیا گیا بہت نازوں سے پالا تھا ان دونوں نے اپنی بیٹی کو افتخار صاحب اور زبیدہ بیگم دونوں ہی والدین کی اکلوتی اولاد تھے اور ان کی بیٹی نیناں کو رشتوں کی پیاس تھی وہ اکثر چڑ جایا کرتی۔

''اماں میرا تو کوئی بھی نہیں ہے آپ دونوں کے سوا نہ ماموں نہ چاچا نہ خالہ نہ پھوپی کیا ضروری تھا کہ آپ دونوں ہی اکلوتے ہوتے۔'' اس کے ناک چڑھا کر کہنے پر اماں کو بے ساختہ ہنسی آجاتی۔

''اور ستم یہ کہ میرا بھی کوئی بہن بھائی نہیں میں بھی اکلوتی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو جاتی اس نے گریجویشن کیا تھا کہ ایک دن اچانک سے افتخار صاحب بیمار ہو گئے انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا ڈاکٹر نے انہیں مکمل بیڈ ریسٹ بتایا تھا، گھر کے حالات یک دم ہی خراب ہو گئے اور یوں نیناں کو روزگار کی تلاش میں نکلنا پڑا صد شکر کہ گھر اپنا تھا اور نیناں کی قسمت اچھی تھی کہ اسے لغاری امپائر میں بطور ڈیٹا آپریٹر کی جاب مل گئی تھی۔ معقول سیلری تھی۔ لغاری امپائر انٹرنیشنل کمپنی تھی۔ جہاں شرٹس اور پینٹس بنتی تھیں۔

☆.....☆

حیدر لغاری اور عینا لغاری سبکتگین لغاری اور مینا لغاری کی دو ہی اولادیں تھیں۔ حیدر بڑے تھے اور ان سے دو سال چھوٹی عینا وہ لوگ جدی پشتی رئیس تھے، دولت ان کے گھر کی باندی تھی، حیدر لغاری کی شادی ان کی خالہ زاد فرح سے ہوئی تھی اور ان کا صرف ایک ہی بیٹا تھا آریز لغاری جبکہ عینا نے اپنی پسند سے اپنے کلاس فیلو سمیر احمد سے شادی کی تھی اور شادی کے تین سال بعد دو سال کی زرتاشہ کو لے کر طلاق کا دھبہ ماتھے پر سجائے عینا سمیرا احمد ایک مرتبہ پھر بھائی کی دہلیز پر آ گئی تھیں۔ آریز بچپن سے اپنی ماں کے بہت قریب تھا اور بہت جینئس تھا جبکہ زرتاشہ عینا بیگم کا پرتو تھی ماں کی طرح ضدی، جھگڑالو اور اپنی من مانی کرنے والی، آریز کا ہر فیورٹ کھلونا وہ رو دھو کر اس سے چھین لیا کرتی اس کی فیورٹ ڈش زری کو بھی اچھی لگتی اور وہ کھا لیا کرتی اس کی چاکلیٹس پر قبضہ کر لیا کرتی۔ آریز حیدر لغاری کے سمجھانے پر خاموش ہو جایا کرتا مگر اس دل میں زرتاشہ کے لیے بدگمانی بھرنے لگی جو جوانی تک ایک تناور درخت بن گئی جس کی جڑیں بہت مضبوط تھیں۔ آریز ایم بی اے مینجمنٹ کی ڈگری لے کر اپنا خاندانی بزنس سنبھال رہا تھا کہ ایک دن اچانک فرح بیگم حرکت قلب بند ہو جانے پر ان دونوں کو اکیلا چھوڑ گئیں بہت بڑا جھٹکا تھا آریز اور حیدر صاحب کے لیے اور اسی صدمے کے زیر اثر حیدر صاحب کو ہارٹ اٹیک ہو گیا اور وہ تین دن I.C.U میں رہ کر گھر آئے تو ان کے لبوں پر خاموشی کا قفل پڑ گیا اور پھر آہستہ آہستہ ان دونوں نے ایک دوسرے کے لیے اپنے آپ کو سنبھال لیا، ہاں البتہ عینا بیگم اور زرتاشہ کی زندگی کہیں بھی ڈسٹرب نہ ہوئی تھی اور عینا بیگم نے باتوں باتوں میں بھائی سے بیٹی کے رشتے کی بات بھی کر لی تھی حیدر صاحب نے ٹال دیا تھا کہ وقت آنے پر دیکھیں گے جبکہ آریز کے دل پر نیناں نے قبضہ کر لیا تھا، پہلی نظر میں وہ آریز لغاری کو مسرور کر گئی تھی اس کی معصومیت نے اس کی سادگی اور حسن نے بڑی خاموشی سے آریز لغاری کے دل کے تاروں کو چھو لیا تھا۔

☆.....☆

وہ چند لمحوں پہلے ہی آفس آیا تھا اور عباد صاحب نے جو خبر اسے دی تھی اسے سن کر وہ چند لمحوں کے لیے چپ کا چپ رہ گیا تھا عباد صاحب اسے نیناں کے والد کی ڈیتھ کا بتا کر جا چکے تھے وہ یوں ہی کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا اور پھر گاڑی کی چابیاں اٹھاتا حیدر صاحب کو ساتھ لیے آفس کی بلڈنگ سے باہر نکل آیا۔ آج حیدر صاحب ضد کر کے آفس چلے آئے تھے وہ دونوں نیناں کے والد کی تدفین میں شریک رہے تھے مگر وہ نیناں کو نہیں دیکھ پایا تھا وہ گھر آیا اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا، حیدر صاحب نے خاموشی سے بیٹے کو دیکھا اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

☆.....☆

افتخار احمد کو گئے پانچواں دن تھا مگر ان کے گھر میں سوگ آج بھی پہلے دن جیسا تھا، پورے دو دن کے بعد وہ ہوش کی دنیا میں آئی اور اپنے بھی نہ بھرنے والے نقصان پر بس آنسو بہائے جا رہی تھی پانی کا ایک قطرہ بھی اس کے حلق سے نیچے نہیں گیا تھا۔

''نیناں بس کر دو میری جان۔'' زبیدہ بیگم اسے گلے لگائے خود بھی سسک پڑی تھیں۔

''اماں! ابو نے بالکل اچھا نہیں کیا میرے ساتھ اس بھری دنیا میں یوں ہی بے آسرا چھوڑ گئے ہم دونوں کو۔'' وہ سسک سسک کر ان کے سینے لگی روئے جا رہی تھی۔

زبیدہ بیگم کے اپنے دل سے بے بسی کی ہوک سی اٹھی تھی اور آنسو بے ساختہ تھے۔

''نیناں! جو اللہ کی مرضی اپنے رب سے کبھی گلہ نہیں کرتے اور وہ کبھی اپنے بندوں کو بے آسرا نہیں چھوڑتا اس ذات سے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔'' زبیدہ بیگم نے اس کے آنسو بہاتی رہی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ زبیدہ بیگم اپنی چادر سنبھالتی باہر کی طرف گئیں تھیں اور چند لمحوں بعد آریز لغاری دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا ساکت سا اپنے سامنے موجود نیناں افتخار کو دیکھ رہا تھا، ملگجے سے کاٹن کے پنک کپڑوں میں ملبوس ایک کندھے پر جھولتا دوپٹہ الجھے بکھرے بالوں کی چوٹی آگے پڑی تھی رویا رویا زرد چہرہ آنسوؤں سے اٹی بھیگی دراز پلکیں بند کیے وہ کوئی اور ہی لگی تھی جس کی بند پلکوں سے بھی آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بکھرے جا رہے تھے۔

''السلام علیکم۔'' وہ ذرا سا کھنکھارا تھا، آواز پر نیناں نے پٹ سے بند آنکھوں کو کھولا تھا اور سامنے آریز لغاری کو دیکھ کر فوراً سنبھلی تھی پیچھے اماں بھی اندر آ رہی تھیں۔

''کیسی طبیعت ہے۔'' وہ خود ہی پاس پڑی کرسی پر ٹک گیا تھا۔ وہ سنبھل کر دوپٹہ سر پر لیتی نیناں کو گہری نظروں سے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''ٹھیک ہوں سر!'' لہجے میں آنسوؤں کی نمی گھلی تھی۔ مسلسل رونے سے آنکھیں قاتل ہو رہی تھیں، آریز کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی اس کی آنکھیں اس کی کمزوری بن رہی تھیں۔

''تم ہی سمجھاؤ بیٹا! اس طرح روتے رہنے سے اس کے ابو واپس تو نہیں آ جائیں گے۔'' زبیدہ بیگم نے نم آلود لہجے میں کہتے آریز کو دیکھا تھا۔

''آنٹی! ٹھیک کہہ رہی ہیں، نیناں اگر اس طرح ہمت ہار جائیں گی تو آنٹی کو کون سنبھالے گا۔'' وہ اس کی جھکی بھیگی پلکوں کو دیکھتا ہوا بولا تھا۔

''کیسے سنبھالوں میں خود کو سر! اس بھری دنیا میں میرے ابو ہی ہم دونوں کا واحد سہارا تھے اور وہ بھی یوں

اچانک چھوڑ کر چلے گئے ہم دونوں کو بے آسرا چھوڑ کر۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر ایک بار پھر سسک پڑی تھی، زبیدہ بیگم آنسو چھپاتی کچن میں چلی گئیں، آریز اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے چند انچ کے فاصلے پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔

''کس نے کہا کہ خدا نے آپ کو بے آسرا چھوڑ دیا وہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ آپ کو کیسے بے آسرا چھوڑ سکتا ہے۔ مجھ سے شادی کریں گی، میں دوں گا آپ کو ایک مضبوط سائبان میں بنوں گا آپ کا سہارا کیا میری پناہوں میں اپنا آپ سونپنا پسند کریں گی۔'' آریز کی اس غیر متوقع بات پر وہ اپنی بھیگی آنکھیں اٹھائے ساکت سی اسے دیکھے گئی، اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔

''آپ کی خاموشی کو کیا سمجھوں؟'' چند لمحوں بعد ہی آریز کو دوبارہ پوچھنا پڑا تھا۔

''سر! مجھے کسی کی ہمدردی یا ترس کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اور اگر میں کہوں کہ یہ نہ ہمدردی ہے نہ ترس ہے بلکہ یہ محبت ہے تو پھر آپ کا جواب کیا ہوگا۔'' اس کے آنچ دیتے گھمبیر لہجے نے اسے کسی قابل نہیں چھوڑا تھا۔

''کیا آپ کے گھر والے مجھے قبول کریں گے؟'' وہ تذبذب کے عالم میں سوال کر بیٹھی تھی۔

''کیا میرا قبول کر لینا کافی نہیں ہے۔'' وہ اس قدر مضبوط و گھمبیر جذبات سے گندھے لہجے میں بولا تھا کہ نیناں نے اس کے آگے خود کو بے بس پایا تھا اور یوں وہ چند لمحوں میں نیناں افتخار احمد سے نیناں آریز لغاری بن گئی تھی چند لمحے لگے تھے اس کی زندگی بدلنے میں۔ گاڑی لغاری ہاؤس کے پورچ میں آ کر رکی تو وہ اپنی خود ساختہ سوچوں سے چونکی تھی آریز اپنی سائیڈ کا ڈور کھول کر اترا تھا اور پھر اس کی سائیڈ کا ڈور کھولا تھا۔

''مسز آریز لغاری کیا رات گاڑی میں ہی بیتانی ہے۔'' وہ جھک کر شرارتی لہجے میں بولا تھا، اس کے اس طرح بولنے پر وہ ایک دم سے جھینپ سی گئی تھی اور فوراً ہی گاڑی سے اتری تھی۔

''چلیے میڈم!'' کار کا ڈور بند کرتے اسے ساتھ آنے کا اشارہ کرتے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہ بھی جھجکتی ہوئی اس کے پیچھے چل دی تھی لغاری ہاؤس کو دیکھ کر اسے لگا تھا جیسے وہ کسی خوبصورت آئی لینڈ میں آ گئی ہے۔

لاؤنج کا گلاس وال کھول کر وہ اندر آیا تو لاؤنج میں حیدر لغاری کے علاوہ عینا بیگم اور زرتاشہ بھی موجود تھیں۔ تینوں کسی بات پر زور و شور سے ڈسکشن میں مصروف تھے۔ آریز پر پہلی نظر زرتاشہ کی پڑی تھی اور ساتھ میں لڑکی کو دیکھ کر زرتاشہ کے لبوں کی مسکراہٹ پل بھر میں سمٹی تھی۔

''یہ کون ہے آریز؟'' زرتاشہ کھڑی ہوتی نیناں پر نخوت بھری نگاہ ڈالتے آریز سے سرد لہجے میں بولی تھی، عینا بیگم نے بھی زرتاشہ کی تقلید میں آریز کے ساتھ گھبرائی سی کھڑی نیناں کو بھرپور طریقے سے دیکھا تھا۔

''یہ لڑکی کون ہے آریز؟'' اب عینا بیگم نے اسے تفصیلی نگاہ سے دیکھا تھا۔

''پھپھو! یہ بہو ہے آپ کی۔'' آریز نے پرسکون لہجے میں کہا تھا اور عینا بیگم کے ساتھ ساتھ زرتاشہ کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

''بھیا! یہ آریز کیا بول رہا ہے۔'' عینا بیگم سکون سے بیٹھے حیدر لغاری کی سمت پلٹی تھیں جو خاموشی سے بیٹھے سارا تماشا دیکھ رہے تھے۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے وہ۔'' حیدر صاحب اطمینان سے بولے تھے۔

''کیا ٹھیک کہہ رہا ہے، ارے وہ تو ابھی ناسمجھ ہے آپ تو سمجھدار ہیں آپ جانتے ہیں کہ آریز کی نسبت زرتاشہ کے ساتھ طے ہے بچپن کی منگیتر ہے وہ آریز کی پھر یہ کیا تماشا ہے ہم کسی بھی راہ چلتی لڑکی کو لغاری خاندان کی اکلوتی بہو تو نہیں تسلیم کر سکتے جس کے نہ خاندان کا پتہ ہو نہ حسب و نسب کا اور دیکھو ذرا کیسی گھنی میسنی منہ جمائے کھڑی ہے شرم تو نہیں آئی ہوگی میری بیٹی کے حق پر ڈاکہ ڈالتے، میرے سیدھے سادھے معصوم سے بھتیجے کو اپنے چنگل میں پھانس لیا۔''

''بس کر دیں پھپھو کیوں کسی پر الزام لگا رہی ہیں، میں نے اپنی مرضی سے نیناں سے شادی کی ہے نیناں کہاں سے قصوروار ہو گئی۔'' آریز نے عینا بیگم کو ٹوک دیا تھا۔

''قصور تو میرا بھی کوئی نہیں تھا آریز میں تو بچپن سے تمہارے نام کو اپنے دل میں لکھے بیٹھی تھی میری آنکھوں میں بھی تو صرف تمہارے نام کے سپنے سجے تھے اور آج تم نے میری جگہ اس لڑکی کو دے دی اور تمہیں شرم نہیں آئی، کسی لڑکی کے حق کو غصب کرتے یہی سکھایا ہے تمہیں تمہارے ماں باپ نے۔'' زرتاشہ بھی پھنکارتے لہجے میں بولی تھی۔

''اسٹاپ اٹ زرتاشہ! کیا بکواس کر رہی ہو اتنی دیر سے آپ لوگوں کو جو بھی کہنا ہے مجھ سے کہیں نیناں کو اگر کسی نے ایک لفظ بھی کہا تو بہت برا ہوگا اگر آپ لوگوں کا لحاظ کر رہا ہوں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ لوگ میری بیوی کو جو دل میں آئے کہتے چلے جائیں گے۔'' آریز کی سرد آواز پر لاؤنج میں یک دم سے سناٹا چھا گیا تھا۔

''آریز! بہو کو اپنے کمرے میں لے کر جاؤ۔'' اس سے پہلے کہ مزید کوئی بحث ہوتی حیدر صاحب کی مداخلت نے سب کو چپ کروا دیا تھا۔ آریز نے ایک نظر حیدر صاحب کو دیکھا اور پھر نیناں کا ہاتھ تھامے تیزی سے اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا تھا وہ اس کے ساتھ جیسے کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں کھنچی چلی آئی تھی۔

''سوری نیناں!'' اسے صوفے پر بٹھا کر آریز خود اس کے گھٹنوں کے پاس پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔

''مجھے ابھی اسی وقت اپنے گھر جانا ہے۔'' اس سے پہلے کہ آریز مزید کچھ کہتا نیناں کی سرد آواز نے اسے لمحے بھر کے لیے ساکت سا کر دیا تھا۔

''میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔'' آریز سر جھٹکتے بولا تھا۔

''مجھے اپنے گھر جانا ہے ابھی اور اسی وقت۔'' یک دم سپاٹ لہجے میں اس کی آنکھوں میں دیکھتی بولی تھی۔

''کیا مطلب ہے نیناں تم اپنے گھر میں ہو۔'' آریز نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''اچھا مذاق کر لیتے ہیں آپ نکاح کر کے لائے تھے آپ مجھے وہ بھی اپنی مرضی سے اور آپ کے گھر والوں نے کیا کیا الزامات لگا دیئے مجھ پر میرے ماں باپ کی تربیت کو گالی دی مجھے بڑے مہذب لفظوں میں آوارہ بدچلن ہونے کا خطاب دے ڈالا اور اب بھی آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنے گھر میں موجود ہوں۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولی تھی۔

''نیناں پلیز میری بات سنو۔'' آریز نے اس کے برابر بیٹھتے نرمی سے کہا تھا۔

''مجھے کچھ نہیں سننا آریز صاحب! ابھی جو آپ کی بدولت میرے کردار پر آپ کے گھر والوں نے مجھے جن طعنوں سے نوازا ہے، وہ زندگی بھر یاد رہے گا مجھے کب میں نے آپ کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی؟

کب آپ نے بتایا کہ آپ پہلے سے کمیٹڈ ہو دھوکا آپ نے دیا اور انگلیاں میری ذات پر اٹھیں کیچڑ میرے ماں باپ کی تربیت پر اچھالا گیا، کب میں نے آپ کی خوشامد کی کہ مجھ راہ چلتی کو آپ اس عالیشان محل کی بہو بنا ئیں۔ میں تو ہر بات سے انجان تھی مگر ہر الزام میری ذات سے جوڑ دیا گیا بد دعاؤں کے تحفوں سے نوازا گیا، اتنا کافی ہے اس سے زیادہ کچھ برداشت کرنے کی سکت نہیں ہے مجھ میں اگر آپ مجھے لے کر نہیں جائیں گے تو میں خود چلی جاؤں گی۔'' وہ دوٹوک لہجے میں بولی تھی۔

''او کے تم میری بات سننا ہی نہیں چاہتی ہو خیر چھوڑو چلو تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔'' وہ بنا اس کی طرف دیکھے تیزی سے کمرے سے باہر نکلا تھا پیچھے وہ بھی چادر سنبھالتی نکلی تھی۔

گاڑی اس کے گھر کے سامنے ایک جھٹکے سے رکی تھی۔ گاڑی رکتے ہی وہ تیزی سے باہر نکلی تھی۔

''آئی ہیٹ یو آریز لغاری۔'' کھڑکی پر جھک کر کہتی آنسو بھری آنکھوں سے اسے ایک نظر دیکھتی وہ تیزی سے پیچھے ہٹی تھی لیکن اس سے بھی زیادہ تیزی سے آریز نے اس کا بازو پکڑ کے اپنی طرف کھینچا تھا۔

''بٹ آئی لو یو نیناں آریز لغاری۔'' بھاری و گھمبیر لہجے میں کہتے وہ گاڑی تیزی سے بھگا لے گیا تھا، پیچھے وہ اڑتی دھول کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆.....☆

''مما! وہ دو ٹکے کی لڑکی آریز کو چھوڑ کر چلی گئی۔'' زرتاشہ کھڑکی سے ہٹ کر عینا بیگم کے گلے میں بانہیں ڈالتے از حد خوشی سے بولی تھی۔

''اسے تو جانا ہی تھا میری بیٹی کی جگہ کوئی دوسری لڑکی کبھی نہیں لے سکتی، میں ایسا کبھی ہونے نہیں دوں گی۔'' عینا بیگم کے دھیمے لہجے میں بھی سانپ کی سی پھنکار تھی۔

''زندگی بھر یوں ہی تڑپتے رہو گے آریز میری بیٹی کا دل دکھایا ہے اب اس طرح زندگی بھر اپنی خوشیوں کے لیے ترسو گے۔'' آریز کے روم کی جلتی لائٹ پر نگاہ جمائے وہ بولی تھیں۔

''مما! آریز کو لمحے بھر کے لیے بھی میں خوش دیکھنا نہیں چاہتی۔'' زرتاشہ پھنکارتے ہوئے بولی۔

''وہ نیناں کے بغیر ادھوار ہے اور ہمیشہ یوں ہی ادھوار رہے گا۔'' عینا بیگم نے بیٹی کا گال تھپتھپا کر کہا تھا۔

☆.....☆

''نیناں! تم اس وقت اس طرح اکیلی سب خیریت تو ہے ناں۔ آریز کہاں ہے۔'' زبیدہ بیگم اسے اس حالت میں دیکھ کر ہول کر رہ گئی تھیں۔

''اماں! اس وقت مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔'' وہ چادر کو ایک طرف پھینکتی تخت پر بیٹھتے روہانسی ہو کر بولی تھی۔

''کیوں نہ پوچھوں نکاح کیے کتنا وقت گزرا ہے جو تم دوبارہ اس حالت میں یہاں موجود ہوں۔'' زبیدہ بیگم نے اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

''اماں! اگر اس وقت آپ نے مزید کچھ پوچھا تو میں ابھی اسی وقت یہاں سے بھی چلی جاؤں گی۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

''نیناں میری بچی۔'' اماں نے ایک دم ہی اس کو اپنے سینے سے لگایا تھا اور وہ اپنا سارا درد آنسوؤں کی صورت بہاتی چلی گئی تھی۔ اماں خاموشی سے اس کا سر سہلا رہی تھیں فی الحال کچھ بھی پوچھنے کا ارادہ انہوں نے بدل دیا تھا۔

☆.....☆

اس نے گھر سے اپنا ریزائن لیٹر بھجوا دیا تھا، آریز نے چند لمحے اس کے ریزائن کو بغور دیکھا تھا اور پھر اس کے نمبر پر کال کی تھی چوتھی بیل پر کال ریسیور کر لی گئی تھی۔

''تم نے جاب سے ریزائن کیوں دیا ہے؟'' جب وہ کچھ نہیں بولی تو اسے خود ہی بولنا پڑا تھا۔

''میری مرضی۔'' چند لمحوں بعد اس کی سرد آواز اسے سنائی دی تھی۔

''آپ اس طرح ریزائن نہیں کر سکتیں۔'' وہ پرسکون لہجے میں بولا تھا۔

''یہ فیصلہ میں خود کروں گی سمجھے آپ۔'' وہ اسی طرح سرد لہجے میں بولی تھی۔

''سمجھنے کی ضرورت آپ کو ہے مسز نیناں آریز! آپ نے جوائن کرتے وقت ایک پیپر سائن کیا تھا اور اس پیپر کے مطابق آپ اس طرح کمپنی کو بنا بتائے جاب سے ریزائن نہیں کر سکتیں اور اگر آپ ایسا کریں گی تو کمپنی آپ پر قانونی کارروائی بھی کر سکتی ہے۔'' آریز نے مکمل اطمینان سے کہتے اسے یقیناً ساکت کر دیا تھا، ادھر سے بنا کچھ کہے کال ڈسکنٹ کر دی گئی تھی۔ آریز دھیرے سے مسکراتے ہوئے موبائل ٹیبل پر رکھتا لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

☆.....☆

''مس نیناں آپ کو آریز صاحب نے اپنے آفس میں بلایا ہے۔'' عباد صاحب نے اس کی ٹیبل کے پاس رک کر کہا تھا۔

''کیوں بلا رہے ہیں؟'' وہ جو حد درجہ جھنجلاتی پی سی پر کام کر رہی تھی یک دم سے تپ کر بولی تھی۔

''آئی ڈونٹ نو۔'' وہ کندھے اچکاتے آگے کو بڑھ گئے، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے آفس کی طرف بڑھ آئی، جانتی تھی اگر نہیں گئی تو وہ خود اس کے پاس آ جائے گا۔

وہ سست قدموں سے آریز کے آفس میں بنا ناک کیے چلی آئی تھی۔

''کیوں بلایا ہے مجھے؟'' وہ مزے سے اپنی چیئر پر بیٹھا جھول رہا تھا جب وہ غصے سے تن فن کرتی اس کے سامنے کھڑی پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی تھی۔

کتنا ادھورا لگتا ہے نا وصی
آنکھیں ہوں اور دیدار یار نہ ہو

وہ چیئر سے اٹھ کر اس کے قریب آ کر عین اس کے مقابل کھڑے ہوتے اس کی آنکھوں میں جھانکتے گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔

''ایک نمبر کے بے ہودہ اور گھٹیا انسان ہیں آپ۔'' وہ جل بھن ہی گئی تھی۔

''یہ بریکنگ نیوز مجھ تک پہنچانے کا شکریہ۔'' وہ قہقہہ لگاتے مزے سے بولا تھا۔

''آپ نے مجھے اس فضول گوئی کے لئے اپنے آفس بلایا ہے؟'' وہ تنک کر بولی تھی۔

''ابھی تک میں نے فضول گوئی کی شروعات کی کب ہے اگر اجازت ہو تو اسٹارٹ لوں؟'' وہ اس کے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دیتے بھاری لہجے میں بولا تھا۔ اس کے جھٹکا دینے پر نیناں ایک دم سے اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

''چھوڑیں مجھے۔'' اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑاتی وہ ایک دم سے پیچھے ہٹی تھی۔

''ابھی تک تو میں نے تمہیں ہاتھ نہیں لگایا ہے۔'' وہ اس کے بالکل قریب آ کر گھمبیر لہجے میں بولا تھا۔
''آپ سے بات کرنا ہی فضول ہے۔'' وہ جھنجلا کر کہتی جانے کو مڑی تھی کہ کلائی آریز کی گرفت میں قید ہو گئی تھی۔
''ایسا کب تک چلے گا نیناں؟'' وہ ایک دم ہی سنجیدہ ہو کر بولا تھا۔
''مجھے بہت کام ہے۔'' وہ فوراً اپنا دامن بچاتی وہاں سے جانے لگی تھی۔
''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔'' وہ تیزی سے اس کا رخ اپنی طرف موڑتے بولا تھا۔
''آپ کے سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔'' وہ فوراً نظر چراتی ہوئی بولی تھی۔
''بس کر دو نیناں اور کتنا تڑپاؤ گی۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری یہ بے رخی میری جان ہی لے لے۔'' وہ ایک دم سے سلگتے لہجے میں بولا تھا۔ نیناں کی پلکیں بے ساختہ اٹھی تھیں اور دل اچانک سے بے قابو ہوا تھا، وہ بنا کچھ کہے تیزی سے وہاں سے نکل گئی جبکہ آریز بند دروازے پر نگاہ جمائے وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

☆.....☆

اس نے کھڑکی کی سلائیڈ ہٹا کر باہر جھانکا، موسم بے حد حسین ہو رہا تھا، ساتھ ہی ہلکی بوندا باندی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ وہ سلائیڈ گراتا ٹیبل سے چابیاں اٹھاتا آفس سے نکل آیا۔ گاڑی مین روڈ پر آئی تو کچھ ہی فاصلے پر ایک شیڈ کے نیچے اسے وہ کھڑی نظر آ گئی۔ گرین کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس شانوں پر ہم رنگ دوپٹہ پھیلائے سر پر بلیک اسکارف باندھے وہ بہت ہی بے بسی سے لمحہ لمحہ تیز ہوتی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے گہری سانس لیتے گاڑی سائیڈ پر لگائی اور خود گاڑی سے نکل کر اس کے پاس چلا آیا۔
''گاڑی میں بیٹھو۔'' اس کے قریب آتے وہ کچھ غصے بھری آواز میں بولا تھا۔
''میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ بے رخی سے بولی تھی۔
''پلیز نیناں! میرا دماغ خراب مت کرو، چل کر گاڑی میں بیٹھو، موسم بہت خراب ہے، کوئی بھروسہ نہیں ہے موسم کا۔'' وہ نرمی سے بولا تھا۔
''بھروسہ تو آپ کا بھی نہیں ہے۔'' بے ساختہ اس کے لبوں سے نکل گیا تھا۔
''تمہارے بھروسے کی ایسی کی تیسی۔'' وہ اس کا ہاتھ کھینچتا گاڑی تک لے آیا تھا، وہ اس اچانک افتاد سے بری طرح گھبرائی تھی۔
''چھوڑیں میرا ہاتھ۔'' وہ خود کو سنبھالتی زور سے چیخی تھی۔ وہ اس کے چیخنے کی پرواہ کئے بنا گاڑی میں بٹھا کر خود بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔
''کوئی فائدہ نہیں، اس محنت کا، آٹومیٹک لاک ہے، نہیں کھلے گا۔'' وہ اسے لاک کھولتے دیکھ کر آرام سے بولا تھا۔
''ایک نمبر کے لفنگے اور بے ہودہ انسان ہیں آپ۔'' غصے میں جو اس کے منہ میں آیا وہ بول گئی تھی۔
''چلو! آج میں تمہیں اپنی بے ہودگی دکھا ہی دیتا ہوں۔'' ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کرتے وہ اس کے نازک لبوں پر اپنے گرم ہونٹوں کا لمس چھوڑ چکا تھا۔ اس کی اتنی جرأت پر اس کی حسین آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھرنے لگی تھیں اور زبان یک دم ساکت رہ گئی تھی۔
''اگر تمہاری آنکھوں سے ایک آنسو بھی گرا تو پھر اتنا یاد رکھنا کہ انہیں سمیٹوں گا میں اپنے طریقے سے، جگہ کا

لحاظ کئے بنا۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو جمع ہوتے دیکھ کر وہ شرارت سے بولا تھا اور اس کے فوراً سے رخ کھڑکی کی طرف کر لینے پر وہ مسکراہٹ دباتا خاموشی سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔ گاڑی اس کے گھر کے آگے رکی تو وہ اپنی طرف کا ڈور کھولتی تیزی سے باہر نکلنے لگی کہ اس کی کلائی آریز کی مضبوط گرفت میں قید ہوئی تھی۔ وہ ایک دم سے گھبرا کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔
''گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، دوبارہ تمہیں تنگ کرنے کا ارادہ نہیں ہے میرا۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا مسکرایا تھا، وہ خاموش رہی۔
''نیناں اپنے گھر کب آؤ گی؟'' وہ اس کے کان کے قریب بھاری و گھمبیر لہجے مین بولا تھا۔
''کبھی نہیں۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتی وہ بے رخی سے کہتی تیزی سے اپنا ہاتھ چھڑاتی اپنے گھر کے اندر چلی گئی۔
''بہت کھڑور ہو تم نیناں!'' وہ بے بسی سے کہتا تیزی سے گاڑی بھگا لے گیا۔

☆.....☆

وہ باتھ لے کر فریش ہو کر آئینے کے سامنے آئی تو اپنے ہونٹوں پر نظر پڑتے ہی اسے چند گھنٹوں پہلے کی گئی آریز کی حرکت یاد آئی تھی۔
اس کے لب بے ساختہ دہک اٹھے تھے۔ آریز نے پہلی بار اس طرح کی کوئی حرکت کی تھی اس کے ساتھ۔
''آریز لغاری، تم بہت ہی بے ہودہ انسان ہو۔'' بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا تھا، وہ جھنجھلا کر شیشے کے آگے سے ہٹ گئی۔ دل الگ دھڑ دھڑ کرنے لگا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دشمن جاں پوری طرح اس کے دل پر قبضہ کیے اسے اپنا اسیر بنائے ہوئے تھا۔ وہ سر جھٹکتی باہر اماں کے پاس چلی آئی۔ اماں سے باتیں کرتے بھی اس کا ذہن آریز میں ہی کھویا ہوا تھا۔

☆.....☆

اچانک ہی گھر میں زرتاشہ کی شادی کا اعلان عینا بیگم نے کر دیا تھا اور شادی کی تیاریاں بھی زور و شور سے جاری تھیں۔ عینا بیگم نے اس کا رشتہ مل اونر کے بیٹے سے طے کیا تھا، زرتاشہ آج کل ہواؤں میں اڑتی پھر رہی تھی۔
''زری! کس سوچ میں گم ہو؟'' اسے سوچوں میں گھرا دیکھ کر عینا بیگم اس کے برابر میں بیٹھی پیار سے بولی تھیں۔
''مما! ایک وعدہ کریں مجھ سے۔'' وہ ان کا ہاتھ تھامے، نگاہیں ان کے چہرے پر جما کر بولی تھی۔
''کیسا وعدہ؟'' عینا بیگم نے الجھن زدہ لہجے میں کہا۔
''ماما! میرے چلے جانے کے بعد بھی وہ لڑکی اس گھر میں نہ آئے، آریز کی زندگی میں کوئی بہار کا موسم نہ آنے پائے۔ ماما وہ ہمیشہ ہر خوشی کے لئے ترسے۔'' وہ نفرت زدہ لہجے میں بولی۔
''بے فکر رہو میری جان! تم یہ سب فضول سوچوں کو چھوڑو اور شادی انجوائے کرو۔'' عینا بیگم نے اس کا گال تھپتھپایا تھا جبکہ وقت ان کی گفتگو پر مسکراتا آگے کو بڑھ گیا۔

☆.....☆

زرتاشہ کی شادی کے بعد گھر میں بالکل ہی سناٹا ہو گیا تھا۔ عینا بیگم الگ بولائی بولائی سی پھرتیں اور پھر زیادہ گھبراتیں تو گھر سے نکل جایا کرتیں۔

وہ گھر میں آیا تو پورا گھر سناٹے میں ڈوبا تھا۔ حیدر صاحب بھی اپنے کسی دوست کے گھر گئے تھے۔ وہ سیدھ اپنے بیڈروم میں چلا آیا۔

''نیناں! کب اپنی ضد چھوڑو گی اور کتنا ستاؤ گی یار۔'' وہ تکیہ بازوؤں میں دبائے پھیکی سی مسکراہٹ سمیت بولا تھا۔

☆.....☆

دروازے پر دستک کی آواز سن کر زبیدہ بیگم دروازے تک آئی تھیں۔ دروازہ کھولا تو سامنے آریز کو دیکھ کر چند لمحے تو کچھ کہنا ہی بھول گئیں۔

''السلام علیکم!'' اس نے بھاری لہجے میں سلامتی بھیجی تھی۔

''وعلیکم السلام! آؤ بیٹا اندر آجاؤ۔'' وہ دروازے سے ہٹتے اندر آنے کا راستہ دیتی بولی تھیں۔

وہ گھر کے اندر چلا آیا تھا۔

''آنٹی! نیناں کہاں ہے، دو دن سے جاب پر بھی نہیں آرہی۔'' وہ صحن میں کھڑا ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے بولا تھا۔

''بیٹا! طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دو دن سے نزلے بخار نے جان عذاب میں ڈال رکھی ہے میری بچی کی۔ نیناں ادھر کمرے میں ہے، تم چلو میں چائے بناتی ہوں۔'' اسے کمرے کی طرف اشارہ کرتی وہ خود کچن کی طرف چلی گئیں، وہ کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''کیسی طبیعت ہے؟'' اتنے قریب سے آتی اس کی گھمبیر آواز پر بے ساختہ اس نے آنکھیں کھولی تھیں اور اپنے بالکل قریب بیٹھے آریز کو دیکھ کر اس کا دل حلق میں آگیا تھا۔ وہ فوراً سیدھی ہوئی تھی اور دوپٹے کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تھی۔ اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھتے آریز نے اپنے پیچھے سے اس کا دوپٹہ اٹھا کر اس کی گود میں ڈالا تھا۔ اس نے فوراً دوپٹہ اپنے شانوں پر برابر کیا تھا۔ آریز کو اس کے گریز پر ہنسی آئی مگر ضبط کر گیا۔

''میری جدائی کا اس قدر غم ہے تمہیں۔'' اس کی فلو سے سرخ ہوتی ناک کو دیکھتے وہ شرارت سے بولا تھا۔

''خوش فہمی کی انتہا ہے۔'' وہ فوراً تڑخ کر بولی تھی۔

''بہت کھٹور ہو نیناں! خوش فہم ہی رہنے دیا کرو۔'' وہ بولا تو اس کا لہجہ سلگتا ہوا تھا۔

نیناں کا دل یک دم بڑی زور سے دھڑکا تھا۔

''بس کردو نیناں! چلو گھر واپس چلو۔'' وہ اس کا گرم دہکتا ہاتھ تھام کر بھاری لہجے میں بولا۔

''آپ بار بار کیوں مجھ سے وہ کام کرنے کا کہتے ہیں جو میرے لئے ناممکن ہے۔'' وہ سرد لہجے میں بولی تھی۔

''تم وہ سب بھول نہیں سکتیں؟'' وہ بے بسی کی انتہا پر تھا۔

''ہرگز نہیں۔'' وہ فوراً بولی تھی۔

''پلیز نیناں! سب بھول جاؤ صرف مجھے اور میری محبت کو یاد رکھو۔'' اس کے لہجے میں تڑپ تھی، محبت ہی محبت تھی۔

''نہیں بھول سکتی، روح پر لگے زخم اتنی آسانی سے کہاں بھولے جاتے ہیں۔'' اس کی آواز میں یک دم نمی گھلی تھی۔

''جانتی ہو نیناں! میں ہر بات بھلا کر تمہیں لینے آیا تھا کیونکہ محبت میں انا نہیں ہوتی اور جہاں انا غالب آجائے، وہاں محبت کا وجود دم توڑنے لگتا ہے۔ محبت جھکنا سکھاتی ہے، جھکانا نہیں۔ میں ہر بار خود سے تمہاری

طرف قدم بڑھاتا ہوں مگر تم ہر بار مجھ سے دس قدم کے فاصلے پر چلی جاتی ہو۔ میں ہر بار تمہارا ہاتھ تھامنا چاہتا ہوں اور تم ہر بار بڑی بے دردی سے میرا بڑھا ہوا ہاتھ جھٹکتی جاتی ہو۔ تم نے آج ثابت کر دیا کہ تم انا پرست ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی سنگ دل بھی ہو۔ تمہیں صرف محبت میں درد دینا آتا ہے۔'' وہ حد درجہ سنجیدہ لہجے میں کہتا اس کا ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''آج کے بعد آریز لغاری کبھی تمہیں پریشان نہیں کرے گا۔'' کہتے کے ساتھ ہی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا تھا۔ اماں جو کہ چائے کی ٹرے لا رہی تھیں، آریز کو اس طرح جاتے دیکھ کر حق دق ہی رہ گئی تھیں۔

''نیناں! یہ آریز میاں اس قدر غصے میں کیوں تھے؟'' اماں نے گم صم بیٹھی نیناں کا بازو ہلایا تھا۔

''اماں! میرے سر میں بہت درد ہے۔'' وہ بھیگی آواز میں کہتی ایک مرتبہ پھر سے چادر سر تک تانے لیٹ چکی تھی۔ اماں سر تھام کر رہ گئیں۔

☆.....☆

''آریز کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا تو، چل مان لیا کہ بھابی کی طرف سے زیادتی ہوئی ہے۔ وہ اگر ضد میں آکر کچھ الٹا سیدھا کرنے کی سوچ رہی ہیں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تو بھی ہوش گنوا دے۔'' وہ پریشان سے بیٹھے آریز پر چڑھ دوڑا تھا۔

''میں کیا کروں یار! اور کتنا سمجھاؤں؟ ہزار منتیں کی ہیں، وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہے۔ بس پیر پڑنے کی کسر رہ گئی ہے اور اگر یقین ہوتا کہ وہ اس طرح مان جائے گی تو یہ بھی کر گزرتا۔'' وہ حد درجہ جھنجھلا کر بولا تھا، زبیر کو بے ساختہ اس کی معصومیت پر ہنسی آئی تھی۔

''ایسا کون سا جوک سنایا ہے جو تمہاری بتیسی باہر نکلی پڑ رہی ہے۔''

''کسی دانا نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ عشق انسان کو نکما کر دیتا ہے۔ مسٹر آریز لغاری ایک نمبر کے انا پرست، مغرور جو ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دیں، وہ محبت میں ایک عام سی لڑکی کے پیر تک پڑنے کو تیار ہیں۔'' زبیر فل موڈ میں آیا تھا۔

''تم بہت کمینے انسان ہو، تاک تاک کر میرے زخمی دل پر تیر پھینک رہے ہو۔'' آریز نے زوردار دھپ لگائی تھی زبیر کی پیٹھ پر۔

''چلتا ہوں میں، تم ہنستے رہو میری بے بسی پر۔''

وہ اٹھنے لگا تو زبیر نے اس کا بازو کھینچتے واپس اس کو اپنی جگہ پر بٹھا لیا تھا۔

''مایوسی کفر ہے، کچھ کرتے ہیں یار، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس کے اداس چہرے کو دیکھتے تسلی آمیز لہجے میں بولا تھا۔

''اچھا یہ بتاؤ عینا آنٹی کہاں ہیں؟'' اس کی آنکھیں یک دم چمکی تھیں۔

''یہ میرے مسئلے میں عینا آنٹی کہاں سے بیچ میں آگئیں؟'' آریز، زبیر کے بے تکے سوال پر جھنجھلایا تھا۔

''تم بتاؤ تو سہی۔'' وہ اطمینان سے بولا تھا۔

''وہ آج کل اسلام آباد میں ہیں، ان کے کسی جاننے والے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، اس کی عیادت کے لئے گئی ہیں۔''

''ویری گڈ!'' وہ پرجوش ہو کر جوش بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''جاؤ، اب سے انتظار شروع کردو۔ دیکھنا بھابی کیسی دوڑی ہوئی تمہارے پاس آئیں گی۔'' وہ آنکھیں گھماتا شرارت سے بولا تھا۔

''تمہاری بکواس تو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔'' وہ جھنجھلایا تھا۔

''تم اپنے دماغ پر زور نہ ڈالو تو بہتر ہے۔'' وہ اس کے سر پر چپت لگاتا ہوا بولا، وہ پورا پلان ترتیب دے چکا تھا، اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

☆.....☆

وہ حواس باختہ سی تیزی سے لاؤنج کا گلاس وال دھکیلتی اندر داخل ہوئی تھی۔ سامنے سے آتی رحمت بوا اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں، وہ انہیں نظر انداز کرتی بے چینی سے آریز کا پوچھنے لگی۔ رحمت بوا نے لان کی طرف اشارہ کر دیا تھا، وہ تیزی سے لان کی طرف بڑھ گئی۔

آریز جو گلاب کے کنج کے پاس کھڑا تھا، آواز پر جھٹکے سے پلٹا تھا اور اپنے سامنے نیناں کو دیکھ کر ساکت رہ گیا تھا۔

''آریز تت.... تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' اس کے قریب آ کر اسے چھو کر دیکھتی بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ اس کے سینے سے لگی سسکیوں سے رو رہی تھی۔

''نیناں، نیناں، جسٹ ریلیکس۔ میں بالکل ٹھیک ہوں، تم رونا بند کرو۔'' لمحے میں اس نے اپنے آپ کو سنبھالا تھا اور اپنے سینے سے لگی نیناں کے گرد اپنا ہاتھ پھیلایا تھا۔ وہ یوں ہی اس کے سینے سے لگی آنسو بہاتی رہی۔

''پلیز نیناں! چپ کر جاؤ اور مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے، کیوں اس قدر گھبرائی ہوئی ہو؟'' اسے مسلسل آنسو بہاتے دیکھ کر وہ بہت نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ نیناں بھی یک دم سے حواسوں میں آئی تھی اور ایک دم سے کسمسا کر اس کی گرفت سے نکلی تھی۔ اپنی اس قدر بے اختیاری پر وہ سرخ چہرے کے ساتھ نگاہ جھکائے اس سے ذرا فاصلے پر کھڑی تھی۔

''وہ میرے پاس کسی رانگ نمبر سے کال آئی تھی کہ آپ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی تھی۔

''میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور میں گھر میں آرام سے بیڈ ریسٹ کر رہا ہوں۔'' آریز نے اس کی جھکی خمدار بھیگی پلکوں کو نگاہوں کی زد میں لیا تھا۔

''مجھے سمجھ نہیں آیا، ایکسیڈنٹ کا سن کر میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے اور آپ کو مذاق بنانے سے فرصت نہیں ہے۔'' وہ نم آلود آواز میں کہتی جانے کو پلٹ گئی تھی۔

''چلو اس رانگ نمبر سے آئی کال سے ایک بات تو ثابت ہو گئی کہ تم مجھ سے بہت محبت کرتی ہو۔'' وہ جاتی ہوئی نیناں کا ہاتھ کھینچتے حد درجہ شوخ لہجے میں بولا تھا۔ اس کے اچانک سے بازو کھینچنے پر وہ یک دم سے اس کے سینے سے آ لگی تھی۔

''چھوڑیں مجھے۔'' وہ اس کی گرفت سے نکلنے کو مچلی تھی۔

''اور اگر نہ چھوڑوں تو۔'' وہ اس کے کان کے قریب سرگوشی کے سے لہجے میں بولا تھا۔

''مجھے جانا ہے، چھوڑیں مجھے۔'' اس کا لہجہ لڑکھڑا سا گیا۔

''کیا جانا ضروری ہے؟'' اس کے گرد بازوؤں کا گھیرا تنگ کیے وہ سلگتے لہجے میں بولا تھا۔

نیناں اس کے دھیمے سلگتے لہجے پر چپ کی چپ کھڑی رہ گئی۔

''بولو ناں، کیا جانا ضروری ہے؟'' آریز کے لہجے کی گھمبیرتا نے اس کا دل پانی پانی کر دیا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ خود سے ہی ہارنے لگی تھی۔

''اب پھر سے چھوڑ کر مت جانا نیناں! بار بار جدائی کا زہر نہیں پی سکتا۔ ایسا نہ ہو کہ سچ میں حد سے گزر جاؤں یا پھر جان سے ہی گزر جاؤں۔''

''اللہ نہ کرے۔'' نیناں کا نازک ہاتھ بے ساختہ اس کے لبوں پر جا کر رک گیا تھا۔ آریز کے روم روم میں ٹھنڈک سی پڑ گئی تھی۔

''مت جاؤ نیناں!'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بے بسی سے بولا تھا۔

''ایک شرط پر۔'' وہ ایک دم ہی موم بن کر پگھلی تھی۔

''منظور ہے۔'' وہ لمحے کی تاخیر کیے بغیر بولا تھا۔

''زندگی میں مجھے کبھی دھوکا نہیں دیں گے۔''

''مر کر بھی نہیں۔''

''کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔''

''کبھی نہیں بولوں گا۔''

''مجھے کبھی ڈانٹیں گے نہیں۔'' اس کی فرمائشی لسٹ خاصی لمبی ہونے لگی۔

''یو چیٹر! ایک شرط کی جگہ تین شرطیں بیان کر چکی ہو تم۔'' آریز نے اسے گھورا تھا۔

''تو پھر میں چلتی ہوں۔'' وہ فوراً بولی تھی۔ آریز نے اس کا ہاتھ کھینچا تو وہ لڑکھڑا کر اس کے گلے سے آ لگی تھی۔ آریز نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کا گھیرا تنگ کر دیا۔

''اب اگر جانے کی بات کی تو جان لے لوں گا میں تمہاری۔'' اس کے چہرے پر جھک کر کہتا وہ اسے حواس باختہ کر گیا تھا۔

''پلیز آریز! چھوڑو مجھے۔'' وہ اٹک اٹک کر جھکی پلکوں سے بولی تھی۔

آریز نے بنا کچھ کہے اس کی جھکی لمبی خمدار پلکوں پر اپنے سلگتے لب رکھ دیئے تھے اور نیناں کی جان پر بن آئی تھی، وہ چپ کھڑی رہ گئی تھی۔

''ایک بات میری بھی مانو گی؟'' وہ اس کے چہرے پر جھکے جھکے بھاری لہجے میں بولا تھا۔

وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

''تمہاری آنکھوں نے میرا دل چرایا ہے، میری خاطر ان آنکھوں پر اتنا ستم مت ڈھایا کرو کہ میرے دل کی دھڑکن تھمنے لگے۔'' وہ اس کی آنکھوں پر اپنی انگلیوں کو پھیرتے بولا تھا۔

''مانو گی ناں نیناں؟'' وہ پھر پوچھ رہا تھا۔

اور اس کا سر بے ساختہ اثبات میں ہلا تھا اور اس نے اپنا سر آریز کے سینے پر رکھ دیا تھا اور جب ہی آریز نے دھیرے سے اس کے کان میں ہیپی ویلنٹائن ڈے کہا تھا۔

.....☆.....

سحر مبین

ناولٹ

جھلسوں کے مزار پر

پہاڑی کے اس پار سرسبز وادی میں واقع وہ سفید ایک منزلہ بڑے سے پھولوں کے باغیچے والا گھر صبح صادق کی نم ہوا کے تھپکے لیتے ہوئے سو رہا تھا۔ پرندوں کی چہکار ابھی مدھم سروں میں ہی تھی کہ گل ہاں

نے معمول کے مطابق تسبیح کے دانے گرانے کے ساتھ ساتھ سب کے دروازے پیٹنا شروع کر دیئے بڑی بہو تو ہڑبڑا کر اٹھنے کے ساتھ ہی وضو کرنے بھاگ گئی تھیں۔

''ارزم اٹھو بیٹا''۔ چونکہ یہ گل ماں کی پکار کی شروعات تھیں تبھی بہت نرم نرم سے الفاظ ادا ہوئے اوندھا لیٹے' تکئے پر سر گرائے ہونٹوں پر ہلکی مسکان جمائے گہری نیند میں ڈوبے عالیہ بھٹ کے خواب میں کھوئے ارزم پر ان کی پکار کا قطعی اثر نہ ہوا۔ شمع کی مانند کھڑی مسکراتی وہ معصوم حسن کی مالک اسے اپنے گرد پروانے کی مانند چکر کاٹنے پر مجبور کر رہی تھی۔ ارزم کی گہری ہوتی مسکان اور تکئے پر بھینچی مٹھیوں کا بڑھتا دباؤ۔

''خواب تو بڑے مزے کا ہے''۔ دل بے اختیار دعا میں تھا کہ کبھی رات ہی ختم نہ ہو کبھی اتنا میٹھا خواب نہ ہی ٹوٹے۔ چڑھتی صبح رات کو زوال دیتا سورج ہلکی ٹھنڈی ہوا اور شیطان کے کاری وار۔ یہی تو وقت ہوتا ہے کہ جو تے لے کر بھی نیند کو بھگاؤ تو وہ مہرداں دیوی بے وفائی کا نام نہیں لیتی اور پھر جب خواب بھی اتنے میٹھے ہوں ارزم جاگے کیسے؟ گل ماں کی پکار کا رخ رجب کی جانب مڑ چکا تھا پر روز کا معمول تھا۔

''رجب سنائی نہیں دے رہا کب سے اٹھنے کا بول رہی ہوں''۔ رجب بھی ارزم کے ساتھ ہی بیڈ پر لیٹا ہوا تھا ایک بازو اور ایک ٹانگ بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی۔

''آپ کل سے آفس آسکتے ہیں بلکہ اگر چاہیں تو آج سے ہی جوائن کر لیں''۔ میز کے اس پار بڑی ریوالونگ چیئر پر براجمان منیجر صاحب کافی خوش اخلاقی سے گویا ہوئے رجب کو تو ہارٹ اٹیک ہی دینے کے درپہ تھے وہ فرط جذبات سے کھلی بانہوں کو بند کرنے میں ناکام ہوتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''تھینک یو سر! تھینکس آلاٹ''۔ فائل کو سینے سے لگائے اب وہ فارملیٹیز نبھانے میں مصروف تھا۔

''اف کیسی دیرینہ منت پوری ہونے کو تھی''۔ رجب کھسکتے کھسکتے بیڈ سے نیچے گرنے کے قریب تھا ایسے مزے کے خواب روز روز تھوڑی آتے ہیں۔ گل ماں کے غصے کا گراف بڑھنے لگا تھا۔

''کیا صبح صبح نحوست پھیلا رکھی ہے' شیطان کی لوری مزے دیتی ہے ان شیطانوں کو۔ ارے کبھی نماز پڑھ کر دیکھنا کیسا سرور ہے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے نماز میں مگر مجال ہے ان پر اثر کر جائے کوئی بات کبھی''۔ گل ماں اب ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھیں۔

''ہریرہ بچے اٹھو' دیکھو نماز کا ٹائم نکلا جا رہا ہے' ذرا خیال کر لو کوئی ہوش ہے کہ نہیں''۔ گو کہ گل ماں بہت زیادہ ضعیف نہیں ہوئی تھیں مگر صبح صبح اتنا اونچی آواز میں مسلسل بولنے سے ہانپنے لگ گئی تھیں اوپر سے مزاج کی بڑھتی کڑواہٹ اور غصے کا بلند ہوتا گراف۔

فون کی دھیمی بجتی ٹون کے ساتھ ہلکی رفتار میں گاڑی چلاتا ہریرہ اس وقت واقعی کہیں کسی اور ہی جہاں میں پہنچا ہوا تھا۔ ہولے ہولے میوزک بجنے کے ساتھ خود بھی گنگناتا وہ بہت خوش لگ رہا تھا۔ منظر بدلا تھا اور پھر گاڑی کی رفتار بہت تیز ہوگئی تھی نیلی اسپورٹس کار شفاف ہائی وے پر دوڑ کم اڑ زیادہ رہی تھی۔ پانچ سات لڑکے لڑکیوں کے جھرمٹ میں گھرا فاسٹ میوزک کے ساتھ فاسٹ ڈرائیو کرتا ہریرہ چیخ چیخ کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

''اوہ تھینکس گاڈ ایٹ لاسٹ پاپا نے مجھے گاڑی دلوا ہی دی یار! تم سب تو گواہ تھے ناں کتنا کریز تھا مجھے اس کار کا''۔ وہ مسلسل چلا رہا تھا۔ ایسا پرجوش خواب ایسی بڑی خواہشوں کی تکمیل گل ماں کی دروازہ بجانے اور مسلسل بڑبڑانے کی آواز تو کسی کھائی سے بھی آتی آواز سے دھیمی تھی وہ اس کے

مسلسل پرجوش آواز سے بولنے میں چھپ چکی تھی۔ مگر اسے بیداری ہوتی یا نہ گل ماں نے اپنا معمول جاری ہی رکھا تھا۔ شاہ ویز کو وہ کئی آوازیں لگا چکی تھیں مگر اس کا کبوتر بازی کا شوق جیت چکا تھا گہرے خواب میں جیت کے نشے میں چور وہ بھلا کہاں ان آوازوں پر دھیان دے سکتا تھا۔

''سارے ایک جیسے ہیں برکت اٹھوا رہے ہیں اس گھر سے''۔ گل ماں نے اکتا کر سامنے والے کمرے کا دروازہ اس قدر زور سے بجایا کہ رات بھر ہارر مووی دیکھنے کے بعد ڈراؤنے خواب دیکھتیں ایک دوسرے سے لپٹتی سوہا لائبہ اور صلوٰۃ بے اختیار ڈر کر چلاتی ہوئی اٹھیں ایک ڈراؤنا خواب اوپر سے اس قدر خوفناک دستک' ان کے چلانے کا دورانیہ کئی منٹ تک محیط تھا' اور وہ کارنامہ بھی انجام دے چکا تھا جو گل ماں پچھلے آدھا گھنٹے سے نہیں انجام دے پائی تھیں بیڈ سے تقریباً نیچے لٹکتا رجب باس کو بنڈل آف تھینکس دیتا گھبرا کر سارا بیڈ کے نیچے ڈھیر ہو چکا تھا۔ شاویز ارزم' ہریرہ بھی بکھرے بال' سرخ آنکھوں کے ساتھ حیرانگی اور غم و غصے کی کیفیت میں گھرے بیڈ سے نیچے آچکے تھے۔ ایک تو وہ سارے مزے کے کام خواب میں ہونے کا صدمہ اوپر سے ختم ہونے کا افسوس سب سے زیادہ غصے والی بات' نیند کی بربادی' اور ان سب کو ملا کر تبھی ان کا غم و غصہ اس بات سے کم تھا۔

''جی ہاں! یہ سب ان چڑیلوں کے چیخنے کی وجہ سے ہوا صبح کی تباہی اچھے موڈ کا ناس''۔ ایسا وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا تھا ایسے میٹھے خوابوں کو لائبہ' سوہا اور صلوٰۃ کے ڈراؤنے خوابوں کی چیخیں ہی توڑتی تھیں۔ سب اپنے اپنے بیڈ سے اٹھے تھے مگر ان میں اٹھتا اشتعال زیادہ بلند تھا۔

☆☆☆☆

خلاف معمول آج سب ناشتے کی میز پر وقت پر موجود تھے ورنہ سبھی یونیورسٹی ٹائم سے دس منٹ پہلے یا دس منٹ بعد ہی نازل ہوتے تھے ایسا تب ہی ہوتا تھا جب وہ سب جلدی جاگ جاتے اور ایسا بس لائبہ' سوہا اور صلوٰۃ کی چیخوں سے ہی ممکن ہوتا تھا ورنہ گل ماں کی صلواتیں کم از کم نیند توڑنے میں تو ناکام ہی رہتی تھیں اور اس دن نہ صرف سب لڑکے جاگ جاتے بلکہ لڑکیاں بھی خلاف معمول جلدی اٹھتیں۔ نہائے دھوئے نکھرے نکھرے خوشبوؤں کے جھونکوں کی زد میں اپنا اپنا بیگ فائلیں تھامے اپنی اپنی کرسی سنبھال چکے تھے۔ ان کے تینوں کمرے ایک ساتھ آمنے سامنے تھے تبھی وہ سب ایک دوسرے سے متاثر ہی رہتے تھے چونکہ پاپا اس وقت صبح کی واک کے لئے سامنے والے بڑی سڑک پر جایا کرتے تھے تبھی وہ ان کے شور شرابے سے مستفید نہیں ہوتے تھے' گل ماں تھوڑا لتاڑنے کے بعد چپ ہو جاتیں اور کچن میں ناشتے کی تیاری کرتی مما جان جانتے بوجھتے انجان بنی رہتیں۔

''آخر کون صبح صبح ان شیطانوں کو منہ لگائے؟'' کھلی گھیر والی شلوار اور ایمبرائیڈڈ شارٹ شرٹ زیب تن کئے میچنگ بیگ اور گیلے بالوں کو چھوٹے کیچر میں جکڑے سامنے والوں کی گھوریوں کی قطعی پروانہ کرتے ہوئے سوہا نے آکر اپنی کرسی سنبھالی۔ ارزم نے اسے کھا جانے والی آنکھوں سے دیکھا۔ عالیہ بھٹ کے ساتھ دیکھتا سہانا خواب اپنی جگہ مگر ماموں کی موجودگی میں بس گھورنے کی ہی جرأت ہو سکتی تھی۔ یہی حال رجب شاہ ویز اور ہریرہ کا تھا پاپا کی موجودگی میں خود پر ضبط کرتے وہ ان تینوں کو گھور رہے تھے۔ لائبہ قدرے جھینپی جھینپی تھی مگر صلوٰۃ ان سب کو اگنور کرنے میں خاصی کامیاب رہی تھی۔ اتنا اعلیٰ پائے کا جرم سرانجام دینے کے بعد کی شان بے نیازی اور ادائے بے نیازی ان کا خون کھول اٹھتا' بس نہ چلتا کہ گلا دبا کر ہمیشہ کے لئے

آواز ہی بند کردیں۔ خیر اب ناشتہ تو کرنا ہی تھا اس سوچ اور اچھی امید کے ساتھ کہ گھر سے باہر تو جانا ہی ہے۔

''مما جان! دعا کیجئے گا میری جاب کے لئے آج انٹرویو ہے''۔ رجب سب سے پہلے کھسکا تھا پاپا نے فریم کی عینک کے پیچھے سے اسے گھور کر دیکھا۔ اچھا خاصہ خود کا بزنس تھا مگر اس پر بھوت سوار تھا جاب کا' پاپا قطعی اس حق میں نہیں تھے کبھی کسی بھی قسم کی سفارش سے انہوں نے صاف انکار کر ڈالا تھا یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے والا وہ سب سے پہلا سپوت تھا مگر بجائے باپ کا ہاتھ بٹانے کے اسے نوکریوں کی پڑی تھی۔ پاپا نے ایک آدھ دفعہ اسے سمجھانے قائل کرنے کے بعد اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا' اور وہ پچھلے کچھ ماہ سے اسی خواری میں مبتلا تھا۔ حالانکہ تعلیمی ریکارڈ ایسا گیا گزرا بھی نہیں تھا کہ کہیں نوکری نہ ملتی مگر واہ رے قسمت۔ شاہ ویز نے بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بڑے ڈربے میں بند کبوتروں کو آزاد کیا وہ سب اس نے خود چاؤ اور پیار سے پال رکھے تھے۔ کبوتر اڑ کر مکان کی چھت پر چلے گئے تھے' سفید پیارے پیارے کبوتر پھر اس نے ایک سائیڈ پر ان کے لئے رکھا گیا دانہ پانی چیک کیا اور ایک فلائنگ کس ان کی طرف اچھالتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھا' ہریرہ نے حسرت سے بائیک کو دیکھا اور اسے جھاڑتا پونچھتا دھکیلتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔

''اونیکسٹ ٹائم اگر ایسی حرکت ہوئی تو تم لوگوں کے گلے دبا کر ہمیشہ کے لئے آوازیں بند کردینی ہیں پھر گونگی بنی اشاروں اشاروں میں ہی ڈرتی رہنا''۔ سیکوٹی دھکیل کر گیٹ کی طرف بڑھتی لائبہ کو دیکھ کر ہریرہ نے گھورا اور کب سے دبائے گئے اشتعال کو باہر آنے کا موقع ملا۔ سوہا' ارزم' صلوٰۃ' شاہ ویز بھی ان کی طرف متوجہ ہوگئے' صلوٰۃ کو اس کے گلے دبانے کی بات پر آگ ہی لگ گئی۔

''یو مسٹر ہریرہ! تم ہوتے کون ہو ہمارا گلا دبانے والے' تمہارے وہ ہاتھ میں ابھی نہ کاٹ دوں جو تم نے گلا دبانا ہے''۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہریرہ کا گریبان ہی پکڑ لے اور یہ معمول کی باتیں ہی تو تھیں اگر کسی معاملے پر وہ سب اکٹھے ہوتے تو شیر و شکر کی طرح اور اگر ان کا کہیں اختلاف ہو جاتا تو لڑکیاں چڑیلیں لڑکے بھوت سیز فائر ہی مشکل ہو جاتا' ہاتھ میں پکڑا کبوتر اڑاتا شاہ ویز اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''تو کیا ہوا اس کے ہاتھ کٹ جائیں گے تو ہم ہیں نا' ہم دبا دیں گے تم لوگوں کا گلا''۔ وہ بھی لڑنے مرنے کو باقاعدہ میدان میں کودا۔

''اسٹوپڈ''۔ سوہا بڑبڑائی۔

''بائی دا وے یہ لاسٹ وارننگ ہے بہتر ہے تم لوگ ہارر موویز دیکھنا ہی چھوڑ دو' اگر انہیں برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے تو ڈرپوک چڑیلیں خود بھی ڈرتیں ہمیں بھی گلے پھاڑ کر مرنے پر مجبور کرتیں ہیں''۔ ارزم کا موڈ بھی قدرے خراب تھا۔

''ہارر موویز کا یہی تو رزلٹ ہے کہ ڈر کر دوسروں کو بھی نہیں سونے دیتیں بندہ ذرا رومینٹک مووی ہی دیکھ لے اگر دیکھنی ہی ہے تو' پھر ایسے خواب آئیں گے کہ ارزم کی طرح اٹھنے کو دل نہیں کرے گا''۔ ہریرہ نے آنکھ دبا کر شاہ ویز کو دیکھا ارزم نے انہیں گھور کر دیکھا۔

''بدتمیز''۔ لڑکیاں پاؤں پٹختی واک آؤٹ کر گئیں۔ ہریرہ بائیک اسٹارٹ کر چکا تھا' شاہ ویز سیٹی بجاتا اپنے کبوتروں کو ٹاٹا بائے بائے کرتا اس کے پیچھے بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔ اپنے اپنے ہیلمنٹ پہنے سیکوٹی پر براجمان لائبہ اور صلوٰۃ بھی ان سے ریس کے چکر وہ میں غائب ہوگئیں۔ سوہا کو بائیک سے ڈر بہت لگتا تھا پچھلے سال ہی بیرون ملک مقیم اس کے والد صاحب نے اسے کار ڈی گفٹ کی تھی۔

پاپا سے تعلقات جیسے بھی سہی تاہم ان کا گفٹ بہت پسند آیا تھا۔

''شٹ''۔ سامنے رجب کی پنکچر بائیک دیکھ کر اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''وہ ایڈیٹ''۔ ارزم کچھ کہتے کہتے رہ گیا اس کی بائیک پنکچر تھی تو وہ ارزم کی لے گیا تھا بتائے بغیر۔ ان دونوں میں اتنا اتفاق ضرور تھا کہ ایک کمرے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کی بائیک کی چابی چرا لیتے۔ پاس ہی شاہ ویز کی بائیک چابی کی عدم دستیابی کے باعث اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ گو کہ ان کے پاس الگ سے اپنی اپنی ذاتی بائیکس تھیں ہریرہ اور شاہ ویز خود کو ایک دوسرے کا لنگوٹیا ثابت کرنے کے لئے اکثر ایک ساتھ ہی سفر کرتے۔ اور ایسا بھائی چارہ ارزم اور رجب تب تک نبھاتے رہے جب تک رجب یونیورسٹی جاتا رہا مگر اب وہ خراب موڈ کے ساتھ ٹہل رہا تھا۔ گاڑی باہر کھڑی سوہا کی اس پر نظر پڑی بات کرنا تو شان کے خلاف تھا مگر پھر بھی نجانے کیوں وہ اسے مخاطب کرنے پر مجبور ہوگئی۔

''ارزم بائیکس کو کھانے کا ارادہ کیوں ہو رہا ہے تمہارا؟'' ارزم نے گھور کر اسے دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

''اوکے مجھے کیا رہو یہیں گھورتے رہو''۔ سوہا اسے برا مان گئی اپنی بات کا اگنور کیا جانا۔

''بائیک پنکچر ہے''۔ وہ بتانے لگا سوہا کی ہنسی چھوٹی۔

''آجاؤ ساتھ چلتے ہیں''۔ اس نے صلح کی پیشکش لہرائی۔

''اچھا ٹھیک ہے تم ہو بہت اچھی''۔ اس کا فوراً موڈ ٹھیک ہوا' فرنٹ ڈور کھول کر سیٹ پر بیٹھتے ہی کہنے لگا۔

''مگر تم اچھے نہیں ہو''۔ اس کا فطری نخرہ عود آیا۔

''تو کیا ہوا تمہارے کہنے سے کیا فرق''۔ اس پر قطعی کوئی اثر نہ ہوا۔ سوہا نے ہوں کہہ کر سڑک کی جانب گاڑی موڑ کر شہر کی اکلوتی یونیورسٹی دور تو نہیں تھی مگر بس انہیں پیدل آنے جانے کی عادت نہیں تھی۔ گیٹ کے پاس کندہ ''گل نگر'' کے الفاظ نے انہیں مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہا تھا جو کچھ عرصے پہلے ینگ جنریشن کی مہربانی سے ہی تخلیق میں آیا تھا۔

☆☆☆☆

گل ماں کو پھول بہت زیادہ پسند تھے اور اس بات کا اندازہ ان کے گھر میں موجود بڑے سے لان میں موجود رنگ برنگے پھولوں سے لگایا جاسکتا تھا۔ گل ماں اکثر و بیشتر اپنے مزاج کے مطابق گھر کے سپوتوں اور لڑکیوں کو مختلف پھولوں کے نام [illegible] پکارا کرتی تھیں [illegible] کرتے ہوئے [illegible] کیندے اور [illegible] فضا میں [illegible] سمیٹنے شروع کر دیے تھے [illegible] سبزی بنانے میں جبکہ گل ماں فون کان [illegible] خوش دلی سے گفتگو میں مصروف تھیں۔ [illegible] کمرے میں گل نگر کی ساری ینگ پارٹی ایل ای ڈی کے سامنے براجمان کرکٹ میچ دیکھنے میں خاصے جوش و خروش دکھا رہے تھے۔ تاہم صلوٰۃ اور لائبہ کے درمیان بیٹھی سوہا گود میں کشن رکھے فطری نخرے کے باعث کبھی کبھی ان کی کسی حرکت پر ناک چڑھا لیتی تھی سب کا متفقہ خیال تھا کہ اس قدر سادہ دل کے لوگوں میں اس جیسی موڈی لڑکی کی موجودگی یہی ظاہر کرتی تھی کہ دنیا میں پانچوں انگلیاں برابر نہیں۔ اچھوں کے ساتھ ایسے بھی ہوتے ہیں اور پھر تمام لڑکے اسے

چڑانے کے لئے وقتاً فوقتاً دہراتے رہتے تھے۔ سوہا سرے سے ہی نظر انداز کر دیتی یا پھر اچھے سے نانی کا گھر یاد دلا دیتی۔ سب کا متفقہ خیال یہ بھی تھا کہ سوہا کافی مغرور قسم کی ہے تو بات ہو رہی تھی پاک ویسٹ انڈیز میچ کی تو اچانک سے ہریرہ بول اٹھا۔

''پاکستان ٹیم کی ایسی کارکردگی دیکھتے ہوئے کیا کسی کو اس کے جیتنے کی امید ہے؟''

''امید پر دنیا قائم ہے''۔ لائبہ نے پتے کی بات کی۔

''ہاہاہا''۔ سب کا مشترکہ قہقہہ گونجا لائبہ اتنی سنجیدگی دکھا کر ان کا ردعمل دیکھ کر خواہ مخواہ ہی شرمندہ ہوگئی۔

''ابھی کچھ دیر دیکھ لیں لاسٹ کچھ اوورز میں بتائیں گے''۔ سوہا کا جواب آیا۔

''ہو جائے بیٹا کون جیت کے حق میں کون ہار کے حق میں۔ کچھ دیر دیکھ کر نہیں ابھی بتانا ہے''۔ وہاں براجمان تمام نفوس نے کچھ لمحوں کے لئے سوچا اور اپنا ردعمل ظاہر کیا۔

''جیت جائے گا''۔ سوہا' لائبہ اور شاہ ویز کے علاوہ سب کے ہاتھ کھڑے تھے اور انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

''ہمیں نہیں لگتا کہ جیتے گا''۔ سوہا نے کندھے اچکائے۔

''آپ جیسے لوگ یہی کہہ سکتے ہیں وطن سے غداری کرنے والی عوام''۔ اس سے پہلے کے ارزم حب الوطنی پر لمبا لیکچر دے دیتا سوہا ناگواری سے ٹوکنے کے لئے شٹ اپ کہہ چکی تھی۔ وہ محض اسے چڑانے کی خاطر بول رہا تھا اور وہ بھی بخوبی آگاہ تھی اس بات سے۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور بالآخر پاکستان جیت گیا۔

''یاہو''۔ کمرے کی فضاء میں جوش و خروش سے نعرہ گونجا۔

''او اسٹاپ..... اسٹاپ جسٹ لسن گائز کیوں نہ اس خوشی کے موقع پر ہم اپنے دکھی بہن بھائیوں کو بھی یاد رکھیں''۔ ہریرہ نے آنکھ دبائی۔

''تو اس خوشی کو اچھے انداز میں سیلیبریٹ کرنے کے لئے ہم اپنے ساتھیوں کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی شامل ہوں اور جلد از جلد بیٹ کو ڈسکس کر لیا جائے۔ ایک دوسرے کو تنگ کرنے کے لئے وہ سب ہر طرح کے حربے آزماتے تھے اور یہ تو کافی پرانا تھا' کبھی ہاری ٹیم نے کوئی خاص ردعمل ظاہر نہ کیا انجام سے واقف تھے۔

''ہوں تو اب ان کی سزا ڈیسائیڈ کی جائے''۔ ارزم نے جلدی سے اہم اشارہ دیا۔ صلوۃ' رجب' ارزم اور ہریرہ پھرکی کی طرح تیز ہو گئے اور ذرا سائیڈ پر ہو کر آپس میں ڈسکشن کرنے لگے۔ سوہا' لائبہ اور شاہ ویز نے غیر دلچسپی سے انہیں دیکھا اور انتظار کرنے لگے ان میں سے ہر کوئی اپنے اس گروپ کے اصولوں سے بچپن سے ہی واقف تھا' لہٰذا کسی قسم کی چیں پیں نہیں کی گئی' کچھ منٹوں کے بعد ونر ٹیم نے اپنا رخ ان کی طرف موڑا اور ایک ڈبی ان کی طرف پھینکی۔

''اس میں سے تینوں ایک ایک چٹ اٹھا لو جو لکھا ہوگا وہ پورا کرنا ہے''۔ رجب کا بارعب فرمان۔ شاہ ویز نے برے منہ سے پرچی اٹھائی' لائبہ اور سوہا نے بھی اٹھالی باقی ڈھیر ساری پرچیاں ابھی اس ڈبی میں تھیں۔ سب سے پہلے سوہا نے کھولی ہریرہ نے اس کے ہاتھ سے جھپٹ کر پڑھا۔

''ہیوی ڈنر' پورے گروپ کو''۔ سوہا نے ابرو اچکائے۔ سب کو ڈنر کروانے کا مطلب ساری پاکٹ منی سے ہاتھ دھونا تھا۔

''او کے بٹ مینو میری پسند کا ہوگا''۔ سوہا کو بادل نخواستہ بولنا پڑا۔

''آہا..... آپ کی پسند کب سے ہمیں پسند ہوگئی مینیو ہماری مرضی سے ہی ہوگا''۔ ارزم نے اسے یاد دلایا۔ سوہا نے متوقع کنگال ہونے کے ڈر

سے جھرجھری لی۔ سات آٹھ لوگوں کو ہیوی ڈنر سب کا مینیو الگ مرضی کا اور اسے اچھی طرح یاد تھا کہ سب بل بڑھانے کے چکروں میں اوور ایٹنگ کر جاتے ہیں۔

''آج کا ڈنر سوہا کے نام''۔ ہریرہ نے خوشی کا اظہار کیا۔ شاہ ویز کی پرچی کھولی گئی۔

''دو ویک ..... گھر کے سارے برتن دھونے ہیں''۔ شاہ ویز روہانسا ہوا۔ سب کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔

''کم از کم ایک ہفتے تک ویٹر کی جاب کرنی ہے''۔ لائبہ نے صدمے سے گنگ آواز میں اپنی سزا خود ہی پڑھی۔ بات کو ماننا ہر حال میں لازمی تھا ورنہ اس سے ڈبل سزا ہوتی۔

''شام کی چائے کے برتن شاہ ویز دھوئے گا پھر ہم سب ڈنر کے لئے جائیں گے لائبہ ہمیں ایزاے ویٹرلس ڈنر سروس کر رہی ہوگی۔ سوہا اپنے والٹ کو ہوا لگوائے گی اور جب گھر واپس آئیں گے تو سونے سے پہلے شاہ ویز پھر سے برتن صاف کرے گا''۔ ہریرہ ان کے مستقبل کا نقشہ کھینچ رہا تھا' سب کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔ لائبہ اور شاہ ویز نے خوب احتجاج کیا' لیکن ان کی ایک نہ سنی گئی پھر لائبہ اور شاہ ویز نے آپس میں کھسر پھسر کی۔

''ہم اپنی اپنی سزا ری پلیس کر رہے ہیں آپس میں''۔ شاہ ویز نے بتایا۔

''اوکے کیا یاد کرو گے''۔ ارزم نے ہنستے ہوئے شاہ مزاجی دکھائی۔

''برتن دھونے سے یار میری اسکن خراب ہوگی اور اتنے سارے کیسے دھویا کریں گے''۔ لائبہ کا دل زور زور سے رونے کو کر رہا تھا۔

''ڈونٹ وری میرے بھی اتنے سارے پیسے ہی لگنے ہیں''۔ سوہا نے اسے دلاسا دیا۔ گل ماں بولتی ہوئی کمرے میں آئیں سب متوجہ ہوگئے۔

''تم سب بے شرموں کو ان حرکتوں سے بھی فرصت نہیں ہے ہاں وہ میں بتانے آئی تھی کہ سوہا بچے کل کی فلائٹ سے تیرے ابا آ رہے ہیں''۔ وہ کافی خوش تھیں یہ پتہ لگ رہا تھا۔ گل ماں شوہر کی وفات کے بعد دو بیٹوں اور اکلوتی بیٹی کے سہارے جینے لگیں وقت آگے بڑھا اور ان کے تینوں بچے اپنے گھر کے ہوگئے چونکہ وقت اپنے نشیب و فراز دکھانے سے باز نہیں رہ سکتا' لہٰذا انہیں بھی ایک ایسے وقت کا سامنا کرنا پڑا جس نے انہیں اندر سے مار ڈالا تھا' لیکن وہ اب بھی جی رہی تھیں کیونکہ انہیں ان معصوم ننھے فرشتوں کی خاطر جینا پڑا جن کے ساتھ زندگی شدید قسم کا ظلم کر گئی تھی۔ زرینہ بیگم کے تین بچے ارزم صلوۃ اور لائبہ تھے حامد صاحب کے ماشاءاللہ سے تین بیٹے اس گھر کی رونق تھے' شاہ ویز رجب اور ہریرہ احمد بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور ان کی ایک ہی بیٹی سوہا تھی سوہا کے بعد رجب بیگم احمد پھر سے امید سے ہوئیں تو ایک دفعہ زرینہ بیگم اور ان کے خاوند کے ہمراہ چیک اپ کے لئے جاتے ہوئے وہ تینوں اس بری طرح سے کار حادثے کا شکار ہوئے کہ زرینہ بیگم تو موقع پر ہی دم توڑ گئیں جبکہ شدید زخمی باقی دو نفوس بھی دو دن سے زیادہ نہ جی سکے اور گل نگر پر قیامت ٹوٹ پڑی' تین جوان اموات کا گہرا صدمہ چونکہ سب بچے گھر پر گل ماں سنبھال رہی تھیں لہٰذا قسمت ان پر اتنا مہربان ضرور ہوگئی کہ ان کے بچوں کی معصوم نشانیاں ان کے پاس رہ گئیں۔ احمد صاحب دل برداشتہ ہو کر ایسا وطن سے گئے کہ سالوں بعد ہی چکر لگاتے حامد اور ان کی بڑی بہو نے انہیں اس غم سے نکالنے میں بہت اہم کردار ادا کیا' انہوں نے بچوں کو کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور گل ماں کو اس بات سے دلی اطمینان تھا کہ تمام بچوں کی لاپرواہ فطرت ہی ان کے لئے اچھی ہے تاہم انسانی فطرت سے مجبور ہو کر اور ممتا کی محبت سے دب

کر وہ انہیں اچھے برے سے ٹوکتی ضرور تھیں۔ گل ماں کا حکم تھا کہ سب گھر والے استقبال کے لیے جائیں گے جو عرصے بعد گھر لوٹ رہے تھے ینگ جنریشن تو ہمیشہ سے ہلے گلے کی شوقین تھی سب بخوشی تیار ہوگئے' سوہا کی پہلے تو طبیعت خراب ہوئی مگر گل ماں کی ڈانٹ پھٹکار کے بعد برے دل کے ساتھ وہ بھی ایئرپورٹ پر کھڑی انتظار کرنے والوں میں شامل تھی سب اس کی طبیعت خراب کے بہانے کی اصلیت سے واقف تھے مگر وہ اس معاملے میں کچھ نہیں کہہ سکتے تھے وہ باقی لڑکیوں کی نسبت تھوڑی کم صلح جو تھی اور کافی حد تک موڈی بھی' پل میں ماشہ پل میں تولہ' کبھی کبھی تو سب سے اچھا رویہ رکھ رہی ہوتی اور کبھی اچانک سے اپنے اور دوسرے انسان کے درمیان کوئی تخلیج حائل کر لیتی' احمد صاحب کے ساتھ ایک مغربی نقوش کی لڑکی دیکھ کر ہر کوئی چونکا تھا تاہم گل ماں نے کافی متوازن رویہ دکھاتے ہوئے اس قدر خوشی کا اظہار کیا کہ جیسے وہ اس لڑکی کی آمد سے پہلے ہی واقف تھیں بھورے بالوں اور دودھیا رنگت والی عینی کافی خوش مزاج سا تاثر قائم کر رہی تھی' سوہا جو کہ احمد صاحب کو پاپا بلاتی تھی عینی کی آمد سے کافی شاک محسوس کر رہی تھی عینی کے اپنی طرف گلے لگنے کو بڑھتا دیکھ کر پہلے ہی ہاتھ ملانے کے لئے ہاتھ بڑھا چکی تھی' اور اس کے بعد اس نے نہ تو احمد صاحب سے ملنے کا تردد کیا نہ ہی ان کی آمد پر کوئی خاص تاثر ظاہر کیا' تاہم احمد صاحب نے باقی بچوں کے ساتھ ساتھ اسے بھی گلے سے لگا کر پیار کیا۔

☆☆☆☆

گھر آنے پر سب نے فوراً کھانا کھایا اور آرام کی غرض سے سونے چلے گئے' عینی کو گل ماں پیار کر کے اپنے ساتھ لے گئیں اور وہ سب مارے تجسس کے سارے کے سارے لڑکیوں کے کمرے میں جمع ہوگئے۔

''ہمارے روم میں بیٹھئے کیا کر رہے ہو' نکلو یہاں سے''۔ سوہا ذرا اکھڑ انداز میں ان سے مخاطب ہوئی جو قالین پر ہی کشنز کے سہارے آدھے ادھورے لیٹے ہوئے تھے۔

''اف اتنی بے مروتی' ایک شام سے اتنے صدمے میں ہیں اوپر سے تم دل دکھانے کی باتیں کرتی ہو بائے گاڈ میں کسی دن ویسے ہی تمہارے کسی کٹیلے جملے پر ہلاک ہو جاؤں گا' اگر مجھے تمہاری نیچر کا پتہ نہ ہوتو''۔ ارزم کے منہ بسورنے پر جہاں سب کی ہنسی چھوٹی وہیں سوہا بھی مسکرانے پر مجبور ہوگئی۔

''اچھا چھوڑو سب باتیں' یہ نیو گرل کافی اسمارٹ ہے یار''۔ ارزم خجل مٹانے کو بولا۔

''گیٹ لاسٹ فرام ہیئر' گل ماں کے کمرے میں ہے وہ چلے جاؤ وہاں''۔ سوہا دھاڑی۔

''تم کیوں جیلس ہوتی ہو؟'' ارزم نے ڈھٹائی دکھائی۔

''جیلس ..... مائی فٹ' مجھے پاپا اور ان سے ریلیٹڈ کسی کا بھی ذکر نہیں سننا' نہ میرے پاس ان کے لئے ٹائم ہے''۔ وہ کافی ناراضی سے سب سے مخاطب ہوئی وہ احمد صاحب کے لئے اس کی لاپرواہی اور ایسے کھڑوس جذبات سے واقف تھے۔

''اوکے' اوکے کوئی بھی نہیں بات کرے گا' ریلیکس یار''۔ لائبہ نے اسے گلے لگا کر اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا۔

''مگر پھر بھی یار ..... ڈسکشن کئے بغیر ہمیں نیند کیسے آئے گی؟'' ہریرہ نے دہائی دی۔

''اوکے تم لوگ کرو''۔ سوہا خاموشی سے بیڈ سے اتر کر باہر چلی گئی' اتنی سنجیدگی' انہیں حیرت ہوئی ان کی نوک جھونک بھی مذاق کی حد تک ہوتی تھی مگر وہ اتنی سنجیدگی کی توقع نہیں رکھتے تھے دروازہ کھلنے اور بند ہوتے دیکھ کر وہ سب حیران چپ رہ گئے۔

''ڈوب مرو اب سارے''۔ رجب نے اپنے

بڑے ہونے کا رعب جھاڑا' صلوۃ نے بیڈ سے اترنے میں کافی تیزی دکھائی اور باقی سب بھی اس کے پیچھے تیزی سے بڑے کمرے میں پہنچ گئے۔ سوہا وہیں قالین پر کشنز کے سہارے خاموش لیٹی تھی۔

''چندا کا تاروں کا سب کا کہنا ہے
لاکھوں ہزاروں میں میری بہنا ہے''

شاہ ویز لہک لہک کر گاتے ہوئے دھم سے اس کے قریب بیٹھ گیا' سوہا خاموش رہی۔

''فضول ڈسکشن نہیں کرنی''۔ رجب نے سب پر رعب جھاڑنے کی ناکام کوشش کی۔

''یار سوہا! ایک تو تم ہم سب سے الگ بہت ہو ہمیں آپس میں کبھی بھی سوری کی ضرورت پیش نہیں آئی لیکن تمہاری باتیں بھی سننا پڑتی ہیں اور تمہیں سوری بھی کہنا پڑتا ہے''۔ ہریرہ نے لہجے کو سادہ رکھنے کی کوششوں میں بھی شکوہ داغ ڈالا۔

''اچھا چھوڑو بھی سوہا! نہیں کرتے اب ایسا کچھ''۔ صلوۃ منمنائی۔

''سوری یار!'' ارزم کے کہنے پر اسے ترس آ ہی گیا' پتہ نہیں کیوں اس کے لئے سوہا کا دل بہت جلد نرم ہوتا تھا' مگر وہ بے خبر تھی اس بات سے۔

''اب کوئی بھی اس قسم کی ڈسکشن نہیں کرے گا' جو تمہیں نہیں پسند''۔ شاہ ویز نے تو مبالغہ آرائی کی حد کردی۔ کچھ دیر میں وہ اس کا موڈ ٹھیک کر چکے تھے مگر ہر کوئی یہی سوچ رہا تھا کہ نیکسٹ کیا کرنا چاہئے اس دیوار کو ختم کرنے کے لئے۔

☆☆☆☆

ناشتے کی میز پر گل ماں نے عینی کا سب سے تعارف کروایا تھا' وجہ کچھ یوں تھی کہ احمد صاحب جو شروع سے ہی زیادہ تر بیرون ملک رہے تھے بیوی کی وفات کے بعد اچاٹ دل کے ساتھ اپنی بیوی اور پہلی بچی کے پاس ہمیشہ کے لئے منتقل ہوگئے اور اس بات کو ہمیشہ گھر والوں سے پوشیدہ رکھا گو کہ وہ روپے پیسے کی طرف سے سوہا کو ایک اچھی زندگی دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے تھے مگر وہ اس کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی کر چکے تھے۔ سوہا اپنے رویئے میں بجا تھی کھانا کھاتے ہوئے ان کی نظریں سوہا کی طرف ہی تھیں وہ اس کی تکلیف اور محرومی کو محسوس کر سکتے تھے کیونکہ ان سب کو اپنی پیاری سی دوست سے بے پناہ پیار تھا احمد صاحب کے رویئے کی وجہ سے ان سب کے دل بھی ان کی طرف سے میلے ہو رہے تھے اور سب کا ظرف اچانک سے اتنا کم پڑ گیا کہ عینی کی بے تکلفی بڑھانے کی کوششوں کے باوجود سب کی طرف سے نو لفٹ سمیت روکھا پھیکا رویہ دیکھنے میں آیا۔

☆☆☆☆

شام کو لائبہ اپنی سزا کے تیسرے دن روہانسی ہو کر کچن میں برتن دھو رہی تھی کہ گل ماں کے ہمراہ عینی بھی کچن میں پہنچ گئی۔

''آئے ہائے میں صدقے جاؤں میری بچی کو کتنا احساس ہے گھر کا' گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی ہے باقی تو دو لڑکیاں جیسے اس گھر میں موجود ہی نہیں ہیں''۔ گل ماں اسے مصروف دیکھ کر اچانک سے کھل اٹھیں۔ ہریرہ پاس کرسی پر بیٹھا سینڈوچ کھانے میں مصروف تھا' سوہا اتنے لمبے ناخنوں پر نیل پالش لگوانے میں صلوۃ کی خدمات حاصل کر رہی تھی۔

''اوہ واؤ..... اٹس ریئلی بیوٹی فل''۔ عینی نے اسے دیکھ کر بے اختیار ستائشی انداز میں سراہا۔ لائبہ کے خوبصورت ہاتھوں پر لیمن میکس کی جھاگ دیکھ کر عینی کو کافی صدمہ پہنچا۔

''ڈشز واش کرنے سے آپ کی اسکن کتنی رف ہو جائے گی''۔

''جی نہیں ہم سب یہ کام کرتے ہیں اور ہماری اسکن دیکھو کتنی پیاری ہے' اس سوپ کے ہاتھوں کو لگنے سے اسکن پہلے سے بھی زیادہ بہتر ہوگئی''۔ لائبہ

کی بجائے جواب صلوۃ کی طرف سے آیا' اس نے اپنے خوبصورت ہاتھوں کی نمائش کے ساتھ ساتھ لیمن میکس کی طرف اشارہ کیا۔

''ریئلی''۔ عینی کو شک سا ہوا۔

''آف کورس''۔ اطمینان سے جواب آیا۔ گل ماں چونکہ کچن سے جا چکی تھیں لہٰذا صلوۃ بولنے میں مگن تھی' ہریرہ ہنسی دبانے کی کوششوں میں سینڈوچ کھانے پر زور دیتا جا رہا تھا۔

''یار مزہ نہیں آیا اس سے''۔ ہریرہ نے سینڈوچ کھانے کے بعد خالی پلیٹ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

رجب جو کہ بلا ہاتھ میں پکڑے ارزم کو کمرے سے اٹھا لایا تھا اور اب کچن میں جھانک کر باقی کو بھی دعوت دینے آیا تھا اپنی بات کہتے کہتے رک گیا۔

''ہریرہ ڈیئر! اگر ان سینڈوچز سے مزہ نہیں آیا تو آج کے ڈنر کے لئے ہم سوہا ڈیئر کی طرف انوائیٹڈ ہیں تین دن سے پینڈنگ پر ہے''۔ سوہا کے صدمے سے دیکھنے پر بھی بے اختیار ہنسے تھے۔ گل ماں پھر سے کچن میں آئیں تو ان سے الگ تھلگ کھڑی عینی اور ان کی پلاننگ کے موڈ کو دیکھ کر ذرا رعب سے بولیں۔

''کیا منصوبہ بندی ہو رہی ہے؟''

''آج ڈنر ہم کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کرنے والے ہیں''۔ ارزم نے اعلان کیا۔

''اچھی بات ہے' تم لوگوں کی بہن بھی آئی ہے اتنی دور سے' گھماؤ پھراؤ اسے بھی یہ بھی جائے گی تم لوگوں کے ساتھ''۔ عینی نے ان کے لٹکتے چہروں کو بغور دیکھا تھا۔ سب نے کن اکھیوں سے سوہا کی طرف دیکھا وہ نیل پینٹ کروا چکی تھی کچن سے نکل گئی مگر جاتے ہوئے اس کے الفاظ تقریباً سب ہی نے سن لئے تھے۔

''چاہے پوری فیملی آ جائے ہمیں کیا اعتراض ہونا''۔ وہ اپنی کدورت ناراضی میں خود کو برحق سمجھتی تھی صرف اپنے دوستوں سے یہی کہہ سکتی تھی گل ماں سے اسے انسیت ضرور تھی تائی امی کو بھی ماں کی جگہ ہی سمجھتی تھی مگر گل ماں کا آنے والے فرنگیوں کے ساتھ خلوص دیکھ کر وہ دل ہی دل میں ان سے بھی ناراض ہوگئی تھی اور زیادہ بات ہی نہیں کرنا چاہتی تھی شکوہ شکایت تو دور کی بات۔ اوائل سردیوں کی شام جو کہ رات میں ڈھل رہی تھی پہاڑی علاقہ ہونے کے باعث کچھ زیادہ ہی ٹھنڈی محسوس ہو رہی تھی' وہ گھر کے سامنے والی سڑک پر پیدل مارچ کرتے ہوئے مسلسل پہاڑی کے اوپر کی طرف جا رہے تھے۔ چچا لطیف کا ڈھابہ برائے نام ہی ڈھابہ تھا تمام سہولیات کسی نارمل ہوٹل کی طرح دستیاب تھیں یہاں کے باربی کیو بہت مزے کے ہوتے تھے اور یہ جگہ خود سوہا نے ہی ڈیسائیڈ کی تھی سب نے بخوشی رضامندی دے دی' عینی کی سرخ و سفید رنگت میں زیادہ نمایاں سردی سے سرخ پڑتی اس کی ناک تھی سبھی اونچی آواز میں گاتے شور ہنگامہ کرتے ہوٹل کے قریب ہی پہنچنے کو تھے۔

''کتنا خوبصورت ایریا ہے یہ''۔ عینی مسحور سی سراہے بنا نہ رہ سکی۔

''کیونکہ یہاں کے لوگ خوبصورت ہیں' اسپیشلی لڑکے''۔ ارزم نے کالر کھڑے کئے۔

''ہاں یہ تو ہے''۔ سوہا کی بے اختیار خفگی بھری نگاہ ارزم پر پڑی اس نے نظر انداز کرنے میں ہی عافیت جانی' شاہ ویز کی سزا پوری ہونے میں دو دن باقی تھے' یونی سے واپسی پر وہ لطیف چچا کے ڈھابے میں چلا جاتا اور رات تک ڈیوٹی انجام دے کر پھر واپس آتا' چچا لطیف سخت گیر پٹھان تھے' انہیں وہ سب کہہ چکے تھے کہ شاہ ویز کی ڈیوٹی پر سخت نگاہ رکھیں اور اب وہ اس سے واقعی ایسا سلوک کرتے جیسے اپنے ڈھابے میں کام کرنے والے دوسرے لڑکوں سے' وہ بڑی میز

کے گرد پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے آرڈر تو پہلے ہی کیا جاچکا تھا۔

''چچا گل! یہ نئے ویٹر کے ہاتھ کھانا بھجوانا''۔ رجب نے وہیں بیٹھے ہانک لگائی سب اس کے اشارے کو سمجھتے تھے۔

''ویٹر جلدی آؤ''۔ صلوۃ نے بھی رعب جمایا۔ شاہ ویز ایپرن پہنے اسے دور سے ہی دانت پیستے ہوئے کھا جانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

''چچا گل!'' ہریرہ نے بھی نازک مزاجی دکھاتے ہوئے ہانک لگائی۔

''آپ کے ویٹر کتنی بدتمیزی کرتے ہیں''۔

''زیادہ بکواس کی ضرورت نہیں''۔ ہریرہ اس کی طرف سے موصول ہونے والا ٹیکسٹ پڑھ کر بے اختیار ہنسا' وہ دونوں گروپ میں سے ایک دوسرے سے زیادہ قریب تھے' تبھی شاہ ویز اس سے اتنی طوطا چشمی کی توقع نہیں رکھتا تھا' باقی تو خیر آگ لگانا ان کی عادت تھی۔ لائبہ نے اسے کچھ نہیں کہا تھا کیونکہ وہ بے چاری بھی آج کل اسی صورتحال کا شکار تھی' شاہ ویز کھانا سرو کرنے لگا تو ان کی باتوں سے بے نیاز موبائل میں مصروف عینی بھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''شاہ ویز''۔ وہ حیرت سے بولی۔

''انکل کی ہیلپ نہیں بلکہ ایڈوینچر کے لئے لے آیا ہوں''۔ وہ فوراً سے وضاحت دینے لگ گیا۔ سبھی کی ہنسی کے فوارے پھوٹنے لگے' شاہ ویز نے مظلومیت سے انہیں دیکھا کافی خوشگوار ماحول میں سب نے کھانا کھایا تاہم شاہ ویز بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے ان کے ساتھ مل کر ظالماں کو کا کولا پلا دے'' گاتا رہا۔ اور اس دوران ایک سوہا تھی جو خاموش تھی اور اس کی خاموشی کو اس کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھا ارزم بری طرح محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆☆

ڈھابے سے نکلتے ہی ان کا ٹکراؤ تاریکی چولے میں ملبوس ایک عدد ملنگ بابا اور دو عدد دائیں بائیں براجمان اس کے چیلوں سے ہوگیا' چونکہ پورا ماحول بھرپور روشنیوں میں نہایا ہوا تھا' ڈھابے کی مسحور کن روشنیاں اور سڑک کے ارد گرد موجود دکانوں کی روشنیاں تبھی سارا منظر بڑا واضح تھا۔ وہ ملنگ بابا پھولوں کے ایک اسٹال کے پاس سنگی بینچ پر براجمان تھا' عینی اسے دیکھ کر بری طرح مچلی' قسمت کا حال معلوم کرنے کا اسے بڑا کریز تھا۔

''گل ماں نے جلدی گھر آنے کو بولا تھا''۔ سوہا کی سپاٹ آواز سب کو سنائی دی تو وہ گھر کی طرف بڑھے سوہا آہستگی سے چلتی ہوئی ان سے تھوڑا پیچھے رہ گئی تھی۔ ارزم دانستہ آہستہ چل رہا تھا۔

''تمہارے موڈ کو کیا ہوا؟''

''تمہاری اتنی جرأت کیسی ہوئی کہ یہ بات مجھ سے کرو''۔ وہ کافی ناراضی سے بولی۔ وہ ایسی ہی بے مروت موڈی تھی خود کبھی ٹھیک سے بات کرنا چاہتی تو کرتی ورنہ ایسا ہی رویہ اپنائے رکھتی۔

''یار کیا ہے' کبھی تو ٹھیک ہوجایا کرو''۔ ارزم جھنجھلایا۔

''تمہیں کیا مسئلہ ہے میرے نہ ٹھیک ہونے سے''۔ تنک کر جواب آیا۔

''اچھا ناراض کیوں ہو؟'' وہ پھر صلح جو انداز میں پوچھنے لگا۔

''ارزم! میں نے کوئی پتھر تمہارے سر میں مار دینا ہے ڈونٹ ڈسٹرب می''۔ اپنی بلند ہوتی آواز کو وہ بمشکل دباتے ہوئے بولی۔

''تم واقعی میں ماردو گی؟'' ارزم ڈھیٹ ہوا۔

''یس..... کیونکہ اس علاقے میں خوبصورت لوگوں اسپیشلی خوبصورت لڑکوں کی کمی نہیں جو تمہارے جیسا کارٹون یہاں ہے''۔ وہ چبا چبا کر

بولی۔ وہ بے اختیار ہنسا۔

''میں کہتی ہوں دفع ہوجاؤ''۔

''اوکے میں نہیں ہوتا''۔ وہ رک گیا۔

''ٹھیک ہے میں ہوجاتی ہوں''۔ وہ تیز تیز چلنے لگی ارزم تیز چلتا ہوا اس تک پہنچا۔

''عینی سے جیلس کیوں ہو میں؟'' سوہا تو اس کی بات پر کرنٹ کھا کر پلٹی۔

''جیلس مائی فٹ وہ بھی عینی' بلکہ کوئی بھی ایکس وائی زی ہو یا کوئی پرنسز میں کیوں جیلس ہوں دفع ہوجاؤ اس کے پاس بہت فری ہوتے ہو اس سے''۔ وہ پہلے تو کافی تنفر سے بولی پھر دانت پیستے ہوئے اسے دھکیلا۔

''ہاں تو میں نے ٹھیک ہی کہا کہ اس سے فری ہوکر بات کرنے سے تم اس سے جیلس ہوگئیں''۔ وہ اسے تپانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہا تھا۔

''تم عینی سے فری ہو یا کسی سے بھی تم تو خوابوں میں بھی لڑکیاں دیکھتے ہو''۔ اس کی ناگواری حدوں کو پار کر رہی تھی ارزم سچ مچ میں برا مان گیا' وہ جو اگلے پچھلے حساب پورے کرنے کو اس کو چڑا رہا تھا خود چڑ گیا۔

''یو..... یو سوہا' تم سمجھتی کیا ہو خود کو گوٹو ہیل''۔ وہ پیر پٹختا ہوا اس کے پاس سے آگے ہوا۔ سوہا نے اپنی تیز چلتی سانس کو تھوڑا ضبط سے قابو میں کیا اور تیزی سے گھر میں داخل ہوگئی۔ لائبہ کچن میں گئی تو شاہ ویز بھی ساتھ ہی چلا آیا اس نے پانی پینے کے لئے کیبنٹ پر پڑی پانی کی بوتل اٹھائی تو شاہ ویز کو کچھ یاد آ گیا۔

''تمہارے ناخن بڑے تراشے ہوئے ہیں' خیریت؟'' وہ شرارتاً بولا۔

''برتن صاف کرنے والی سزا کو بھول گئے میں تمہاری اس بات کا برا منا سکتی ہوں یہ سمجھ کر کہ تم جان بوجھ کر مجھے ستانے کو یہ ذکر کر رہے ہو''۔ لائبہ اچانک سے روہانسی ہوئی شاہ ویز سچ میں پشیمان ہوا۔

''بائی گاڈ''۔ وہ کوئی وضاحت دینے کو الفاظ ڈھونڈنے میں ناکام ہوا۔

''تم گلوز پہن کر نہیں دھوتیں؟'' ایک اور بے تکی بات لائبہ نے کافی برا مان کر اسے دیکھا۔ درحقیقت اس کے پاس افسوس کے لئے کوئی الفاظ نہیں تھے وہ دوسروں کی نسبت کم گو بھی تھا' مگر اتنا کم گو بھی نہیں تھا دراصل اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے محسوسات کیا ہیں اور انہیں کس طرح پیش کرنا چاہئے۔

''اچھا یار! تمہارے لمبے نیلز اور ڈیزائن والے نیل پینٹس اتنے پیارے لگتے تھے مجھے' ہم بھی انہیں کوئی ایسی ہی سزا دیں گے''۔ اسے اب بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے کہ لائبہ کی دل جوئی ہوسکے۔

''اچھا خیر' پھر آ جائیں گے ناخن تو تم نہ فکر میں دبلے ہو''۔ وہ بے پروائی سے بولی۔

''میں تمہاری فکر نہیں کر رہا اوکے مجھے سچ میں دکھ ہوا ہے''۔ وہ جرح کرنے لگا۔

''بھلا مجھے کیا ضرورت تمہاری فکر کی''۔

''اوکے' ٹھیک ہے' تمہارے دکھ کی بھی کسی کو ضرورت نہیں''۔ لائبہ نے موڈ بحال کرتے ہوئے کہا۔

''بٹ مجھے پھر بھی فیل ہو رہا ہے تمہارے ہاتھ''۔ اس نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں اچانک سے پکڑا۔

''کیا میرے ہاتھوں کو اب اتنے بھی رف نہیں ہوگئے کہ تم ہمدردیاں کرنے بیٹھ جاؤ''۔ لائبہ نے سچ مچ برا مانا۔ شاہ ویز کا دل چاہا وہ اپنا سر پیٹ لے' وہ اپنے جذبات اس تک پہنچا نہیں پا رہا تھا اور وہ بھی کند ذہن تھی۔

''مجھے برا فیل ہوا ہے تمہارا یہ کام کرنا اوکے تمہارے ہاتھ اتنے پیارے لگتے تھے مجھے''۔

''اوہو..... سبحان اللہ خود ہی یہ سزا مجھ سے چیخ چیخ کی تھی تم نے اور اب یہ ہمدردی دکھاوا کوئی کام نکلوانا چاہتے ہو ایسی ہمدردیاں کرکے''۔ وہ طنزیہ بولتے ہوئے اچانک سے مشکوک ہوگئی۔

''بے وقوف''۔ اس کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ کہہ دے مگر۔

''نہیں..... پتہ نہیں کیوں کہہ نہ پایا''۔

''یار بات یہ ہے کہ مجھے اچانک سے ہی یہ فیل ہوا ہے کہ مجھے تمہارے ہاتھ بلکہ تم ساری ہی بڑی پیاری ہو میرے لئے اور فیل یہ مجھے ابھی تمہارے ہاتھ دیکھ کر ہوا' سچ میں لائبہ قسم سے یار اتنی پیاری لگ رہی ہو مجھے''۔ اس نے تحمل سے اسے سمجھایا وہ جواباً خاموش ہوگئی۔

''بہت لوگ کہتے ہیں کہ لائبہ پیاری ہے میری کلاس فیلوز تو جل رہی ہوتی ہیں میرے نیل پینٹس سے' تمہیں آج پتہ چلا گدھے کو واقعی دیر سے بات سمجھ میں آتی ہے''۔ لائبہ اسے معلومات فراہم کرتے ہوئے اس کی عقل پر ماتم کرنے کے ساتھ ساتھ دور کی کوڑی لائی۔

''اسٹوپڈ گرل''۔ اس کا دل اب تو چاہا ضرور کہے۔ پھر بھی کہہ نہ سکا۔ ایکدم روہانسا ہوکر اسے دیکھا اس کے ہاتھ ابھی تک شاہ ویز کے ہاتھوں میں تھے۔

''خبردار! اگر کسی اور کی تعریف پر خوش ہوئی تو' انڈر اسٹینڈ میں منہ توڑ دوں گا اس کا جس نے بھی تمہاری تعریف کی''۔

''اف..... چھوڑو میرے ہاتھ اف مائی گاڈ اتنا جیلس ہوتے ہو تم مجھ سے''۔ وہ اچھلتے ہوئے ہاتھ چھڑا اوا گئی اور آخر تک منہ بگاڑ کر اس کی نقل اتاری۔

''لائبہ''۔ شاہ ویز ایکدم دانت پیس کر بولا اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''جہنم میں جاؤ تم اور تمہارے ہاتھ اسٹوپڈ لڑکی''۔ شاہ ویز اکتا کر تھک ہار کر ضبط کھو بیٹھا اور اچانک سے چلا کر چلا گیا۔ لائبہ حیرت سے اس کی پشت کو غائب ہوتا دیکھنے لگی۔

''پاگل ہوگیا ہے یہ تو''۔ وہ بے اختیار بولی۔

☆☆☆☆

آج اتوار کے باعث ہر کوئی دیر سے سو کر اٹھا تھا۔ ہلکی ہلکی دھوپ نے صحن کا احاطہ کر رکھا تھا شاہ ویز اٹھنے کے فوراً بعد چھت کی طرف بھاگا' آج زیادہ دیر سونے کی وجہ سے اس کی آنکھ گذشتہ چھٹی والے کسی دن سے بھی زیادہ تاخیر سے کھلی تھی' اس کے کبوتر بھوکے اس کا انتظار کر رہے تھے اس نے جلدی سے دانا پانی انہیں پیش کیا۔ گل ماں گیٹ سے اندر کسی کو اپنے ساتھ لا رہی تھیں۔ اوہ وہ رات والا ملنگ بابا اور اس کے دو چیلے رات کا یاد آتے ہی اس کو لائبہ کے ساتھ پیش آنے والا کافی حد تک ناخوشگوار واقعہ یاد آ گیا۔ آنکھ دیر سے کھلنے کی وجہ میں وہ بات بھی شامل تھی رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے وہ سو نہیں سکا تھا اور کافی دیر سے آنکھ لگی تھی۔ تمام واقعہ یاد آتے ہی ایکدم سے دماغ پھر سے بوجھل ہونا شروع ہوگیا۔ اگر کوئی پسند آ جائے تو اس کے دل تک اپنے دل کی بات پہنچانا کوئی آسان مرحلہ نہیں ہوتا اور اسے تو لائبہ جیسی بے وقوف لڑکی پسند آ گئی تھی۔

خیر یہ کیا وہ ملنگ بابا اور اس کے چیلے گھر میں داخل ہوگئے اور گل ماں انہیں کافی آرام سے بٹھا رہی ہیں ارے واہ اتنی عزت افزائی۔ گل ماں نے اپنا ذاتی تخت جو کہ صحن میں بچھا ہوتا تھا وہ پیش کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی۔

''رجب شاہ' ہریرہ ارے ارزم او لڑکیوں''۔ گل ماں نے وہیں سے سب کو پکارنا شروع کر دیا' سب اس بات سے واقف تھے کہ گل ماں پیروں فقیروں سے کتنی عقیدت رکھتی ہیں۔ سب ابھی

ناشتے سے فارغ تیار شیار تازہ دم تھے شاہ ویز سے بھی وہاں رکا نہ گیا اور وہ نیچے ان کے پاس پہنچ گیا۔ لائبہ پر نظر پڑتے ہی کافی خفگی محسوس ہوئی مگر وہ ایسے متوازن تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو' شاہ ویز کو جی بھر کر رنج نے آن گھیرا۔

''بچو! یہ ملنگ سائیں سے ملو بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں''۔ گل ماں نے انہیں متعارف کروایا۔

''ہر کسی کو گھر لانا ضروری ہوتا ہے کیا؟'' تائی اماں کافی صدمے میں تھیں اور مسلسل بڑبڑا رہی تھیں مگر گل ماں تک ان کی بڑبڑاہٹ نہیں پہنچ پا رہی تھی اور نہ ہی ان میں اتنی جرأت تھی کہ وہ ان تک بات پہنچا پاتیں۔

''گھر سے برکت اٹھتی جا رہی ہے ملنگ سائیں اب میں آپ کو یہیں رکھوں گی کچھ میرے گھر میں بھی برکت آئے میرے بچے تو کبھی نماز تک نہیں پڑھتے فلموں ڈراموں اور آوارہ گردیوں میں لگے رہتے ہیں جی سائیں جی کچھ پھونک مار دیئے ان پر کہ خدا انہیں نیک ہدایت دے''۔ گل ماں نے اپنی خواہش ظاہر کرتے ہوئے لمبی چوڑی تقریر ہی کر ڈالی۔

''ہوں' مراد پوری ہوگی بچی''۔ سائیں بابا نے گل ماں کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہیں بچی کہہ کر اور خوش کر ڈالا۔ ارزم عینی کو ساتھ لے کر باہر والی سڑک پر چہل قدمی اور دھوپ انجوائے کرنے آ گیا اس نے بذات خود عینی کو سوہا کے سامنے آفر کی تھی اور پھر گھر کے کسی بھی فرد کا چھٹی گھر پر گزارنے کا ارادہ نہیں تھا گل ماں سال میں ایک آدھ بار ایسا کارنامہ ضرور انجام دیتیں تھیں اور اب تو کچھ سالوں بعد ایسا ہوا تھا کہ وہ کسی پیر فقیر کو اپنے ساتھ گھر لائی تھیں اور کچھ دن تک اس ملنگ سائیں کو اپنے گھر میں برکت و عافیت کے لئے رکھنے کا ارادہ تھا۔ وہ سب جانتے تھے کہ گھر پر رہنے کا مطلب ہر وقت گل ماں کے احکام کی تعمیل تھا کبھی پیر سائیں کے لئے پان منگوائے جا رہے ہوتے تو کبھی دیسی گکڑ کا انتظام ہوتا۔ کبھی انہیں بکرے کا گوشت چاہئے ہوتا اور کبھی گل ماں کالے سیاہ بکرے کا سر منگوا رہی ہوتیں جس میں صرف ایک سفید دھبا ہو۔ صد شکر کہ اس کے ساتھ اس چیلے بھی تھے' وہ گل ماں کو انکار نہیں کر سکتے تھے شروع سے ہی گل ماں نے ان پر رعب رکھا ہوا تھا اور کچھ ویسے بھی انہیں نہ چاہتے ہوئے بھی بات مان لینے کی عادت سی پڑی ہوئی تھی صلوۃ اور لائبہ نے اپنی اپنی سیکوٹی اور باہر نکل گئیں' شاہ ویز اور ہریرہ نے بھی بھائی چارے کی مثال قائم کرتے ہوئے ایک ہی بائیک پر ڈبل سواری کو ترجیح دی اور گل نگر کو شام تک کے لئے خدا حافظ کہہ دیا۔ کوئی شاپنگ پر نکلا تھا تو کوئی دوست کے گھر کے لئے لڑکیوں کو یونی کے علاوہ کہیں جانے کی اجازت نہیں تھی مگر آج انہیں کمبائن اسٹڈی کرنا تھی' ایک ایک کرکے سبھی گھر سے غائب ہو چکے تھے سوہا بے کار گھر میں بور ہو رہی تھی اس سے پہلے کہ اس کی ہی شامت آتی وہ بھی گاڑی کی چابی لئے پورچ میں چلی آئی۔ دوپہر تو تھی گل ماں آوازیں دیتی رہ گئیں مگر وہ بھی ان سنی کرکے باہر آ گئی وہ ویسے بھی کم رعب میں آتی تھی۔ گھر سے کچھ فاصلے پر ہی اسے عینی اور ارزم آئس کریم انجوائے کرتے ہوئے نظر آ گئے تھے وہ بھی اسے دیکھ چکے تھے مگر وہ مکمل طور پر نظر انداز کرکے آگے بڑھ گئی۔

''یار! یہ ویسٹرن کزن کافی کیوٹ نہیں؟'' ہریرہ نے بائیک چلاتے ہوئے پیچھے بیٹھے شاہ ویز سے پوچھا۔

''ہاں ہے تو سہی''۔ شاہ ویز نے بھی جواباً کہا۔

''یہ اپنی سوہا ایویں ہی تنفر ہے اس سے بے چاری کیا کہتی ہے اسے؟'' ہریرہ کو عینی سے کافی ہمدردی ہو رہی تھی۔

''یہ ان کا پرسنل معاملہ ہے''۔ شاہ ویز بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''سوہا اور اس کے درمیان سب ٹھیک کروانا چاہئے''۔ ہریرہ نے ایک اور تجویز رکھی۔

''تمہیں اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے عینی سے؟'' شاہ ویز پر پھر بھی لائبہ کا اثر ہو گیا تھا' اس کے انداز میں مخاطب ہوا' ہریرہ بے اختیار ہنسا۔

''یار اچھی لگتی ہے پتہ نہیں کیوں اتنی سوفٹ نیچر کی تو ہے' بالکل بھی پراؤڈ انسان نہیں ہے کیوٹ تو خیر ہے ہی''۔ ہریرہ کافی موڈ میں تھا۔

''ہوں''۔ شاہ ویز نے لمبی ہوں نکالی۔

''او کے کرو جو کرنا ہے میں کیا کر سکتا ہوں''۔ ایک حساب سے کرارا جواب تو تھا۔ ہریرہ نے اڑاتی بائیک ایکدم سے روکی اور کافی اشتعال سے کہا۔

''اترو..... اترو یہاں سے..... میں بھی تمہارا نوکر نہیں' جب تم نہیں میری کوئی ہیلپ کر سکتے تو میں کیوں کھینچتا رہوں ساتھ تمہیں''۔ ہریرہ نے اسے بائیک سے اتار کر ہی دم لیا۔ شاہ ویز نے کافی حیرانگی سے اس کی کمینگی کو پیا۔

''اتنے بے مروت ہو تم' وہ ایک دو دن کی لڑکی کے لئے اپنے چوبیس سالہ بھائی اور دوست کو یہ کہہ رہے ہو''۔

''چوبیس کی ہی ہو گی وہ بھی' دو دن کی نہیں''۔ شاہ ویز نے دانت پیسے۔

''متعارف تو دو چار دن پہلے ہی ہوئے ہو ناں اس سے''۔

''واٹ''۔ ہریرہ نے کمینگی سے کندھے اچکائے۔

''ہیلپ تم نے میری کرنی ہے اس کی نہیں''۔ شکوہ تھا یا رمی ایکشن۔ شاہ ویز صدمے سے باہر آیا۔

''یار میں کیا کروں میں خود تھوڑا ٹینس سا ہوں''۔ اس نے بے چارگی سے کہا۔

''بھلا تمہیں کیا ٹینشن لگ گئی''۔ ہریرہ نے بے لچک انداز میں کمی نہ کی۔

''کوئی ٹینشن نہیں ہے میں کر لوں گا خود ہی''۔ اس کی بے پرواہی اسے کافی کھلی تھی۔ ہریرہ کو بے مروتی کا تھوڑا احساس ہوا تو اس نے بالوں کو چھوتی آنکھیں جو ماتھے پر رکھ چکا تھا' اسے سابقہ پوزیشن پر لایا۔

''اچھا بتاؤ نا کیا ہوا؟'' وہ ذرا نرمی سے بولا۔ شاہ ویز بھی تھوڑا نارمل ہوا۔

''پہلے تم بتاؤ کیا ہیلپ کروں میں تمہاری؟''

''یہی کہ کسی طرح سوہا کے اور باقیوں کے جھگڑے ختم ہوں''۔

''یار! باقیوں کے تو نہیں جسٹ سوہا''۔

''چلو جو بھی''۔

''اچھا کرتے ہیں کچھ''۔ شاہ ویز نے حامی بھری۔

''تم بتاؤ کیوں ٹینس ہو؟'' ہریرہ اب اس کی جان چھوڑنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''میں نہیں بتاتا' سیلفش انسان''۔ شاہ ویز نے غصے سے کہا۔

''او کے نہ بتاؤ''۔ ہریرہ چڑ گیا۔ کچھ لمحے گزرنے کے بعد اس کے اصرار پر شاہ ویز کو صورتحال بتانی ہی پڑی مگر پھر ہریرہ اس کی لاکھ گھوریاں اگنور کرتے ہوئے ہنستا چلا گیا۔

☆☆☆☆

ارزم شام کو کمرے میں آیا تو رجب کو بیڈ پر مختلف ڈائریوں کے ساتھ الجھتا ہوا پایا۔

''ہیلو برادر خیریت ہے یہ سب؟'' وہ اچھل کر بیڈ پر جا گرا۔

''ہو گئی ڈیٹ شیٹ''۔ رجب نے اسے چھیڑا۔

''حد کرتے ہو یار تم بھی' بتاؤ یہ کیا ماجرا چل رہا ہے''۔ اور پھر خود ہی ڈائریاں اٹھا کر دیکھنے لگ گیا' مختلف ڈیٹس کے ساتھ مختلف پینز مارکرز استعمال کر کے لکھا گیا تھا۔ صلوۃ کا نام مینشن تھا 2016ء

تک کی چار عدد ڈائریاں تھیں ہر سال کی الگ ڈائری 2013ء سے لے کر 2016ء تک۔ ہر ڈائری پر تھوڑا بہت کچھ لکھا گیا تھا۔

''2013۔ ڈیئر صلوۃ آج عید الاضحیٰ کے موقع پر جو تم نے بلیک فراک پہنا ہوا تھا بہت جچ رہا تھا تم پر میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ تم مجھے کتنی پیاری لگ رہی تھیں''۔ ارزم نے پڑھ کر صورتحال سمجھنے میں ذرا وقت نہ لگایا۔ گھر اور یونی کے کچھ قصے ہائی لائٹ کئے گئے تھے۔ سمری صرف یہی تھی کہ وہ ساری باتیں صلوۃ کے ارد گرد ہی گھومتی تھیں مگر پینسل اور ڈیٹ تبدیل کر کے لکھی گئی تھیں۔ ارزم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا؟''

''چپ کرو تم تو پاگل''۔ رجب نے اسے لتاڑا۔

''پھر بھی اگر پسند کرتے ہو اسے تو یہ سب کرنے کا مقصد' لگ یہی رہا ہے کہ جیسے ابھی لکھ رہے ہو تم اور ایسا ہے بھی کچھ دن پہلے تک تو تمہیں صلوۃ پسند نہیں تھی مگر اب اچانک سے چار سالہ پرانا پیار کہاں سے پیدا ہو گیا''۔ ارزم کو یہ صورتحال کسی طور پر ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

''یار بات یہ ہے کہ مجھے کچھ دن سے ہی بس یہ فیل ہو رہا ہے کہ صلوۃ مجھے اچھی لگنے لگ گئی ہے یونو میں کس حساب سے بات کر رہا ہوں اب اگر اسے بتاؤں گا تو وہ یقین تھوڑا کرے گی میری چار دن کی محبت پر' فرسٹ آف آل تو وہ میری بات پر یقین کرے گی ہی نہیں''۔ رجب تو ایک ہی سانس میں بولتا ہوا نہیں تھکا تاہم ارزم اکتا ضرور گیا۔

''پاگل ہو تم' اس سب سے وہ سمجھ جائے گی' اگر سمجھنا ہوا تو ایسے ہی سمجھ جائے گی' جب کسی کے لئے دل کچھ فیل کرے تب ہی بتانا ہوتا ہے''۔ ارزم ابھی بھی اس بات کو ہضم کرنے میں ناکام ٹھہرا تھا۔ رجب نے اسے بتایا کہ اس نے نادانستگی میں کل رات اچانک ہی کچن میں ہونے والی لائبہ اور شاہ ویز کی گفتگو سن لی ہے اور لائبہ کا ردعمل بتایا' شاہ ویز کے جذبات وہ سمجھ سکتا تھا لہٰذا تب ہی اس نے ڈر کر اپنا طریقہ کچھ بدل لیا پہلے جو وہ صلوۃ کو سمپل پرپوز کرنے والا تھا اب اس نے اس مشاہدے کے بعد طریقہ بدل کر کچھ اور کرنے کا سوچا۔ ارزم ہر سننے والے کی طرح پہلے تو اس کی داستان امیر حمزہ سن کر بہت ہنسا مگر جب ہنستے ہنستے تھک گیا تو رجب کی طرف متوجہ ہوا۔

''ٹھیک ہے یار! طریقہ تو تم نے ٹھیک سوچا''۔

''ہاں یار! اب ان پرچھلے چار سال سے اب تک کی ڈیٹ ڈالوں گا اور اسے کسی طرح صلوۃ کو پڑھاؤں گا' وہ سمجھ جائے گی اور یہ پلس پوائنٹ ہو گا کہ میں لاسٹ فوراً ایئرز سے انٹرسٹڈ ہوں''۔ رجب نے پورا دن کمرے میں بند ہو کر یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔

''مگر یار! چار سال پہلے تیری رائٹنگ زیادہ خراب تھی''۔ ارزم نے اعتراض اٹھایا۔

''خدا کا واسطہ! اب اتنی باریکیوں میں نہ جاؤ''۔ رجب نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ ڈالے۔

☆☆☆☆

صبح کا سورج کم از کم شاہ ویز کے لئے کسی دھچکے سے کم نہیں تھا۔ وہ تیار یونی جانے سے پہلے کبوتروں کو آزاد کر کے دانہ پانی ڈالنے کی غرض سے آیا تو کیا دیکھا کہ چھ سات کبوتر غائب ہیں' شاہ ویز کبوتر بازی کا اتنا شوقین تھا کہ پچاس سے اوپر ہی مختلف رنگ و نسل کے کبوتر پال رکھے تھے اور اسے اپنے کبوتروں سے پیار بھی بہت تھا۔

''گل ماں امی میرے کبوتر کدھر ہیں''۔ صدمے کے باعث اس کی آواز پھنسی پھنسی گلے سے برآمد ہوئی۔

''گل ماں..... گل ماں''۔ وہ چلا چلا کر کہنے لگا۔

''یہ کوئی طریقہ ہے آوازیں لگانے کا''۔ حامد صاحب جو احمد صاحب کے ساتھ لان میں آ نکلے تھے قدرے ڈپٹ کر بولے۔ ینگ جنریشن جو یونی جانے کی نیت سے رہائشی حصے سے باہر کی طرف آ رہے تھے سبھی اکٹھے ہو گئے۔

''ملنگ سائیں کو کبوتر کا گوشت بہت پسند تھا' رات میں نے ان کے لئے ذبح کروالئے تھے''۔ گل ماں کا اعلان۔ شاہ ویز گو اقعی آسمان ہی اپنے سر پر گرتا ہوا محسوس ہوا' شاہ ویز کے علاوہ ہر کوئی صدمے میں تھا۔ خاص طور پر نوجوان نسل تو اس کے کبوتروں سے پیار سے واقف تھے۔

''آپ نے ذبح کروادیا''۔ وہ بے یقینی سے بولا۔

''ہاں تو بچے تیرے پاس اتنے سارے ہیں دل کیوں تھوڑا کرتے ہو' پیر سائیں دعائیں دیں گے اب ہنگامہ نہ کرو وہ کمرے میں آرام کر رہے ہیں ایویں برا نہ منائیں''۔ گل ماں نے تو اس کی بات کا ذرا نوٹس نہیں لیا۔

''آپ کو پتہ بھی تھا کہ مجھے کتنا پیار تھا سب کبوتروں سے میں نے بازی کے لئے بادام گھی کھلا کھلا کر پالے تھے''۔ وہ ایکدم سے چلا اٹھا اور صحن میں لان کی ہریالی کے پاس رکھے گملوں کو اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگا۔ ایک دو تین اکٹھے سات سبھی حق دق اس کی حرکتیں ملاحظہ کر رہے تھے۔

گملے ٹوٹنے کی آوازیں سن کر گل ماں بھی پلٹیں۔

''ارے ارے پاگل ہو گئے ہو کیا کر رہے' کوئی روکے اسے''۔ وہ صدمے سے پھٹی آواز میں بول رہی تھیں پھولوں کی وہ اس قدر شوقین تھیں کہ دور دراز علاقوں سے بھی مختلف رنگ و نسل کے پھول منگوا کر انہوں نے لان سجا رکھا تھا۔ گل نگر کی خوبصورتی کو آٹھ چاند لگانے میں اہم کردار ان کا پھولوں بھرا لان ادا کرتا تھا۔

''آپ نے میرے کبوتروں کے ساتھ اچھا نہیں کیا''۔ کوئی اور جواب دیئے بغیر وہ روہانسا ہو کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا' اسے گل ماں کے گملے توڑ کر بھی سکون نہیں ملا تھا' احمد صاحب اور حامد صاحب بھی حیرت سے یہ کارروائی ملاحظہ فرما رہے تھے' انہوں نے باہر کھسکنے میں ہی عافیت جانی' پر اماں اور پوتے کا معاملہ تھا' صدمے سے باہر آتے ہی سب شاہ ویز کے پیچھے کمرے میں بھاگے جبکہ گل ماں وہیں بولتی رہ گئیں' شاہ ویز کے غم میں وہ بھی برابر کے شریک تھے اظہار یکجہتی کے لئے سبھی قالین پر خاموش بیٹھے تھے' عینی بھی موجود تھی' شاہ ویز واش روم میں تھا۔

''اچھا چھوڑ یار! ہم نئے کبوتر لے لیں گے گل ماں کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا مگر تم نے بھی تو ان کے گملے توڑ کر بدلا لیا ہی ہے''۔ رجب نے سب سے پہلے افسوس کیا' شاہ ویز خاموش رہا۔

''مجھے تو سب سے زیادہ غصہ اس ڈھونگی بابا پر آ رہا ہے جس کی وجہ سے یہ سب ہوا''۔ لائبہ کی آواز تھی۔

''اس کا بھی کرتے ہیں کچھ''۔ سوہانے بھی تائید کی۔

''کرنا کیا ہے' نکالتے ہیں کسی طرح''۔ ارزم بولا۔ سوہانے ناگواری سے اسے دیکھا وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھا تھا۔

''کیوں عینی؟'' ارزم نے اس کی گھوری ملاحظہ فرمائی تھی تبھی عینی کو مخاطب کیا۔

''آپ سب ٹھیک ہیں''۔ وہ بے چاری یہی کہہ سکتی تھی۔

مغرب میں ہوتے ہوئے بھی وہ شوخ دنیا کی رنگینیوں سے کوسوں دور رہی تھی۔

''اچھا کچھ سوچو کرنا کیا ہے اس کا''۔ صلوۃ نے گفتگو میں حصہ لیا۔

''بھگانا ہے بس جیسے بھی' یہ اصلی پیر ہے یا نقلی ہمیں اس بات سے غرض نہیں بس اسے نکالو یہاں

سے جیسے بھی''۔ ہریرہ بولا۔ یہ سب باتیں اس کے دکھ کا مداوا ثابت ہو رہی تھیں' اور پھر بند کمرے میں ایک بھرپور پلاننگ کی گئی' جس پر عمل درآمد کل رات سے ہی شروع کرنا تھا۔

☆☆☆☆

اگلی صبح پیر سائیں دھوپ میں تخت پر براجمان تھے جبکہ اس کے چیلے اس کے کندھے دبانے میں مصروف تھے گل ماں ان کے پاس ہی موڑھا ڈالے بیٹھی ان کے لئے انار چھیل کر پلیٹ میں انار کے دانے رکھ رہی تھیں۔

''سائیں جی! ذرا میری اس بچی کی قسمت تو بتائیں''۔ عینی دھوپ میں گئی تو اسے دیکھتے ہی گل ماں نے پیر سائیں کو کہا۔ نارنجی چوغے میں موجود پیر سائیں وہی تھا جو اس رات انہیں ڈھابے کے قریب نظر آیا تھا۔ عینی خود بھی اس معاملے میں دلچسپی رکھتی تھی' وہ فوراً سے گل ماں کے پاس پہنچ گئی۔ بابا جی اس کا ہاتھ پکڑے اس کی ہاتھوں کی لکیروں کا باقاعدہ معائنہ کر رہے تھے' ہریرہ شاہ ویز کے ساتھ چھت پر تھا اس نے یہ منظر دیکھا تو بے اختیار اشتعال انگیز ہو گیا۔

''عینی! بات سنو''۔ اس کے دھاڑ کے کہنے سے عینی تو عینی ہر نفس حیران رہ گیا۔ وہ منمناتی ہوئی اٹھی کہ شاید وہ سب پیر بابا کو ناپسند کرتے ہیں تبھی اس کا جانا پسند نہیں کیا۔ گل ماں نے کافی ناگواری سے اسے ڈپٹا۔

''چلا کیوں رہے ہو' تمیز نہیں تمہیں کہ آہستہ بولنا ہے گھر میں بزرگ ہیں''۔ گل ماں عادتاً شروع ہو چکی تھیں۔ ہریرہ اور شاہ ویز دونوں چھت سے نیچے آ گئے عینی کا رخ بھی رہائشی حصے کی جانب ہو گیا تھا۔

''اس ڈھونگی کو ہاتھ کیوں پکڑایا تھا؟'' ہریرہ نے دبی آواز میں اسے ڈپٹا۔ شاہ ویز دانستہ ان کے پاس نہ رکا۔

''میں.....وہ'' وہ فضاحتیں دینے کے لئے الفاظ تیار کرنے لگی۔

''اوکے لیو دس''۔ ہریرہ تھوڑا نرم پڑا۔ عینی کے حواس بحال ہوئے وہ باقی کزنز کے مقابلے میں کافی دبو قسم کی تھی۔

''میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اور تمہارا ہاتھ پکڑے بہت پسند ہو مجھے تم اور بہت زیادہ عزیز' آئی رئیلی لو یو عینی پلیز میری فیلنگز کا خیال کرنا''۔ وہ التجائی انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اف یار''۔ کتنا عام سا ہو گیا ہے ناں یہ ڈائیلاگ مگر ہریرہ بے چارہ کیا کرے۔ اسے بھی یہی بولنا پڑا تھا' عینی اس کی بات پر پہلے تو کافی دیر تک سن رہی۔

''ہریرہ! تم مذاق تو نہیں کر رہے''۔ اس کی سنجیدہ سی آواز پر ہریرہ نے نفی میں سر ہلایا' وہ بے اختیار مسکرائی۔

''میں نیکسٹ خیال رکھوں گی''۔ ہریرہ کی مسکراہٹ بھی بے اختیار تھی۔

☆☆☆☆

سہ پہر ہوتے ہی پلاننگ کے مطابق سوہا کھڑکی سے لگی پیر سائیں کے کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

''یار! اگر اس ڈھونگی نے اپنے موکل وغیرہ چھوڑے ہوئے تو سوہا کو وہ کہیں کچھ کر ہی نہ دیں''۔ ارزم وقتاً فوقتاً اسے چھیڑ رہا تھا' سوہا تپ رہی تھی اس کی باتوں پر' مگر بالکل ہی نظر انداز کرنے کا شوق رکھا تھا اس نے۔

''سوہا دھیان سے سوئی''۔ ارزم نے پھر سے سرگوشی کی' سوہا کے شولڈر کٹ بال پونی ٹیل میں مقید اس کی گردن پر جھول رہے تھے۔

''ہریرہ آؤ ذرا تم بھی ملاحظہ فرماؤ''۔ سوہا نے مڑ کر سرگوشی کی۔ ہریرہ اور ارزم بھی اس کے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے منظر واقعی قابل دید تھا' انہیں تو ویسے بھی شک تھا مگر ان کا مقصد ایسا کچھ نہیں تھا مگر

اب بے اختیاری میں ہی سوہا نے جینز کی پاکٹ سے اپنا اسمارٹ فون نکال کر کیمرہ آن کر لیا ویڈیو زیادہ کلیئر نہیں آ رہی تھی۔

بابا اپنے اصل رنگ میں آ رہا تھا دروازے کو لاک کر کے اس نے اپنی تسبیحات اتار کر اچھالیں چوغہ اتارا اور اندر سے ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس اور لڑکا نکلا۔ لمبی داڑھی بھی اتار دی اور لمبا سانس کھینچ کر کمرے کی دراز میں سے اپنا اسمارٹ فون نکالا تھا کہیں کال ملائی۔

''یار! اب یہ سب اتنا بھی آسان نہیں ہے' رہائش اور ایڈونچر کے چکروں میں یہاں پھنس تو گیا ہوں مگر مصیبت' ابھی تک ایک ملاقات تک پاسیبل نہیں ہو سکی لاہور سے یہاں آ کر دھکے کھا رہا ہوں' گھر والوں سے ٹور کا کہہ کر نکلا اور یہ تو شکر ایسے دوست مل گئے ہیں ورنہ ہوٹل کا کرایہ دے دے کر جیبیں بھی خالی ہو گئی تھیں' تم بتاؤ کب ملو گی؟ مان رہے ہیں تیرے ابا کہ نہیں؟'' وہ نہ جانے کس سے مخاطب تھا' سوہا یہ سب کچھ کیمرے کی آنکھ میں قید کر چکی تھی مگر ان لوگوں کو سبق سکھانا بھی لازمی تھا۔

''واؤ یار! بڑے کام کی شے ہاتھ لگی''۔ سوہا اچھل کر نیچے اترتے ہوئے مسکرائی ان کا ارادہ کمرے کا جائزہ لے کر وہاں کچھ ایسا فٹ کرنا تھا کہ جس سے وہ اس بابا کو ڈرا سکیں اور وہ ڈر کر خود ہی بھاگ جائے' مگر ان کا معاملہ اتنا آسان ہو گا انہیں پتہ ہی نہیں تھا پہلے انہوں نے وہ ویڈیو آپس میں تینوں موبائلز میں شیئر کیں پھر خوشی خوشی باقیوں کی طرف یہ بتانے کو دوڑے۔

''ہریرہ تم جاؤ''۔ ارزم نے اسے وہیں روک لیا۔

''نان سینس کیا بدتمیزی ہے یہ''۔ سوہا کو پہلے ہی بہت تپ چڑھی تھی ہاتھ چھڑوانے لگی۔

''اس میں بدتمیزی والی کیا بات ہے''۔ ارزم کافی موڈ میں تھا۔

''جسٹ لیو می ارزم! مجھے غصہ نہ چڑھاؤ پہلے ہی بہت ہے''۔

''اوکے اتار لو غصہ''۔ وہ آرام سے بولا۔ سوہا نے ایکدم سے رونا شروع کر دیا ارزم پریشان ہو گیا۔

''جانے دو مجھے' مجھے کوئی بات نہیں کرنی تم سے' تمہیں پتہ بھی تھا کہ میں تم میں انٹرسٹڈ ہوں مگر تم یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں عینی کو ناپسند کرتی ہوں تم اس کے ساتھ فری ہوئے''۔ وہ بچوں کی طرح شروع ہو گئی۔

''تم نے کب بتایا تھا تم انٹرسٹڈ ہو مجھے کیا پتہ''۔

''پتہ تھا تمہیں''۔ وہ شدید خفا ہوئی۔

''اچھا سوری معاف کر دو''۔ ارزم صلح کے موڈ میں تھا۔

''نہیں میں نہیں کروں گی معاف''۔ وہ ابھی تک رو رہی تھی ارزم کو ندامت ہوئی اور اسے بے اختیار خود میں بھینچ لیا۔ سوہا کا دل ایکدم سے سکڑ گیا اور پھر دھڑکنوں نے تیز ہونے کا ریکارڈ توڑ ڈالا۔

''پلیز''۔ وہ اس کے گال کے قریب سرگوشی کرنے لگا۔

''عینی کو اتنی لفٹ کرائی''۔ وہ وہیں اٹکی تھی۔ ارزم بے اختیار ہنسا اور اس کا گال چوم لیا۔ سوہا نے بے اختیار ہاتھ سے گال کو مسلا اور خفگی سے دیکھنے لگی۔

''لفٹ نہیں تھی کروائی وہ کرے گی بات تم سے ہو جائے گا تمہیں پھر کلیئر سب''۔

''میں نے نہیں بات کرنی اس سے''۔ وہ پھر سے اس کی بانہوں میں مچلی۔

''اچھا میرے لئے بھی نہیں سنو گی اس کی بات؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''مگر کیوں؟'' اس کی مزاحمت ختم ہو رہی تھی۔

''یار دیکھو! عینی کا تو اس سارے میں کوئی قصور نہیں ہے ناں میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہوئی تھی مگر میں نے آج تک کسی کو قصور وار ٹھہرایا؟ نہیں ناں ٹھیک ہے ماموں غلطی پر ہیں مگر تمہیں دل بڑا کرنا چاہئے ایسے جل بھن کر جینے سے صرف میری سوہا ٹینس رہے گی اور کچھ نہیں ملے گا' معاف کر کے جیو اور بس پھر بہت جینا ہے تم نے اور میں نے ایک ساتھ بوڑھے ہونے کے بعد تک''۔ وہ اسے سمجھاتے ہوئے ایکدم سے پھر سے جذباتی ہوگیا تھا اور اس بار اس کے ہونٹوں نے سوہا کی پیشانی پر اپنا لمس چھوڑا تھا' سوہا کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکان تھی اس نے مزاحمت ترک کر کے اس کے سینے میں سر چھپالیا۔

''سنو''۔

''ہاں بولو''۔

''اگر تم یہاں نہیں رہنا چاہو گی تو ہمارے گھر چلیں گے جہاں میرے پیرنٹس کی یادیں ہیں''۔ اس کی سرگوشی میں بھی سنجیدگی تھی۔

''بعد میں دیکھیں گے یہ سب''۔ سوہا کو کچھ سمجھ میں نہیں آئی کیا فیصلہ کرنا چاہئے۔

''ہاں ٹھیک ہے تم جس بات میں خوش ہوئی ہم وہ ہی کریں گے''۔ ارزم نے ایک بار پھر سے خلوص دل سے کہا۔

☆☆☆☆

صبح ہونے کی دیر تھی کہ وہ سب ناشتے کے بعد بابا کے کمرے میں پہنچ گئے۔

''کیا ہو رہا ہے یہ؟'' بابا اچانک سے بوکھلا گیا۔

''لمبی چوڑی بات نہیں کریں گے بس یہ بات بتاؤ کہ تمہاری ویڈیو نیٹ پر چلانے کے بعد تمہیں پولیس کے حوالے کریں کہ خود جوتے لگائیں؟'' شاہ ویز نے دوٹوک بات کی' باقی سب دلچسپی سے اس کارروائی کو ملاحظہ کرنے لگے وہ ساتھ ساتھ اس کی داڑھی مونچھیں بھی اتار رہے تھے اندر سے خوش شکل نوجوان برآمد ہوا' اس کے چیلے گھبرائے اس کی درگت بنتا دیکھ رہے تھے۔

''زین ہم نے کہا تھا ناں کہ پھنسے تو برا پھنسیں گے''۔ ان میں سے ایک بولا۔

''یار سوری! قسم سے تمہارے گھر کے متعلق برا برتاؤ نہیں تھا ہمارا' پلیز ہماری بات سن لو''۔ وہ ایکدم سے گڑگڑانے لگ گیا۔

''ہاں سناؤ کیا بات ہے''۔ رجب نے اس پر ترس کھالیا۔

''ہمیں رہائش کا مسئلہ تھا' قسم سے مہینے سے یہاں ہوٹلز کا کرایہ بھر رہے تھے ہم بس یہ کام گلی محلے تک ہی محدود رکھنا چاہتے تھے مگر آپ کی اماں ہمیں زبردستی لے آئیں تو ہمیں بھی رہائش مل رہی تھی ہم چپ رہے''۔ وہ سب بتاتا چلا گیا۔ وہ ایک لانگ اسٹوری سنانا چاہ رہا تھا مگر وہ سب اکتا گئے۔

''ہم آج کافی اچھے موڈ میں ہیں لہٰذا تمہیں معاف کرتے ہیں اور تم دفع ہو جاؤ یہاں سے''۔ ارزم چہکا تھا۔ شاہ ویز نے گھور کر اسے دیکھا۔

''ہاں ٹھیک کہہ رہا دفع کرو ان لوگوں کو''۔ سوہا نے بھی ناک چڑھائی۔

''نہیں پولیس کے حوالے کریں گے' میرے کبوتر کھائے ہیں انہوں نے''۔ شاہ ویز معاف کرنے کو تیار نہیں تھا۔

''یار خدا کے واسطے معاف کردو' میں پہلے ہی بہت مشکل میں ہوں پوری عمر احسان یاد رکھوں گا' اللہ تم لوگوں کی جوڑیاں سلامت رکھے''۔ وہ پھر سے اوقات میں آنے لگا' شاہ ویز کا دل بھی تھوڑا نرم پڑا۔

''یار! میں تجھے ایسے پندرہ بیس کبوتر بجھواؤں گا' میری جان چھوڑ دو بس''۔ وہ ترلے منتوں پر اترا ہوا تھا۔

''یار پلیز! قسم سے دوست ہمیشہ یاد رکھیں گے کہ

تم نے ہماری مشکل میں مدد کی تھی''۔ زین کا دوست بول اٹھا۔

''او کے آج شام تک دفع ہو جانا یہاں سے''۔ شاہ ویز کمرے سے باہر آ گیا۔

☆☆☆☆

صلوۃ ڈائریز پڑھ چکی تھی اور اس موضوع پر اس کی رجب کے ساتھ باقاعدہ بات بھی ہوگئی تھی۔

''تم تب سے انٹرسٹڈ ہو' مائی گاڈ! جب ہم سائیکلنگ کیا کرتے تھے''۔ وہ ہنس رہی تھی' اور رجب بے چارہ جی جی کر رہا تھا۔

''ہوں ناٹ بیڈ گڈ لکنگ تو ہو ہی خیر سوچوں تو زیادہ اعتراض نہیں بنتا''۔ اور پھر رجب اتنے میں ہی خوش ہوگیا۔

☆☆☆☆

سوہا ہینڈ فری کانوں میں لگائے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے لان میں واک میں مصروف تھی' عینی اس کے پاس آئی۔

''سوہا''۔ وہ رک گئی۔

''ارزم نے شروع میں مجھ سے میرے اور تمہارے پاپا اور ہمارے درمیان کلیش پر بات کی تھی اس نے مجھے موٹیویٹ کیا تھا کہ میں تم سے اس پر بات کروں جس کی مجھ میں ہمت نہیں تھی''۔

''ہوں' بولو''۔ وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

''میری ماما کی ڈیتھ کے بعد پاپا اس لئے مجھے چھوڑ کر نہ آئے کہ تمہارے پاس ایک فیملی تھی جب کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں وہ مجھے ساتھ لا سکتے تھے مگر کچھ ایشوز کی بنیاد پر میں بچپن میں نہ آ سکی' انہیں تمہاری ہمیشہ فکر رہی ہے مگر تم نے ایک دیوار سی کھینچ رکھی ہے''۔ وہ اسے تفصیلاً بتا رہی تھی۔

''تم اپنی جگہ بالکل درست ہو' مگر ہمیں معاف کردو ہم کہیں نہ کہیں غلطی پر ہیں''۔ عینی بڑے ظرف سے کہہ رہی تھی سوہا چپ رہی۔

''تم نے آج تک پاپا سے بات نہیں کی اگر وہ کرنے کی کوشش کریں بھی تو اگنور کرتی ہو''۔

''ہاں ایسا ہی ہے''۔ سوہا نے کندھے اچکائے۔

''پاپا بھی تم سے بات کرنا چاہتے ہیں میں سمجھوں گی تم نے مجھے معاف کر دیا اگر چل کر پاپا کی بات سن لو تو''۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔ سوہا اس کے ساتھ پاپا کے کمرے میں چلی گئی وہ بولتے رہے اور وہ سنتی رہی کیونکہ ارزم نے اسے کہا تھا کہ وہ معاف کردے اور وہ کر چکی تھی۔ پاپا نے ان دونوں کو گلے لگا کر ڈھیر سارا پیار کیا تھا' وقت نے خوشیوں کی طرف پلٹا لیا تھا سوہا محسوس کر رہی تھی اس سکون کو جو ظرف بڑا کرنے اور معاف کردینے میں تھا۔ ہزاروں موسم آتے جاتے ہیں مگر جو مزہ محبتوں سے رہنے محبتوں کے موسم سے لطف لینے میں ہے وہ اور کہیں نہیں۔

☆☆☆☆

صلوۃ کو رجب کی زبانی شاہ ویز اور لائبہ کے قصے کا پتہ چلا تھا' پہلے تو سب کی طرح وہ بھی خوب ہنسی مگر اس کے بعد اس نے اپنے لفظوں میں لائبہ کو ساری صورتحال بتائی تھی۔ اس کے ناخن اور ہاتھ پھر سے پیارے ہوگئے تھے حالانکہ اس دورانیہ میں بھی پیارے ہی رہے تھے مگر سب نے کہہ کہہ کر اسے یہ ماننے پر مجبور کر دیا تھا کہ اس کی اسکن رف ہوگئی ہے' وہ شاہ ویز کے پاس چھت پر چلی آئی شام ہو رہی تھی وہ دانا پانی ڈالنے کے علاوہ کبوتروں کو ڈربے میں بند بھی کر رہا تھا' اسے دیکھ کر دل اچانک سے خوش ہوگیا۔

''خیریت ہے اس وقت؟'' شاہ ویز بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

''ہوں''۔ وہ اس کے ساتھ کبوتروں کو ڈربے میں بند کرنے لگی۔ شاہ ویز کی نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی لائبہ بے اختیار ہنسی روکنے لگی۔

''بہت خوبصورت ہیں ناں میرے ہاتھ تمہیں تو بہت پیارے لگتے ہیں بلکہ میں ساری ہی تمہیں بہت پیاری لگتی ہوں''۔

''تم مذاق اڑا رہی ہو میرا''۔ شاہ ویز نے گلہ کیا۔

''ارے نہیں' میں یہ بتا رہی کہ بہت دن ہوئے تم نے پھر سے تعریف نہیں کی میری''۔ وہ ہنسی۔

''جاؤ..... میں نہیں کرتا''۔ وہ اکڑا۔

''تم کرو گے' ورنہ میں نہیں جاؤں گی''۔ شاہ ویز نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

''سوری کافی تنگ کیا تمہیں اس دن مجھے بعد میں فیل ہوا یہ''۔ وہ سنجیدہ ہوئی۔

''چلو شکر تمہیں فیل تو ہوا کچھ''۔ وہ بھی سنجیدہ ہوا۔

''چلو نیچے' سردی لگ جائے گی' سردی ویسے بھی خطرناک قسم کی ہوتی ہے یہاں تو''۔ شاہ ویز کو فکر ہوئی۔

''پہلے تعریف تو کرو ورنہ اچھا ہے لگ جائے سردی''۔ لائبہ بھی نخروں کے موڈ میں تھی شاہ ویز نے اسے خفگی سے گھورا۔ جس سے محبت کرتے ہوں اس کی سب سے بہتر انداز میں فکر یہ ہی ہو سکتی ہے کہ انسان خود کی اچھے انداز میں فکر کرے اپنا خیال رکھے کیونکہ جس سے ہمیں محبت ہوا سے اس کی پریشانی اتنا پریشان نہیں کرے گی جتنی ہماری۔

''اچھا کیا یاد کرو گی؟''

''یار! تم بہت پیاری لگتی ہو مجھے رئیلی لو یو لائبہ اچانک سے تمہارے لئے اتنی محبت فیل ہونے لگ گئی ہے''۔ اس کی گھمبیر آواز اس کے کانوں میں پڑی' سردیوں کی اترتی دھند ٹھنڈی یخ ہوا او جذبات لٹاتی گرم نگاہیں' دل سکڑ کر پھیلا تھا۔

''سب کو دیکھ کر میں بھی یہ سوچتی تھی کہ ایک عدد پارٹنر ضرور ہونا چاہئے' جو سردی میں ہونے والے فلو بخار کا اثر اپنے لفظوں سے زائل کرتا رہے اس کی کیئر ہمیں کچھ نہ ہونے دے اور ہم اس کے لئے ٹھیک ٹھیک رہیں''۔ وہ اچانک سے بولی تھی انداز میں شرارت سنجیدگی میں ڈھل گئی تھی مگر آنکھوں کی شوخی برقرار تھی۔

''میں بھی یہی سوچتا ہوں''۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے سیڑھیاں اترنے لگا۔ اور پھر شاید یہ سال اور یہ لمحات ان سب کے لئے کافی مبارک ثابت ہوئے تھے گزرتا سال ان کے لئے جلد ہی گزر گیا شادی کی تیاریوں اور خریداریوں میں گل ماں نے سب کی پسند معلوم کر کے انہیں ایک دوسرے سے منسوب کر ڈالا تھا۔ ارزم چاہ رہا تھا کہ وہ اور سوہا اس کے آبائی گھر شفٹ ہو جائیں مگر سب کی طرف سے اسے اس قدر گھونسے پڑے کہ یہ بات بڑوں تک جانے سے پہلے ہی دبا دی گئی۔ اور بالآخر شادی کا دن بھی آ گیا۔ صلوۃ کور جب سے سوہا کو ارزم سے عینی کو ہریرہ سے اور لائبہ کو شاہ ویز کے نکاح میں دے دیا گیا۔ مختلف کلرز کے شیڈز میں شرارا سوٹ پہنے وہ بہت خوبصورت سی چار دلہنیں اسٹیج پر براجمان تھیں۔ گولڈن آف وائٹ میرون اور چالیٹ کلرز کی شیروانی سوٹ میں ملبوس دلہے بھی کسی سے کم نہیں تھے۔ ہر چہرے پر خوشی کا سماں تھا' نائٹ فنکشن تھا' اچانک سے زین اور ایک لڑکی سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے زین سے ان کی اتنی دوستی ضرور ہو گئی تھی کہ انہوں نے اسے شادی پر بلایا تھا۔

''یہ کون ہے؟'' دلہنوں کی نظروں میں سوال تھا۔

''یہ وہی سارا ہے جس کے لئے تم لوگوں سے ذلیل ہوا''۔ وہ خوشگوار انداز میں بولا سال میں کئی موسم ہیں مگر ہر انداز میں اپنے اندر ایک موسم چھپائے رکھنے والی محبت۔ چاہت کے ہزاروں موسم ہیں اور ان موسموں کے ہر رنگ ڈھنگ نرالے اور پیارے ہیں۔ سب دعا گو تھے کہ چاہتوں کے ہزار موسموں کو کبھی زوال نہ ہو۔

☆.....☆.....☆

نظیر فاطمہ

افسانہ

شکست

مقبوضہ کشمیر کے ایک جنوبی قصبے کھر بوشار میں صبح اپنی تمام تر خوب صورتیوں کے ساتھ اتر رہی تھی۔ پرندے اللہ کی حمد وثناء میں مصروف تھے۔ قصبے کے ہر گھر میں صبح کے معمولات کا آغاز ہو چکا تھا۔ پروفیسر تقی احمد کے گھر بھی صبح اپنی تمام تر برکتوں اور نئے پن کے ساتھ وارد ہو رہی تھی۔ تقی احمد کی والدہ برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھ کر تلاوت قرآن میں مصروف تھیں۔ والد سیر کو جا چکے تھے کہ آج کل حالات اتنے کشیدہ نہ تھے سو کشمیری لوگ صبح کی سیر کی ''عیاشی'' کر رہے تھے۔ تقی احمد کھر بو کے ایک کالج میں کیمسٹری پڑھاتے تھے۔ ان کی پہلی کلاس نو بجے ہوتی تھی۔ وہ اپنے خاندان کے ساتھ ناشتہ کرتے، پھر اپنے بیٹے کو اس کے اسکول چھوڑ کر آتے۔ خود تیاری کرتے اور کالج کی راہ لیتے۔ ان کے والد قصبے کے بازار میں پرچون کی ایک دکان کے مالک تھے۔ گھر میں خوش حالی تھی۔ کشمیریوں کے گھر میں کتنی بھی خوش حالی ہو۔ بھارت کی غلامی کا احساس ان کے سارے سکون، اطمینان اور خوش حالی کو نگل لیتا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے ہر مسلمان کی طرح ان کی بھی یہی خواہش تھی کہ وہ بھارت سے آزادی حاصل کر لیں۔ زیادہ تر کشمیری گھرانوں کی طرح یہ گھرانہ بھی آزادی کشمیر کے لیے کی جانے والی جدوجہد میں اپنا حصہ ادا کر رہا تھا۔ ان کے والد آزادی کشمیر کے لیے کام کرنے والی تنظیموں کی مالی امداد کرتے تھے۔ ان کی والدہ اور بیوی بھی تحریک آزادی کے حوالے سے خواتین کے جلسے جلسوں میں شرکت کرتی تھیں۔ ان کی بیوی تحریک آزادی کشمیر کھر بو کی مرکزی کمیٹی کی سرگرم رکن تھیں۔

☆.....☆

پروفیسر تقی احمد تھے تو کیمسٹری کے استاد مگر وہ اپنے ہر لیکچر کے شروع کے پندرہ منٹ مقبوضہ کشمیر کی تاریخ، بھارت کے مکروہ عزائم اور کشمیریوں کے لیے آزادی کی اہمیت بیان کرنے کے لیے مختص کرتے تھے۔

''سچائی کو کبھی بھی آسانی سے قبول نہیں کیا جاتا۔ پہلے اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے مگر سچائی پھر بھی سچائی رہتی ہے۔ پھر اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ مخالف بھی سچائی کا کچھ نہیں بگاڑ پاتی، جب یہ سچائی اپنے وجود کا ثبوت بن کر بالکل سامنے آ کھڑی ہوتی ہے اور اس سے انکار ممکن ہی نہیں رہتا تو پھر کہیں جا کر اسے تسلیم کیا جاتا ہے، بھارت بے شک یہ کہتا رہے کہ کشمیر اس کا اٹوٹ انگ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے اور یہ حقیقت خود کو منوا کر بھارت بلکہ پوری دنیا کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔ آزادی ہم کشمیریوں کا حق ہے اور ہم اس حق کے لیے لڑتے رہیں گے۔'' آج کی پندرہ منٹ کی تقریر پھر انہوں نے ان الفاظ پر ختم کی تھی۔ اس کے علاوہ وہ ایک مقامی اخبار میں ''اٹھو آگے بڑھو کشمیریوں'' کے نام سے کالم لکھتے تھے۔ جن میں وہ نوجوان نسل کو بھارت سے آزادی حاصل کرنے کے لیے تحریک دیتے تھے۔ ان کے کالم نوجوان نسل میں بڑے مقبول تھے۔ ان کے طالب علم ان کے دیوانے تھے

کہ پروفیسر صاحب نہ صرف ان کی کیمسٹری جیسا مضمون احسن طریقے سے پڑھا رہے تھے بلکہ ان کے اندر آزادی حاصل کرنے کی لگن بیدار کر رہے تھے۔ اکثر ان کے کسی کالم پر پولیس ان کو اٹھا کر لے جاتی مگر کچھ دنوں میں انہیں چھوڑ دیا جاتا کیوں کہ اس مقامی اخبار کے مالک صدرالدین وانی کا تعلق انٹرنیشنل میڈیا کے ساتھ بھی تھا۔ صدرالدین وانی انٹرنیشنل میڈیا کو کشمیر میں بھارتی مظالم اور کاروائیوں کے بارے میں رپورٹس فراہم کرتے تھے۔ لہٰذا بھارتی فورسز ان پر ہاتھ ڈالنے کے حوالے سے بڑی محتاط رہتی تھیں۔

☆.....☆

مقبوضہ کشمیر میں انتخابات ہونے جا رہے تھے۔ کشمیر میں ہونے والا ہر الیکشن کشمیریوں کے لیے میٹھا زہر ثابت ہوا تھا۔ ہر الیکشن کی تاریخ قتل و غارت گری، ظلم و جبر اور دھوکہ دہی کا مظہر رہی۔ ہر الیکشن سے پہلے آزادی پسندوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا۔ ان انتخابات میں مقبوضہ کشمیر فورسز کے سربراہ نے یہ اعلان کیا کہ اس دفعہ الیکشن میں کسی آزادی پسند کو گرفتار نہیں کیا جائے گا مگر بھارت اور اپنے دعوؤں پر عمل کرے، ناممکن سی بات تھی۔ یوں ہی انتخابی ڈرامہ شروع ہوا، بھارتی فوج آر پی ایف، پولیس اور دیگر فورسز کی طرف سے پورے کشمیر میں چھاپوں، گرفتاریوں اور ظلم و ستم کی ایک مہم شروع ہوگئی۔ خاص طور پر کشمیری نوجوانوں کو گرفتار کیا جانے لگا۔ آزادی پسند کشمیریوں کے گھروں پر مسلسل چھاپے مارے جانے لگے۔ معصوم بچوں اور خواتین کو ہراساں کیا جانے لگا۔ جس گھر سے جسے چاہتے زبردستی اٹھا کر لے جاتے اور پولیس تھانوں میں یہ کہہ کر بند کر دیا جاتا کہ ان کے گھروں سے الیکشن بائیکاٹ پر مبنی مواد لٹریچر اور اشتہارات برآمد ہوئے ہیں۔

☆.....☆

حریت کانفرنس کی اپیل پر پورے کشمیر کی طرح کھر بو میں بھی الیکشن بائیکاٹ مہم زوروں پر تھی۔ انہی دنوں پروفیسر تقی احمد کا الیکشن کی حقیقت بیان کرتا ایک کالم شائع ہوا۔ پولیس نے ان کے گھر میں تلاشی کے بہانے چھاپہ مارا۔ پروفیسر صاحب سری نگر گئے ہوئے تھے۔ ان کی بیوی اور ماں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور بچوں کو ڈرایا دھمکایا گیا۔ گھر سے الیکشن بائیکاٹ کے بارے میں کسی قسم کا کوئی ثبوت نہ ملا تو ناکام واپس گئے۔ کھر بو کے عوام کی تحریک آزادی کے مظاہروں میں شمولیت بڑھنے لگی۔ شام کو حریت کانفرنس کا جلسہ ہونا تھا۔ پروفیسر تقی احمد پوری تیاری کے ساتھ شمولیت کر رہے تھے۔ جلسے میں انہوں نے تحریک آزادی کے بارے میں ایک پر اثر تقریر کی۔ تقریر کے اختتام پر انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

زندہ ہے پر مانگ رہے جینے کی آزادی
دیو کے چنگل میں شہزادی یہ کشمیر کی وادی
حد نظر تک سرد و صنوبر ہیں بھی اور نہیں بھی
ظالم کے دربار میں جیسے مہر بہ لب فریادی
چھینتے ہیں ہونٹوں سے دعائیں اور سر سے ردائیں
دشمن نے جن بھیڑیوں کو جنگی وردی پہنا دی
سوئے ہوئے ضمیر نے اب تک دروازہ نہیں کھولا
ہم نے تو ظلم کے پہلے دن ہی زنجیر عدل ہلا دی

پولیس نے جلسے پر دھاوا بول دیا۔ حریت کانفرنس کے رہنماؤں کو بحفاظت وہاں سے نکالنے کے لیے ہجوم نے پولیس پر پتھراؤ شروع کر دیا جس کے نتیجے میں پولیس کو اپنا گھیرا توڑنا پڑا اور حریت کانفرنس کے رہنماؤں کو وہاں سے بحفاظت نکال لیا گیا۔ بھارتی پولیس اس ناکامی پر زخمی سانپ کی طرح بل کھانے لگی۔ رات کو بھارتی فوج اور پولیس نے کھر بو پر شب خون مارا۔ نوجوانوں کو چن چن کر قید کر دیا۔ ان پر ناقابل بیان جسمانی تشدد کیا۔ پروفیسر احمد تقی کو بھی کلمہ حق ادا کرنے کی پاداش میں اٹھا کر ایک عقوبت خانے میں پہنچا دیا گیا جہاں ان پر اتنا تشدد کیا گیا کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

☆.....☆

شہید پروفیسر تقی احمد کا جسد خاکی جب کھر بو پہنچا تو ہر آنکھ اشک بار تھی۔

''میرا بیٹا شہید کر کے بھارتی فورسز کیا سمجھ رہی ہیں..... تحریک آزادی کو کچل دیں گے..... ایسا ہرگز نہیں ہوگا..... یہ دیکھو..... یہ میرا پوتا..... بس چند ہی سال بعد یہ ان بھارتی فورسز کے روبرو ہوگا۔'' پروفیسر تقی احمد کی ماں نے بیٹے کا بے جان چہرہ چوم کر چیخ چیخ کر اعلان کیا۔

طلبہ نے اپنے استاد کی لاش کو دیکھ کر عہد کیا کہ وہ ان کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ کھر بو کے گلی گلی کوچے کوچے میں مظاہرے زور پکڑنے لگے۔ ان مظاہروں کو کچلنے کے لیے بھارتی فورسز نے ان ممنوع ہتھیاروں کا استعمال بھی کیا جن پر عالمی قوانین کے تحت پابندی عائد ہے۔ ان ہتھیاروں نے نوجوان طلبہ کو جان سے مارنے کے علاوہ اس طرح متاثر کیا کہ وہ اپنی قوت سماعت اور بینائی سے محروم ہوگئے۔ اس کے باوجود جب حالات سنبھالے نہ سنبھلے تو بھارت نے پرانی حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے مزید فوج اور پولیس وہاں بھیج دی اور ان کو حکم دیا کہ اس وقت تک وہیں رہیں جب تک کہ احتجاج کی یہ لہر دم نہیں توڑ جاتی۔ ان بھارتی فورسز کو ہر روز ایک نئے چیلنج کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ آج رات نوجوانوں نے پھر تھانے پر حملہ کیا تھا اور تھانے کی عمارت کو کافی نقصان پہنچا کر تاریکی میں گم ہو گئے تھے۔

''ہر روز کا یہ ہی تماشا ہے کل پھر یہ ہی ہوگا۔ یہ حکومت نہ جانے کیا چاہتی ہے..... کتنوں کو مروائے گی یہاں تو ہر ماں ہی تقی احمد پیدا کر رہی ہے۔ ہم کب تک ان کا مقابلہ کریں گے۔'' بھارتی پولیس منہ ہی منہ بھارتی سرکار کو کوستے ہوئے ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہو جاتی۔

☆.....☆

پروفیسر تقی احمد پر ہونے والے مظالم کے خلاف مظاہرہ کرنے والے مظاہروں کو بین الاقوامی میڈیا نے اجاگر کیا تو اسلامی ممالک کی تنظیم، اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن اور کئی دوسرے اداروں نے کشمیری عوام کی حمایت میں بھارت سے ان پر تشدد کاروائیوں کو روکنے کا مطالبہ کیا مگر بھارت نے ان مطالبوں کو روز مرہ کی سفارتی کاروائی سے زیادہ اہمیت نہ دی اور اپنے مظالم کو بند کرنے کی بجائے نہ صرف ان میں اضافہ کر دیا بلکہ میڈیا پر بھی پابندی لگا دی۔ پروفیسر تقی احمد کی شہادت کو ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا لیکن اس علاقے میں کشیدگی ابھی بھی برقرار تھی۔ سلگتی ہوئی چناروں کی وادی کا یہ حصہ انگارہ بنا ہوا تھا۔ مقبوضہ کشمیر کا ہر پہاڑ ان ماؤں کے ساتھ جو اپنے جوان بیٹوں کی شہادت پر بین کرتی تھیں، آنسو بہا رہا تھا۔ کشمیری سات دہائیوں سے اپنا خون بہا رہے تھے مگر ظلم و ستم کی یہ آگ بجھ ہی نہیں رہی تھی۔ کشمیری کئی سالوں سے کرب والم کے ان کٹھن راستوں کے مسافر تھے جن کے بارے میں سوچ کر بھی روح کانپ جاتی ہے۔

پروفیسر تقی احمد تو شہید ہو گئے مگر ان کی سوچ اور مشن پورے کشمیر کے حریت پسند نوجوانوں کی صورت میں زندہ ہے۔ کشمیری، بھارتی فورسز کے مظالم کے باوجود سینہ سپر ہیں۔ وہ آزادی کی جدوجہد سے کنارہ کش ہونے کو تیار نہیں۔ بھارت ان کے اس جذبے کو کچلنے کے لیے بدترین تشدد کا سہارا لے رہا ہے۔ مگر وہ ہر حربہ استعمال کرنے کے باوجود کشمیریوں کے دلوں سے آزادی کی لگن اور شوق کو ختم کرنے میں ناکام رہا ہے اور یہ ہی اس کی سب سے بڑی شکست ہے کیونکہ کشمیریوں کو یقین ہے کہ ان کی یہ لگن اور شوق ان کو آزادی کا سنہرا سورج دکھائے گا۔

جوان ہے عزم تو پھر ظلم کی بربادی باقی ہے
اندھیری رات ہے اب تک، ابھی آزادی باقی ہے

.....☆.....

سیدہ عروج فاطمہ

افسانہ

محبت جنوری سے دسمبر تک

ہر رائٹر کے لکھنے کا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔ محبت کے عنوان پر ان گنت نظمیں لکھنے والی لڑکی جب اداس ہوتی ہے تب بھی چاہت کے دیپ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ چمکتے ہیں۔ محبت کا جذبہ صرف لڑکے اور لڑکی کے بیچ ہی پروان نہیں چڑھتا ہے بلکہ اس کی وسعت تو وہاں تک ہے جہاں انسانی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ ماں باپ اپنی خوشیوں کو ترک کر کے صرف اپنی اولاد کی بھلائی کے بارے میں سوچتے ہیں یہ بھی محبت ہے۔ بہن بھائی ایک دوسرے کے لیے غمگین ہوجاتے ہیں یہ بھی تو محبت ہے۔

غرض یہ کہ محبت ہر رشتے کی بقاء کے لیے لازم ہے۔ میری ہر تحریر میں محبت کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ یوں تو میری ارسلان سے ارینج میرج ہوئی تھی لیکن ان کی اپنائیت اور اچھے برتاؤ سے سب یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتے کہ شاید ہماری لو میرج ہوئی۔

احسن ہاؤس میں اکثر سناٹا چھایا رہتا تھا۔ ارسلان کے والدین کچھ عرصہ قبل وفات پا چکے تھے۔ ارسلان کی دو بہنیں تھیں اور وہ دونوں شادی شدہ تھیں۔ مجھے بچپن سے ہی خاموشی پسند تھی۔ ارسلان نے مجھے کبھی لکھنے سے نہیں روکا تھا۔ وہ ہر تہوار کا خوشی سے خیر مقدم کرتے تھے۔ ان کے آفس چلے جانے کے بعد میں افسانے اور شاعری لکھا کرتی تھی۔

☆.....☆

''کس سوچ میں گم بیٹھی ہیں بیگم صاحبہ؟'' ارسلان نے اپنا بریف کیس بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''میں یہ سوچ رہی تھی کہ فروری کا آغاز ہوگیا ہے۔ آپ ہر ایونٹ کا گرم جوشی سے استقبال کرتے ہیں۔ نجانے ویلنٹائن ڈے کو کیسے سیلیبریٹ کرتے ہوں گے؟ آپ کی مسکراہٹ دیکھ کر لگ رہا ہے جیسے آپ سارے انتظامات کر چکے ہیں۔''

ارسلان کے چہرے پر دلفریب سی مسکراہٹ تھی اور ہمیشہ کی طرح بے پناہ سکون بھی محسوس کیا جاسکتا تھا۔

''جی بیگم صاحبہ! شادی کے بعد پہلی بار اتنا گرینڈ ایونٹ آرہا ہے۔ ہوٹل میں بکنگ بھی ہوگئی ہے۔ میں نے اپنے تمام دوست احباب کو مدعو کیا ہے۔'' ارسلان نے تو ایڈوانس میں واقعی خوب تیاری کرلی تھی۔

''ارسلان آپ نے اپنے والدین کی وفات کے بعد ایک مسجد تعمیر کروائی تھی۔ اپنے والد کے نام سے اس مسجد کا نام ''احسن مسجد'' رکھا تھا۔ آپ کو وہاں گئے ہوئے کتنا عرصہ بیت گیا ہے؟'' میرے سوال سے ارسلان چونک گئے تھے۔

''ماہ نور! تقریباً ایک سال گزر گیا ہے مجھے وہاں گئے ہوئے۔ کیوں کیا ہوا؟'' ارسلان کے چہرے پر حیرت کے تاثرات عیاں تھے۔

''جتنا خرچہ آپ ویلنٹائن ڈے کے دن کریں گے وہ رقم آپ مسجد کے لیے وقف کر سکتے ہیں۔ بچے اچھا کھانا کھالیں گے۔ اتنے پیسوں میں تو بچوں کے نئے کپڑے بھی با آسانی خریدے جاسکتے ہیں۔ جو خوشی کی چمک ان غریب بچوں کی آنکھوں میں آئے گی اس کا مقابلہ فائیو اسٹار ہوٹل کی چہل پہل نہیں کرسکتی۔'' میرے دل میں جو بات آئی تھی وہ میں نے ارسلان سے کہہ دی تھی۔

''ماہ نور! تم نے تو مجھے لاجواب کر دیا ہے۔ زندگی میں پہلی بار مجھے احساس ہوا ہے کہ میں واقعی میں غلط کام کرنے والا تھا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں مسجد کی فلاح و بہبود کے لیے ہر ماہ رقم پہنچایا کروں گا۔'' ارسلان نے اپنے ہاتھوں میں میرا ہاتھ تھام کر جو وعدہ کیا تھا اس پر مجھے ان پر رشک آرہا تھا۔ میں نے ایک لفافہ ارسلان کی جانب بڑھایا۔

''اس میں کیا ہے؟'' ارسلان کو ایک بار پھر حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔

''خود ہی کھول کر دیکھ لیجیے۔'' میں نے دھیمے سے لہجے میں جواب دیا۔

تمہیں دیکھوں تو مجھے
یہ احساس ہوتا ہے
ہر شے اس دنیا کی
خوب صورت ہے
تمہیں سوچوں تو پھر ہر سو
تم کو دیکھتی ہوں میں
میری زندگی ہو تم
سنو ہمدم محبت کا
مقرر کوئی دن نہیں ہوتا
یہ تو پھول ہے ایسا
جو ہر موسم میں مہکتا
میں کرتی ہوں بند جب آنکھیں
تمہارا عکس بنتا ہے
مجھے تم سے ہے یہ کہنا
مجھے تم سے محبت ہے

''ارے واہ شاعرہ صاحبہ اتنی پیاری نظم لکھی آپ نے میرے لیے۔'' ارسلان کے چہرے پر خوشی کے سائے لہرا رہے تھے۔

''اگر آپ ویلنٹائن ڈے نہیں منائیں گے تو میں جنوری سے دسمبر تک ہر ماہ آپ کے لیے نظم لکھا کروں گی اور ہر مہینے کی کسی بھی تاریخ کو آپ کو ایسے ہی اچانک سرپرائز ملا کرے گا کیوں کہ محبت اگر سچی ہو تو سارا سال زندہ رہتی ہے۔ اس کے اظہار کے لیے انسان کو کسی خاص دن کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔''

ارسلان نے میرے فیصلے کو بخوشی قبول کرلیا تھا۔

''ماہ نور! سچ پوچھو تو آج میں بے حد خوش ہوں۔ انگریزوں کی تقلید میں ہم اتنا آگے نکل چکے ہیں کہ اب ہمیں وہ سب معیوب نہیں لگتا ہے جو بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' ارسلان میری بات سے سو فیصد متفق تھے۔

اگلے دن مسجد کے بچوں کے لیے ارسلان اور میں نے مل کر خریداری کی۔ ارسلان نے مسجد میں دعوت کا اہتمام کیا اور بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

اب محبت جنوری سے دسمبر تک میرے الفاظ کی بدولت مسکرانے والی تھی۔

.....☆.....

سمیرا ستار راجھانی

افسانہ

نوک شمشیر

''عجیب پاگل لڑکی ہو تم''۔ مرتضیٰ نے کچھ الجھن سے صدف گل کو دیکھا تھا جس کے چہرے پر وہی عام اور سادہ تاثرات تھے۔ اس نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی مگر صدف گل نے ایک نظر دیکھ کر بس ''اچھا'' کہا تھا۔ وہ بھی نہ سوالیہ تھا، نہ طنزیہ، یعنی کوئی گھر کا کام کہہ دیا ہو اور صدف گل نے اچھا کہہ کر کام مکا دیا ہو، مرتضیٰ تبھی الجھن میں اسے پاگل کہہ گیا تھا۔

''کیا پاگل پن کیا ہے مرتضیٰ؟'' اب صدف گل نے پوری توجہ مرتضیٰ کی طرف مبذول کر دی تھی، یعنی پاگل کہنا ہی بہت خاص بات تھی۔

''پاگل نہ ہو تو''۔ مرتضیٰ نے پھر دل میں کہا۔

''صدف گل صاحبہ! میں آپ سے اظہار محبت کر رہا ہوں''۔ مرتضیٰ نے اظہار محبت پر زور دیا۔

''ہاں تو پاگل کسے کہا؟'' صدف گل ابھی تک ایک ہی بات کو پکڑے ہوئے تھی۔

''تمہیں کہا''۔ وہ بھی ڈھیٹ بن گیا۔

''اگر میں پاگل ہوں تو محبت کی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں، جاؤ کسی ایم اے پاس سے محبت کر لو''۔ اس نے نتھنے پھلائے اور اپنے سامنے بکھرے ہوئے دھلے ہوئے کپڑے سمیٹے۔

''مگر کیا کروں جو دل تم جیسی پاگل کوڑھ مغز پر آ گیا ہے''۔ مرتضیٰ کو اب اسے چڑانے میں مزہ آ رہا تھا۔

''تو دل کو سمجھا لو صدف گل ایک کوڑھ مغز پاگل بدتمیز میٹرک پاس لڑکی ہے، جو کسی کام کی نہیں''۔ صدف گل بالکل قندھاری انار لگ رہی تھی، غصے نے اسے مزید خوبصورت بنا دیا تھا۔ مرتضیٰ نے کمال جرات سے اس کے ہاتھ سے کپڑے چھین کر پھینکے اور اسے خود سے ایک جھٹکے سے قریب کیا۔

''کام میں لے لوں گا جو مجھے لینا ہوگا، مجھے پتہ ہے کہ تم کس کام کی ہو''۔ مرتضیٰ نے شوخ لہجے میں اس کے بے بس انداز کو دیکھا، صدف گل کی تو جیسے جان پر بن آئی۔

''مرتضیٰ! چھوڑو مجھے کک... کوئی آ جائے گا''۔ وہ منمنائی۔

''پہلے میری بات کا جواب دو''۔ مرتضیٰ بضد ہوا۔

''کک... کیا جواب دوں؟''

''کہ تم بھی مجھ سے محبت کرتی ہو''۔ سوال و جواب کا سلسلہ طویل ہوتا جا رہا تھا اور صدف گل کی اب جان نکلنے ہی والی تھی۔

''وہ... ہاں''۔ منمنائی سی آواز میں عندیہ دیا، مرتضیٰ خوشی سے کھلا تھا۔ مگر دل نہیں چاہ رہا تھا شرارت کو موقوف کرنے، وہ جنگلی بلی اب جبکہ بھیگی بلی بن کر اس کے بازوؤں میں تھی۔

''پلیز مرتضیٰ!'' اب وہ روہانسی ہو گئی تھی اور وہ اس کی آنکھوں میں آنسو بہر حال نہیں دیکھ سکتا تھا۔

مرتضیٰ نے گرفت ڈھیلی کر دی، وہ سرعت سے دروازے کی طرف بھاگی۔

''میں آج ہی لالی سے بات کرتا ہوں، صدف گل پھر تمہیں دیکھتا ہوں کہ کہاں تک مجھ سے بھاگتی ہو اور کیسے''۔ پیچھے سے مرتضیٰ کی کھلکھلاتی مسکراتی آواز میں پیار بھری دھمکی صدف گل کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی اور صدف گل نے دل میں مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

''تم سے بھاگنا چاہتا بھی کون ہے اکڑو خان''۔

☆.....☆.....☆

لالی بہت پریشان تھی پورا مہینہ ہونے کو آیا تھا مگر مرتضیٰ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ حسن، لالے، داجان تقریباً گھر کے سب مرد مرتضیٰ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے تھے مگر مرتضیٰ کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ اس کا موبائل بھی آف تھا اور وہ ایسا لاپرواہ تو کبھی نہیں رہا تھا جو کسی کو پریشان کرے۔ اس کا ظاہری انداز بھلے صدف گل کو اکڑو خان جیسا لگتا تھا مگر وہ جانتی تھی وہ بہت ہمدرد انسان تھا۔ اپنے رشتوں کی قدر کرنے والا، انہیں مان دینے والا، تبھی تو صدف گل اس کی اخروٹ جیسی نرمی جان گئی تھی اور خود سے سات سال بڑے مرتضیٰ سے تو تڑاخ سے پیش آتی تھی۔ اسے ستاتی تھی، غصہ دلا کر حظ اٹھاتی تھی مگر وہ کہاں چلا گیا تھا، جو اس سے محبت کا اتنا دعویدار تھا، وہ تو لالی سے بات کرنے والا تھا کہ ''داجان سے کہیں صدف گل کو میری دلہن بنا دیں'' مگر وہ اتنے دن سے صدف گل کو اداس کر کے چلا گیا تھا۔ وہ امی کی گود میں سر رکھ کر رو پڑتی، وہ بہت چھوٹی تھی جب ابا جان کی وفات کے بعد امی کے ساتھ ان کے بھائی سید تصدق حسین عرف داجان کے پاس ان کے گھر میں آ گئی تھی جہاں بہت بڑی حویلی کی طرح ہی ان سب کے دل بھی بڑے تھے۔

داجان کے تین بیٹے تھے سب سے بڑے لالے فرمان شاہ پھر مرتضیٰ شاہ اور سب سے چھوٹا حسن۔ وہ بھی صدف گل سے چار سال بڑا تھا۔ سب نے اسے بالکل اپنی بہنوں والا مان دیا تھا سوائے مرتضیٰ کے جو شروع سے ہی یہ کہتا تھا کہ ''یہ بہت روتی ہے گندی بچی کی طرح یہ میری بہن نہیں'' مگر آہستہ آہستہ راز کھل گیا تھا سب پر کہ مرتضیٰ کیوں صدف گل کو بہن نہیں کہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہر طرف خاموشی چھا گئی تھی، انار کے درخت پر چڑیوں کی چہچہاٹیں بھی جیسے گم ہو گئی تھیں، لالی امی خلا میں گھورتی رہتیں اور تسبیح کے دانے گراتی رہتیں، حسن لالے داجان تھک چکے تھے مرتضیٰ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر، اگر اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا تو بھی کہیں نہ کہیں گاڑی ملتی یا پھر کسی ہسپتال میں اس کی ڈیڈ باڈی۔

☆.....☆.....☆

بہت شدید کرب تھا، اللہ پاک بس خیر کی خبر سب کے کانوں تک پہنچائے، اسی وقت عصر کی اذان کی آواز سنسان زمین و آسمان کو پاکیزہ گونج بخش گئی تھی۔ باہر حویلی کا دروازہ بہت گرجدار آواز میں بجا تھا۔ پھر کچھ ہی دیر میں کرموخط ہاتھ میں پکڑے تیز تیز قدم اٹھاتا داجان کی طرف بڑھا تھا۔

''مالک! یہ باہر کوئی بندہ دے گیا تھا کہ مرتضیٰ صاحب نے بھیجا ہے''۔ لالے اور حسن عجلت میں دروازے کی طرف بڑھے تھے، باہر تو کوئی نہیں تھا دونوں نے یہاں وہاں بھاگتے ہوئے کسی اجنبی کو ڈھونڈا تھا، دور دور تک یعنی کہ مرتضیٰ اغوا ہو گیا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو ایک ہی سوال و جواب والی نظر سے دیکھا تھا، وہ فوراً حویلی کی طرف بھاگے۔ اندر جو جہاں تھا وہیں پر تھا، بس داجان بیٹھ گئے تھے ان کے ہاتھ میں کاغذ پھڑ پھڑا رہا تھا۔ لالی پھوپھی اماں سے لپٹ کر رو رہی تھیں اور صدف گل انار کے درخت سے ٹیک لگائے یوں کھڑی تھی جیسے

کوئی مورتی ہو۔

لالے نے آگے بڑھ کر داجان سے کاغذ لے لیا تھا۔ حسن کے قدم زمین نے جکڑ لئے تھے اور لالے کی نظریں بے تابی سے خط کی سطریں یوں دیکھ رہی تھیں جیسے وہ مرتضیٰ کی لکھائی نہ ہو وہ خود ہو۔

''السلام علیکم! داجان اور سب میرے پیارے جو اس وقت پریشانی کی آخری حدوں کو چھو رہے ہوں گے۔ یقیناً سب سے پہلے تو میں سب سے معذرت خواہ ہوں کہ میری وجہ سے سب کو اتنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ کو اتنا پریشان مجبوری میں کرنا پڑا کیونکہ اگر بتا دیتا تو بہت عذر نکل آتے اور محبت سب کی میرے پاؤں کی زنجیر اور آپ لوگوں کی مجبوری بن جاتی۔ داجان مجھے یاد ہے ایک بار میں کھیل میں مشغول تھا اور لالی مجھے بار بار بلا رہی تھیں میں ان کے بلاوے پر متوجہ تو ہوتا مگر دھیان پھر کھیل کی طرف مبذول کر دیتا، آپ نے یہ بات نوٹ کر لی اور مجھے پاس بلا کر سمجھایا کہ ''مرتضیٰ بیٹا انسان کتنا بھی مصروف کیوں نہ ہو مگر جب ماں بلائے تو ہر کام چھوڑ کر ماں کے پہلے بلاوے پر چلے جانا چاہئے'' اور یہ بات مجھے کچھ دن پہلے بہت اچھی طرح سمجھ میں آ گئی، جب میں ٹی وی دیکھ رہا تھا اور میری زمین میری ماں کشمیر میں میرے ننھے بہن بھائیوں کو بے گناہ گھسیٹا، روندا، مارا جا رہا تھا اور وہ پھر بھی ایک ہی نعرہ لبوں پر رکھے ہوئے تھے پاکستان زندہ باد۔ اتنی سنگدلی اتنی بے رحمی داجان میرے اندر کے بیٹے بھائی نے کروٹ بدلی تھی، میں بہت دن سے کوشش میں تھا کہ کسی طرح اپنی ماں کی آغوش میں پہنچوں اور اگر کچھ نہ کر سکوں تو بس اپنی ماں کے دکھ ہی بانٹ لوں اور مجھے جب یہاں پر پہنچنے کا موقع ملا تو میں رُکا نہیں، بس چل پڑا یہاں پر بہت کرب اور بہیمانہ ظلم کی انتہا دیکھی، داجان آہیں، سسکیاں، تڑپ، کرب، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ مظالم انسان، انسان پر ڈھا رہا ہے۔ اگر ہم اپنے بچاؤ کے لئے بھی آواز اٹھاتے ہیں تو ہم پر دہشت گرد کا لیبل لگ جاتا ہے مگر یہ سب کون ہیں؟ کہاں گئے سب عدالتوں میں لگے انصاف کے ترازو؟ کہاں گئے نام نہاد انسانیت بچاؤ کے دعویدار؟ کوئی نہیں تھا داجان کوئی نہیں تھا، بس ظلم کا بازار گرم تھا۔ میں اپنی ماں کو اپنے بہن بھائیوں کو یوں تڑپتا سسکتا نہیں چھوڑ کر آ سکتا تھا اور آپ لوگوں کی بھی مجھے بہت فکر تھی۔ مگر بابا میں ضمیر کے آگے سرخرو ہوں، جب میرا خط آپ کو ملے گا میں جام شہادت نوش کر چکا ہوں گا۔ آپ کا بیٹا مرتضیٰ جو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے گا''۔

''پاکستان زندہ باد''۔

''اللہ اکبر اللہ اکبر''۔

یہ گونج ایک دفعہ پھر چاروں طرف پھیل گئی تھی، سب کو جیسے ایک عزم ایک فخر نے گھیر لیا تھا۔ آہستہ آہستہ سب اپنے اللہ کی پکار پر اس طرف قدم اٹھا رہے تھے جہاں بس سکون ہی سکون تھا، امن و سلامتی تھی۔

''نوک شمشیر پہ لکھتے بہ نوک شمشیر
سنگ و صحرا پر وہ کرتے تھے لہو سے تحریر''

''داجان میری شہادت پر اداس مت ہوئیے گا، لالی سے کہئے گا کہ جنت میں بھی میں ان جیسی ماں اور آپ جیسے باپ کے لئے دعا کروں گا۔ لالہ ہمت والے بیٹے ہیں مجھے یقین ہے وہ ہمیشہ کی طرح سب سنبھال لیں گے۔ حسن میرے دوست میرے بھائی سب کا بہت سارا خیال رکھنا، ہماری ماؤں کو ہماری ضرورت ہے۔ پھپھو اور صدف گل کو کہیں مت جانے دیجئے گا (یعنی حسن یا لالہ سے صدف گل کی شادی کرا دیجئے گا) مجھے یقین ہے آپ سب ہمیشہ مجھ پر فخر کریں گے۔ انشاءاللہ''۔

☆.....☆.....☆

ماریہ خان

افسانہ

وہ اک خواب

لان سمیت پورا گھر سرخ گلاب کی پتیوں سے بھرا تھا، عائشہ کے روم میں کینڈلز جل رہی تھیں، پھولوں کی خوشبو نے پوری فضا کو رومینٹک بنا رکھا تھا۔ وائٹ اور سرخ دل والے بیلون کمرے میں بڑی

مہارت سے سجائے گئے تھے جن پر عائشہ کے نام کے ساتھ آئی لو یو لکھا گیا تھا۔ سورج کے چھپتے ہی چاند نے اپنا مکھڑا دکھایا۔ عائشہ اپنے کمرے کی کھڑکی کھولے کھڑی تھی۔ اس نے سرخ کلر میں نیٹ کی میکسی پہن رکھی تھی، ہونٹوں پر سرخ لپ اسٹک اس کے چہرے کی سفید رنگت کو نمایاں کیے ہوئے تھی۔ کسی کے قدموں کی چاپ کانوں میں سنائی دی، اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ چہرہ پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ عائشہ کو اس کے گردن سے نیچے آتے گھنگھریالے بال چہرے کی سفید رنگت پر براؤن آنکھیں یاد آئیں۔

''شہر... یار... تم؟'' عائشہ کے منہ سے ٹوٹے لفظ نکلے۔

وہ کمرے کے ایک کونے میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ عائشہ کے پکارنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ عائشہ آہستہ آہستہ قدم لیتی اس کے نزدیک گئی۔ وہ آگے بڑھا اور عائشہ کو گلے لگایا۔ شہریار نے اپنے ہاتھوں سے اس کی آنکھوں کو چھوا، عائشہ نے اس کے ہاتھوں کا لمس اپنی آنکھوں پر محسوس کیا اور دھیرے سے مسکرائی۔ شہریار اسے بانہوں میں اٹھائے روشنیوں سے بھرے لان میں لے آیا۔ وہ عائشہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بے حد محبت سے اسے اپنے دل کی گہرائیوں میں اتار رہا تھا۔ لان میں موتیا اور رات کی رانی کی خوشبو نے سماں باندھ رکھا تھا۔ پودوں پر رنگ برنگے قمقموں سے آئی لو یو بنا تھا۔ لان کے ایک کونے میں بڑی خوبصورتی سے سجے میز پر رکھے کیک پر ہیپی ویلنٹائن ڈے لکھا تھا۔ عائشہ بانہیں پھیلائے آنکھیں موندے ان خوبصورت لمحات کو اپنے اندر اتارنا چاہتی تھی۔ اس پل شہریار نے اسے اپنی طرف کھینچا اور اپنے بہت قریب کیا۔ عائشہ کو اس کے دل کی دھڑکن دھڑکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

''عائشہ! میں نے تم سے وعدہ کیا تھا میں آؤں گا، 14 فروری محبت کے دن میں آ گیا ہوں، جس کا انتظار تم نے ننگے پاؤں کانٹوں کی زمین پر چل کر کیا، میں اپنے لفظوں میں کیسے اپنے دل کی حقیقت بیان کروں جسے سن کر تمہاری دس سال کی تھکاوٹ دور ہو جائے۔ میرے دیئے ہوئے خوابوں کو تم نے کتنی محبت سے سنبھالا ہوا ہے، ان دس سالوں میں تم سے جڑی ہر چیز ہر بات ہر رشتہ کچھ بھی تو نہیں بھول سکا، عائشہ تم جانتی ہو تمہیں یاد کرنا میری محبت کے فرائض میں شامل ہے''۔ وہ اسے اپنے سینے سے لگائے مسلسل سے بولے جا رہا تھا، عائشہ اس کے سینے سے لگی کسی بچے کی طرح رو رہی تھی، اس نے عائشہ کی آنکھوں سے نکلتے آنسو صاف کیے۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک دم بستر سے اٹھ بیٹھی، اس نے گھبراتے ہوئے کمرے کے چاروں طرف نظریں دوڑائیں، پسینے کے ٹھنڈے قطرے ماتھے پر چمک رہے تھے، اسے اپنی آنکھیں نم ہوتی محسوس ہوئیں، وہ خود سے نظریں چراتے ہوئے جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور واش روم کی جانب بڑھی۔

☆.....☆.....☆

اس دن عائشہ ننگے پاؤں کھڑی بے آواز رو رہی تھی لان کی ٹھنڈی گھاس میں اس کے پاؤں برف کی طرح ٹھنڈے پڑ رہے تھے جس کا اس پر ذرا اثر نہ ہوا۔

''عائشہ میں جب بھی تمہیں یاد آیا تم مجھے صبح کی چاندنی میں تلاش کرنا، ہر رات کا چاند تمہاری بے چینی کا گواہ رہے گا''۔ شہریار کی کہی بات یاد آنے پر اس کی آنکھیں نمگین پانیوں سے بھر گئیں، وہ اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔

''عائشہ بچے تم نے پھر اسے خواب میں دیکھا ہے''۔ بی بی جان کی آواز پر اس نے اپنے آنسو شال میں جذب کیے۔ انہیں اپنے قریب پا کر وہ بے اختیار ان کے گلے لگی۔

''بی بی جان! میں تھک گئی ہوں اس کی راہ دیکھتے دیکھتے، وہ کہتا تھا میں 14 فروری کو آؤں گا، دس سالوں میں کئی 14 فروری گزر گئے، کیا وہ بھول گیا ہے یا اس کی زندگی میں کبھی 14 فروری نہیں آئے گا۔ آپ نے میرا اس سے نکاح کروا کر مجھے زنجیروں میں جکڑ دیا ہے، کیوں کیا مجھ پر یہ ظلم، وہ جھوٹا تھا وہ جھوٹا ہے''۔ وہ بی بی جان کے سینے سے لگی کھڑی سسکیاں لیتی رہی۔ دس سالوں میں پہلی بار وہ چپ توڑے ہوئے تھی، ہمیشہ بی بی جان اس کی بے بسی اور پاگل پن دور تو نہ کر سکیں مگر اسے ایک آس ضرور دے دیتیں۔ بی بی جان اس کے ہر دکھ درد کا ساتھ بچپن سے لے کر آج تک وہ اسے کسی تکلیف میں مبتلا دیکھ نہیں سکتی تھیں مگر وقت کی بے رحمی ایسی جو اسے زندگی بھر کا روگ لگا گیا۔ وہ عائشہ کو روز شہریار کے لئے تڑپتا دیکھ کر اپنے آپ کو کوستی رہتیں۔ عائشہ اور شہریار کے والدین کی موت کا سبب ایک کار ایکسیڈنٹ تھا۔ اس حادثے میں بی بی جان نے اپنی دو بہوئیں اور بیٹے کھوئے، باوجود اس کے کہ انہوں نے تنہا شہریار اور عائشہ کو پالا تھا۔ دس سال پہلے انہوں نے دونوں کے بیچ دلی وابستگی اور قربت جانچتے ہوئے انہیں نکاح جیسے خوبصورت بندھن میں باندھ کر ایک دوسرے کے لئے بہت خاص بنا دیا۔ شہریار نکاح کے فوراً بعد ہائیر اسٹڈی کے لئے امریکہ چلا گیا۔ وہ اسے کئی وعدے اور قسمیں دے کر ہمیشہ کے لئے اس کی آنکھوں کو اپنے لئے منتظر چھوڑ گیا۔ بی بی جان نے اپنی تمام تر ذمہ داریاں بخوبی نبھائیں مگر اس کی تنہائی انہیں اذیت دیتی۔ عائشہ اس احساس کے ساتھ اس کی راہ دیکھتی ''شاید کبھی وہ آئے میرے غم سمیٹ لے''۔ مگر وقت کی ستم ظریفی اسے اُس کی یاد سے بہت دور لے گیا۔

☆.....☆.....☆

''تم جھوٹے ہو شہریار! میں سمجھتی تھی ہم دونوں کی ذہنی ہم آہنگی ہماری قربت جذبات کے لئے کافی ہے، کلاس میں ایک سبجیکٹ لینا، گانوں میں دونوں کی پسندیدگی میچ ہونا، ہر بات پر گھنٹوں بیٹھ کر بحث کرنا، پھر ایک ہی بات پر اتفاق کر لینا دراصل یہ ذہنی ہم آہنگی نہیں تھی، ہمارے درمیان سب تھا مگر نہیں تھا تو احساس شدت نہیں تھا۔ بس ایک دھوکہ تھا، خواب سے حقیقت تک کا سفر تکلیف میں مبتلا کر دینے والا ہوتا ہے تم اس عائشہ کو کیسے بھول گئے جس کے ساتھ تمہاری صبح، شام گزرتے تھے، جس کے ساتھ تم گفتگو لمبی کرنے کے بہانے تلاش کرتے تھے، جس پر تم اپنا آپ نچھاور کر دیتے، پھر اتنی ضرمیں کیسے لگا دیں تم نے، محبت میں فریب دیا یا مجھے راس نہیں آئی۔ شہریار ہمارے بیچ دس سال حائل ہیں، تم نے اپنی محبت کو صحرا میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا، کسی بدروح کی طرح۔ تمہارے حوالے سے میں بے بس ہو گئی ہوں، تم نے میرے جذبات احساسات کا گلا گھونٹ دیا ہے، تم نے میری آنکھوں سے خواب کس بے مروتی سے چھین لئے، آج میں تمہیں تمہارے لئے چھوڑتی ہوں، عائشہ بنت فاروق تمہیں آزاد کرتی ہے''۔

☆.....☆.....☆

14 فروری 2017ء کی رات دو بجے وہ اپنے کمرے میں بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے گود میں لیپ ٹاپ رکھا ہوا تھا لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے وہ اپنی ٹائپ کی ہوئی ای میل کئی بار پڑھ چکی تھی، اس نے اسے پہلی اور آخری ای میل کی تھی۔ دس سالوں میں وہ ایک بار بھی شہریار کو ای میل کرنے کی جسارت نہ کر سکی۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے اس کی آنکھوں سے آنسو امڈ آئے تھے۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور ڈوبے دل کے ساتھ کمرے کی کھڑکی کے پاس گئی۔ ہمیشہ کی طرح یہ رات بھی اسے بے حد تاریک کر گئی۔ وہ آنکھیں

موندے کھڑکی کے پٹ سے سر لگائے کھڑی تھی۔ کئی برسوں کی تھکاوٹ اس کے معصوم چہرے پر عیاں تھی۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن کی صبح وہ بی بی جان کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں لال پڑ رہی تھیں۔

''تم کل رات پھر جاگتی رہیں؟'' بی بی جان نے اس پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا، اس نے بغیر کوئی جواب دیئے ان سے آنکھیں چرائیں۔

''خیر تم تیار رہنا ہمیں ابھی بازار جانا ہے''۔ بی بی جان نے مزید کچھ پوچھے اسے حکم دیا، ان کا بدلا ہوا رویہ اسے محسوس نہ ہوا۔ ان کے چہرے سے پہلی بار اس کے لئے بے پروائی جھلک رہی تھی۔ اس نے چائے کی چسکیاں تیزی سے لیں اور چائے ختم کرتے ہی وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ان کا پورا دن بازار میں گھومتے پھرتے گزر گیا، بی بی جان کے لاکھ کہنے پر اس نے اپنے لئے کوئی شاپنگ نہیں کی۔ اسے بی بی جان کافی خوش دکھائی دے رہی تھیں، ان کی بے چینی اور بات بے بات پر مسکرانا عائشہ کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ بازار میں ویلنٹائن ڈے کی وجہ سے کافی گہما گہمی تھی، ہر طرف سرخ پھولوں سے سجے بازار میں جوڑے شاپنگ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ لڑکے اور لڑکیاں کارڈز اور گفٹ لیتے دکھائی دیئے۔ وہ بوجھل سی طبیعت لئے بی بی جان کے ساتھ بمشکل خود کو گھسیٹ رہی تھی۔ شام ہوتے ہی اندھیرا تیزی سے پھیل رہا تھا۔ شاپنگ سے فارغ ہو کر وہ جلدی سے گاڑی میں آ کر بیٹھی، تھکن سے اس کے چہرے پر بے زاری چھائی تھی۔

☆.....☆.....☆

تھوڑی ہی دیر بعد گاڑی گھر کے پورچ میں کھڑی تھی۔ وہ گاڑی سے نکلی اور اپنے سامنے کا منظر پا کر اسے پلکیں جھپکنا بھول گیا، اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ لان مختلف رنگ کے پھولوں اور فانوس کی روشنیوں سے سجا ہوا تھا۔ وہ گاڑی کے پاس ساکت کھڑی اپنے سامنے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جسے اس نے اپنے سجدوں میں مانگا تھا۔

''یہ کیا میں جاگتی آنکھوں سے بھی خواب دیکھنے لگی ہوں''۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی خود سے سوال کر رہی تھی۔ اس کی نظریں زمین پر تھیں، جب شہریار نے اسے جھنجھوڑا اور اس کیفیت سے باہر نکالنے کی کوشش کی۔ عائشہ اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کر سکتی تھی مگر باوجود اس کے شہریار پر اس کی بے یقین نظریں مرکوز تھیں، اگلے ہی لمحے اس نے شہریار کو ایک قوت سے پیچھے کی طرف دھکیلا۔

''بی بی جان! آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ پاس کھڑی بی بی جان سے پوچھ رہی تھی۔ بی بی جان نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا اور کہا۔

''اگر بتا دیتی تو تمہارا وہ خواب سچ کیسے ہوتا جس کی تعبیر تم روز صبح کی روشنی میں تلاش کرتی تھیں''۔ انہوں نے کہا اور اندر کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

شہریار نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا، عائشہ کی آنکھوں سے آنسو نکلے اور رخسار سے ہوتے ہوئے کندھوں کے گرد لپٹی سرخ اون کی شال میں جذب ہو گئے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو شال میں چھپائے کھڑی تھی۔ اس کے لرزتے وجود کو شہریار نے اپنی بانہوں میں قید کیا، وہ اب بھی بے یقینی سے کھڑی تھی۔

''ہیپی ویلنٹائن ڈے مائی ڈول!'' شہریار نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ہلکی ہلکی کھنکتی بارش میں وہ بھیگتے ہوئے گنگنا رہا تھا، عائشہ نے برستے آسمان کی طرف دیکھا اور شہریار کے ساتھ مل کر کیک کاٹا۔

☆.....☆.....☆

ثناء کنول اللہ دتہ

افسانہ

ہیپی ویلنٹائن ڈے

دسمبر بات اک سن لو
سنو تم مان جاؤ نا
کہ جب تک وہ نہیں آتا
دسمبر تم نہ جاؤ نا

''واہ.....واہ کیا خوب لکھا ہے شاعرہ نے ویسے ہے کون۔'' داد دیتا رمفی اس کے قریب جھکا تو وہ خوشی سے نام بتانے لگی۔

''شازیہ رانا ہے کوئی۔'' نام بتا کر وہ مسکرائی۔

''وہ دسمبر کو کیوں روک رہی تھی۔ کیا دسمبر اس کے باپ کا ہے۔'' مصنوعی معصومیت سے کہتا وہ اسے آگ لگا گیا تھا، تپ کر بولی۔

''نہیں، تمہارے باپ کا ہے۔''

''پھر اس کا تو کوئی حق نہیں بنتا ویسے مجھے پتا نہیں تھا کہ میرے باپ کا نام مشتاق کے بجائے دسمبر ہے کول۔''

''کول کے بچے ابھی بتاتی ہوں تجھے۔'' غصے سے کشن کھینچ کر مارا تھا جسے کیچ کرتا وہ دوبارہ اسے چھیڑتا کہنے لگا۔

''کول کے بچے بھی ہوتے ہیں۔ ویسے یہ ہوتے کتنے ہیں چار پانچ یا پھر.....'' اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا، وہ اٹھی اور جانے کے لیے مڑی وہ ایک دم سامنے آیا پھر آنکھوں میں دنیا جہاں کی شوخی بھرے شرارتی مسکراہٹ سے بولا۔

''روٹھے ہو تم تمہیں کیسے مناؤں دسمبر.....'' اینڈ میں شرارت سے کہتا وہ اس کے پھیٹر سے دو بھاگ گیا جب کہ وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

''ویسے یہ بتاؤ تم رائٹر لوگ ہمیشہ کتابوں میں ہی کیوں گم رہتے ہو۔'' اسے ڈائجسٹ پڑھتے دیکھ کر وہ چھیڑنے سے باز نہیں آیا وہ انجان بنی نظریں ڈائجسٹ پر جمائے بیٹھی رہی تو وہ اس کے قریب بیٹھتے منت بھرے انداز میں بولا۔

''کوئی کہانی سناؤ نا۔'' وہ چونکی پتا نہیں آج رمفی کو کیا ہوا تھا جو اس کی کہانیوں سے چڑنے والا آج سننے کے موڈ میں تھا۔ کچھ دیر اس کی شکل دیکھنے کے بعد بے یقینی سے بولی۔

''تم سنو گے؟''

''تو اور نہیں کیا، کیا یاد کرو گی کسی سخی سے پالا پڑا ہے۔'' وہ سینہ تان کر بولا۔

''کیا مطلب اب تم سخی کہاں سے ہو گئے؟'' حیرت سے پوچھا۔

''اب تمہاری فضول بے کار اور میرا مطلب ہے کہ خوب صورت اچھی اور رومینٹک کہانی جو سن رہا ہوں۔''

اس کا ہاتھ کان تک جاتے دیکھ کر جلدی سے تان بدلی کہ خود وہ حیران رہ گئی پھر سب کچھ بھلا اسے اپنی تازہ لکھی کہانی سنانے لگی۔

''تارکول کی لمبی سی سڑک پر وہ تنہا چلتی جا رہی تھی اور.....''

''اچانک ڈاکو آ گئے کیا۔'' اسے ٹوک کر ٹکڑا لگایا تھا اس نے گھورا تو بے اختیار کان پکڑے وہ پھر سے سنانے لگی

اور اس نے پھر ٹکڑا لگایا۔

''ٹھنڈی ٹھنڈی چلتی ہوا اس کے لمبے گھنے بالوں سے اٹکھیلیاں کرتی اسے بے خود کر رہی تھی۔''

''بے خود..... کیا مطلب؟''

''خود کے آگے بے لگا دو بس۔'' پاس بیٹھی رابعہ نے رمفی کو جواب دیا، وہ دونوں کو گھورتی تیسری بار کہانی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اس کے خیالوں میں وہ لڑکا تھا۔ سنہری بالوں والا جس کی کانچ جیسی آنکھوں نے اسے پاگل بنایا ہوا تھا۔

''کیا وہ لڑکی پاگل تھی۔'' رمفی حیرت سے چیخا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی رابعہ پھر بولی۔ ''ظاہر سی بات ہے جس کی آنکھوں میں آنکھوں کے بجائے شیشے ہوں گے وہ تو.....'' اس سے پہلے کہ وہ مزید اپنے نادر خیالوں کا ذکر کرتی حیا ایک جھٹکے سے اٹھی اور دونوں پر غصہ بھری نظر ڈالتی بولی۔

''میں پاگل ہوں جو تمہیں کہانی سنانے بیٹھ گئی جاہل۔''

''تمہیں بھی شیشے والی آنکھوں نے پاگل کیا ہے کیا؟'' وہ جانے لگی تو رابعہ نے پیچھے سے ہانک لگائی وہ رکی اور مڑ کر بے فکری سے بیٹھے رمفی کو دیکھتی چلی گئی اور باہر چلی گئی۔

☆.....☆

''کہاں تھے تم، میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ میری تحریریں پوسٹ کروانی ہیں مگر پھر بھی تم رات کے اس پہر گھر لوٹے ہو۔'' آنکھوں میں غصہ تھا۔

''صرف تمہارے کام نہیں ہوتے اور بھی کام ہوتے ہیں مجھے۔'' اسے جواب دیتا وہ ٹی وی لاؤنج میں رکھے صوفے پر جا بیٹھا وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''دفع ہو جاؤ رمفی! آج کے بعد شکل نہ دکھانا مجھے۔'' آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتی وہ مڑی اور رک گئی۔ اس کا ہاتھ رمفی کے ہاتھ میں تھا، رکی ضرور مگر مڑ کر اسے نہیں دیکھا تو وہ خود اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''مجھے نہیں دیکھو گی تو رومینٹک کہانیاں کیسے لکھو گی؟'' اس کے سوال پر نظریں چراتے جواب دینا چاہا تھا لیکن آنسو گلے میں ہی اٹک کر اسے چپ کروا گئے تو وہ مزید بولا۔

''تارکول کی لمبی سی سڑک پر تنہا چلنے والی لڑکی تم بے وقوف ہو۔''

''محبت بے وقوف ہی ہوتی ہے رمفی۔ اسی لیے تو انسان کو کسی ہرجائی سے ہو جاتی ہے ظالم محبوب سے ہو کر آپ کو بے بس کر دیتی ہے۔'' جواب دیتی وہ رکی نہیں مڑی اور لاؤنج سے نکلتی چلی گئی اسے ساکت و جامد چھوڑ کر مشتاق اور زرینہ بیگم کی دوا دلا دیں تھیں، رمفی اور رابعہ، جب کہ حیا زرینہ کی بھانجی تھی، بہن اور بہنوئی کی وفات کے بعد وہ ان کے ساتھ رہتی تھی اور دل ہی دل میں لاابالی سے رمفی سے محبت کرتی بڑی ہوئی تھی جس کی سب کو خبر تھی سوائے رمفی کے۔

☆.....☆

''حیا بیٹا! شام کو تیار رہنا کچھ لوگ آ رہے ہیں تمہیں دیکھنے۔ میں اور تمہارے خالو چاہ رہے تھے کہ تم ایک بار لڑکے کو دیکھ لو تو پھر ہم کوئی فیصلہ کریں۔'' پیاز کاٹتے اس کے ہاتھ ایک پل کو رکے تھے۔ آنکھوں میں ایکدم ڈھیر لالی سی اتر آئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی کچن میں داخل ہوتا رمفی بولا۔

''لکھوا لو اماں! لڑکا انکار کر دے گا ارے بھئی تارکول کی لمبی سی سڑک پر چلتی آنکھوں میں محبت لیے حیا سے تو کوئی پاگل ہی شادی کرے گا۔'' شرارت سے آنکھ ماری اسے خالہ گھورتی باہر نکل گئیں تو وہ آنکھوں میں ڈھیروں آنسو لیے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو لفظ رک رک کر نکل رہے تھے۔ درد سے دل بھر گیا تھا اس کے ایک جملے کی وجہ سے اور وہ انجان بنا بے دھیانی میں اس کا دل دکھا گیا تھا۔

''ہوتے ہیں نا کچھ لوگ ایسے جو آپ کو سمجھ کر بھی سمجھ نہیں پاتے۔'' اسے وہ بھی انہی میں سے لگا تھا، ضبط کرتی بولی۔

''اگر مجھے تم سے شادی کرنے کو کہا جاتا تو میں کبھی نہ کرتی، اس لیے نہیں کہ تم ہرجائی یا ظالم ہو، بلکہ اس لیے کہ جو آپ کو سمجھ کر بھی نہ سمجھ سکے اس سے ہزار درجے دوری بہتر ہے۔''

''بیٹا! لاؤنج میں آ جاؤ مہمان آ گئے ہیں۔'' وہ دل کڑا کرتی مسکرائی جب کہ پلکوں میں اٹکی نمی وہ چاہ کر بھی نہ چھپا سکی تھی جسے دیکھ کر خالہ ایکدم نظریں چراتی بولیں۔ تو وہ ان کے ساتھ لاؤنج میں چلی آئی۔ نظریں جھکائے وہ اپنے پیروں کو گھورتی خالہ کے بتائے صوفے پر جا بیٹھی۔

''انگوٹھی پہناؤ نا! اب بیٹھے کیوں ہو۔'' کچھ دیر بعد خالہ کی آواز پر کسی نے اس کا ہاتھ پکڑے انگوٹھی پہنائی تھی اور کمرے میں اگلے ہی پل مبارک کا شور بلند ہوا تھا ایک آنسو بے قابو ہو کر گرا اور پاس بیٹھے رمفی نے اسے اپنے ہاتھ پر تھام لیا بولا تو انداز میں بلا کی شرارت تھی۔

''بے وقوف لڑکی ابھی سے رونے لگی، ابھی تو تارکول کی لمبی سی سڑک پر ہم دونوں نے ساتھ چلنا ہے، ہاتھوں میں ہاتھ لیے۔'' اس نے چونک کر سر اٹھایا پھر اسے سامنے پا کر بے اختیار ادھر اُدھر دیکھا تو کمرہ خالی تھا۔

''ہیپی ویلنٹائن ڈے میری منگیتر! اس سے پہلے کہ تم کوئی سوال کرو میں تمہیں بتاتا ہوں آج میں بولوں گا اور تم سنو گی۔ مجھے شروع سے پتا تھا کہ یہ لڑکی ہم پر فدا ہے بس سوچا تھوڑا تنگ کر لوں اور اس رات جب تم نے مجھے دفع ہو جانے کے بعد ظالم اور ہرجائی کہا تو میں نے سوچ لیا کہ اب ویلنٹائن ڈے پر منگنی کروا کر رہوں گا۔ کچھ تو بولو۔

''میں کیا بولوں۔'' بے اختیار شرم آئی تھی۔

''ہیپی ویلنٹائن ڈے ہی کہہ دو۔''

''ہیپی ویلنٹائن ڈے۔'' وہ بولی تو اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

.....☆.....

قارئین متوجہ ہوں

☆ اکثر قارئین کی شکایات کے مطابق کہ یہاں پر پرچہ دستیاب نہیں ہے۔

☆ ایجنٹ کی سہولت کے لیے پرچہ نہ ملنے کی صورت میں آپ ادارے سے رابطہ کریں۔

☆ اپنے شہر اور علاقے کا نام۔

☆ بک اسٹال کا نام جہاں پر پرچہ دستیاب نہیں ہے، ہو سکے تو بک اسٹال کا کنٹیکٹ نمبر لکھ کر ادارے کو بتائیں۔

☆ ہماری ہر ممکن کوشش ہوگی کہ ردا آپ کو بروقت مل سکے۔

رابطہ کریں

ردا پبلی کیشن

021-34535726

خط و کتابت کا پتہ:

D-129۔ بلاک 2

پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ سوسائٹی، کراچی

ریحانہ آفتاب

سلسلے وار ناول

عشق کی داستان جدا ہو میری

آئنور عبایا پہنے فائل سر پر تانے چلچلاتی دھوپ میں کیچڑ سے بھری سڑک سے بچتی بچاتی گھر کی طرف واک کر رہی تھی۔ اس کا بے حد حسین چہرہ حجاب کی قید سے آزاد تھا۔

''اک تو چلچلاتی دھوپ جھلسا رہی ہے اوپر سے نجانے کس منحوس کا گٹر روز ابلتا رہتا ہے۔ میونسپلٹی کے اراکین اے سی میں گھوڑے گدھے بیچ کے سو رہے ہیں۔ جان تو ہم جیسوں کی مشکل میں آتی ہے نا!'' بڑبڑاتے ہوئے شولڈر پر ٹنگے بیگ کو مضبوطی سے پکڑ کر عبایا کو تھوڑا سا اٹھا کر چھوٹی سی جمپ لگائی ہے۔

''توبہ..... پل صراط کا راستہ بھی اس سے آسان ہوگا۔ کہاں کن گلیوں میں رہتے ہیں ہم۔'' بدستور غصہ تھی۔

اسی اثناء میں تیز رفتار کار کیچڑ سے گزری۔ آئنور کا عبایا پڑ آلود ہو گیا منہ پر بھی چھینٹے لگے۔ وہ ایک لمحے کو ساکت کھڑی رہ گئی۔ قدرے فاصلے پر ایک بائیک کے اردگرد کھڑے چند لڑکوں نے قہقہہ لگایا۔

''واؤ! یہ تو مڈ ماسک لگ گیا، Beauty Queen کو۔'' ایک لڑکا گویا ہوا۔

لڑکے ایک بار پھر فلک شگاف قہقہے لگانے لگے۔ عبایا کی آستین سے منہ پر آئے چھینٹے صاف کرتے آئنور

قسط نمبر 1

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

ایک بار پھر واک کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''غریب ہونا جرم ہے میرا، جس کا لگان ساری زندگی بھرنا ہے۔'' آنکھیں بے دردی سے صاف کرتی وہ خود ترسی کی انتہا پر پہنچ گئی۔

''وہ کار والا بھی تو اسی زمین کا باسی ہے جس نے رک کر نہیں دیکھا کہ کس کی تذلیل ہوئی ہے۔ جانے اللہ ایسے بے ضمیروں کو پیسہ کیوں دیتا ہے۔ گاڑیوں میں پھرنے والوں کو پیدل چلنے والوں کا احساس ہوا ہے کبھی۔'' اس کی زود رنجی عروج کو چھو رہی تھی۔

''اللہ مجھے بھی بوسیدہ گھر، ٹوٹی پھوٹی سڑکوں کی بجائے آسائشات سے بھری زندگی دیتا تو اس کے خزانے میں کمی تو نہ آتی۔'' حسرت سے شکوہ کناں وہ گھر کو جاتی گلی میں مڑ گئی۔

☆.....☆

عرشان ولی بلیک سوئٹنگ میں گلاسز آنکھوں پر چڑھائے کار سے باہر نکلا۔ سیل فون دوسرے ہاتھ میں منتقل کر کے کار کا دروازہ روک کر اس کا رخ ڈیزائنر کے آؤٹ لیٹ کی طرف تھا۔ اس کے صحت مند چہرے کی سرخی اور اونچی ناک اسے مغرور ظاہر کرتی تھی۔ گلاس ڈور دھکیل کر وہ آؤٹ لیٹ میں داخل ہوا۔ فون پر بات کرتا ڈیزائنر عرشان ولی کو دیکھتے ہی الوداعی کلمات ادا کر کے جلدی سے اس تک آیا۔

''ہیلو سر!'' ڈیزائنر نے گرم جوشی سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا سر کے اشارے سے جواب دیتے وہ آؤٹ لیٹ پر طائرانہ نگاہ ڈالنے لگا۔

''کپڑے تیار ہو گئے؟''

''جی سر! میں آپ کو کال کرنے ہی والا تھا، تشریف رکھیں۔'' ڈیزائنر صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بچھا جا رہا تھا۔

''گزر رہا تھا یہاں سے سوچا دیکھتا چلوں۔'' گلاسز ڈارک براؤن بالوں پر آنکھوں سے منتقل کرتے کوٹ کا بٹن کھول کر کوٹ کو جھٹکے سے پیچھے کرتے وہ صوفے پر براجمان ہو گیا۔

''اچھا کیا سر! میں گھر بھجوا دیتا۔ پھر خیال آیا آپ چیک کر کے کپڑے پک کرتے ہیں۔'' ڈیزائنر نے آنکھوں سے انچارج کو اشارہ کیا اس سے پہلے اسٹاف کا لڑکا گولڈ ڈرنک رکھ کر چلا گیا۔

''آپ ٹھنڈا لیں سر۔'' ڈیزائنر اصرار کر رہا تھا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے، آپ جلدی کریں۔'' رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے انداز میں عجلت تھی۔

''جی سر! ایک منٹ۔'' ڈیزائنر مسکراتے ہوئے ایکسکیوز کر کے کاؤنٹر کی طرف بڑھا۔

''اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے۔ عرشان ولی ہے کوئی اور نہیں جسے ویٹ کرواتے رہو۔'' ڈیزائنر انچارج پر غصہ ہوا۔

''سر آ گئے!'' انچارج کی نظریں اسٹاف کے لڑکوں پر تھیں جو سوٹ اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ لڑکوں کا رخ عرشان ولی کی طرف ہو گیا۔ ڈیزائنر بھی تیزی سے عرشان کی طرف لوٹ آیا۔

''یہ لیں سر! آپ کی چوائس کے عین مطابق، کپڑا امپورٹڈ یوز کیا ہے میں نے۔'' ڈیزائنر اسے کپڑے دکھاتے رطب اللسان تھا۔ عرشان نے گرے کرتے کو دیکھا۔

''سر! کلر وہی ہے جس کا آپ نے انتخاب کیا تھا۔ نہ لائٹ نہ ڈارک۔''

''کرتا تو بہت اچھا تیار ہوا ہے۔'' عرشان ولی نے توصیفی نظروں سے کہا۔ ڈیزائنر کی جان میں جان آئی۔

''سوٹ بھی آپ کو بہت پسند آئے گا۔ ایک عرصے سے آپ مجھ پر بھروسہ کرتے آ رہے ہیں۔ آپ کے ہر سوٹ پر میں Personal Attantion دیتا ہوں۔'' آؤٹ لیٹ پر موجود انچارج اور دو لڑکیاں بھی اسی طرف متوجہ تھیں۔

''غالباً اس سوٹ پر آپ نے Personal Attantion نہیں دی۔'' سوٹ کو بغور دیکھتے ہوئے عرشان نے ڈیزائنر کو ترچھی نظروں سے دیکھا۔

''کیوں سر! ایسا کیوں کہا آپ نے؟'' ڈیزائنر حیرانی سے عرشان ولی کو دیکھنے لگا۔ عرشان ولی جیکٹ ڈیزائنر کے حوالے کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کوئی کمی رہ گئی سر پسند نہیں آیا آپ کو؟'' گھبراتے ہوئے ڈیزائنر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ کی محنت نظر آ رہی ہے۔ بلاشبہ آپ نے اچھا کام کیا مگر میں سوراخ والا سوٹ نہیں پہنتا۔'' عرشان نے سیل فون اٹھا کر جیکٹ کا بٹن بند کیا۔

''سوراخ کہاں ہے سر سوراخ؟'' ڈیزائنر نے پاگلوں کی طرح سوٹ الٹ پلٹ کر دیکھا۔

''یہ رہا۔'' عرشان ولی نے سوراخ دکھایا۔ معمولی سوراخ پر ڈیزائنر شرمندہ ہوا۔

''ویری سوری سر! جانے کیسے ہو گیا۔ آپ مجھے چند دن دیں میں دوسرا سوٹ تیار کروا دیتا ہوں۔ اس میں آپ کو کوئی نقص ڈھونڈے نہ ملے گا۔''

''آپ کو جتنا وقت دینا تھا دے دیا۔'' عرشان ولی خاطر میں نہ لاتے ہوئے سیل فون سے کوئی نمبر ملانے لگا۔ ڈیزائنر کھا جانے والی نظروں سے اسٹاف کو دیکھنے لگا۔

''ڈیزائنر رومی! آپ اپنے آؤٹ لیٹ میں ہیں، اوکے میں آ رہا ہوں آپ کے پاس۔''

''سر!'' ڈیزائنر ایک آخری کوشش کرنا چاہتا تھا اسے روکنے کی۔ ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے سے روکتے ہوئے عرشان ولی آؤٹ لیٹ سے نکل گیا۔ ڈیزائنر بے چارگی سے کرتا اور سوٹ دیکھتا رہ گیا۔

اسٹاف کی لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''کم از کم کرتا تو لے جاتے محترم جو پسند آ گیا تھا۔'' ایک لڑکی نے دوسری لڑکی سے کہا۔

''تم نئی ہو اس لیے ناواقف ہو۔ یہ عرشان ولی ہے عیب زدہ چیزوں کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔'' دوسری لڑکی سرگوشی میں بولی۔

''لیکن بندہ تھا رج کے ہینڈسم۔'' پہلی لڑکی نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چپ کرو، ٹھیک ٹھاک دھچکا لگا ہے سر کو۔ ابھی صدمے سے اٹھیں گے تو شامت سب کی آئے گی کسی نے سوراخ دیکھا کیوں نہیں۔ لاکھوں کا نقصان ہو گیا بیٹھے بٹھائے۔'' دوسری نے ڈراتے ہوئے کہا۔

''ہمیں کیا مجھے تو وہ بندہ آج خوابوں میں نظر آئے گا۔'' حسرت سے کہتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔

''چپ کرو۔ سر آ رہے ہیں ہماری طرف۔'' دوسری لڑکی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

☆.....☆

''آج پھر یہ گھاس پھونس پکایا ہے تم نے کھانے کے نام پر۔'' دہاڑتے ہوئے قدوس صاحب نے سامنے پڑے کھانے کے برتن اٹھا کر پھینک دیے۔ ایک زوردار آواز سے اسٹیل کے برتن دیر تک فرش پر بجتے رہے۔

چوکی پر بیٹھی ہاجرہ فرش پر پڑی روٹی اور آلو پالک کو بے بسی سے دیکھ رہی تھیں۔
''روز روز دال سبزی نہ بناؤں تو کیا کروں؟ تمہاری آمدن اور روشنی کی محنت کے بعد جو کچھ ہاتھ آتا ہے اس سے مہینے بھر دال روٹی کیسے چلاتی ہوں میرا دل ہی جانتا ہے۔'' ہاجرہ چڑ کر کہتے ہوئے فرش سے روٹی اور آلو پالک سمیٹنے لگیں۔
''کل سے اس طرح کا کھانا میرے آگے رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا اور بیٹی کی کمائی کا طعنہ بھی خوب مارا تو نے۔'' قدوس صاحب غصے سے گھور رہے تھے۔ اسی اثناء میں آئنور گھر میں داخل ہوئی۔
''السلام علیکم!''
''آ گئی تمہاری کماؤ پوت جس کی کمائی کا طعنہ دے رہی تھیں تم۔'' قدوس تمسخرانہ لہجے میں کہہ رہے تھے۔ آئنور ناسمجھی سے ہاجرہ کو دیکھنے لگی۔
''یہ حلیہ کیا ہو رہا ہے تمہارا؟ گر پڑی ہو کیا؟'' ہاجرہ تعجب سے اس کے کیچڑ سے لتھڑے عبایا کو دیکھ رہی تھیں۔
''کار تیزی سے گزر رہی تھی تو.....''
''باہر نکلنے کا بہت شوق ہے نا تو بھگتو یہ سب۔'' قدوس صاحب کی آواز پر آئنور کی آواز دب گئی۔ قدوس کا رر آئنور کی طرف ہوا۔
''پڑھائی کے بہانے بہت زیادہ آزادی مل گئی ہے تجھے، درخشاں نے تو مڈل تک پڑھا، تجھ میں کون سے سرخاب کے پر نکل آئے کہ کالج جا پہنچیں۔''
آئنور ہاتھ ملتی جب کر کے سننے پر مجبور تھی کہ یہ آئے دن کی کہانی تھی۔
''رو دھو کر تو نے تعلیم جاری رکھنے کی اجازت تو لے لی لیکن یاد رکھنا جس دن دماغ خراب ہوا گھر بٹھا دوں گا۔'' قدوس صاحب قہر برساتے نکل گئے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو نعوذ باللہ گھر میں خدا بنے بیٹھے ہوتے ہیں۔ آئنور نے پریشانی سے فرش پر بکھری سبزی کو دیکھا۔

☆.....☆

روبی اور سونی ایک کونے میں اسکول کی کتابیں پھیلائے بیٹھی تھیں۔ درخشاں سستی سے پلنگ پر لیٹی رسالہ پڑھ رہی تھی۔ ایک دوسرا پلنگ دیوار کی دوسری طرف تھا، کمرے میں دو پلنگ کے علاوہ ایک خستہ حال الماری تھی کمرے سے مفلسی ٹپک رہی تھی۔
''السلام علیکم! آئنور کمرے میں داخل ہوئی۔ بیگ پلنگ پر رکھ کر عبایا اتارنے لگی۔
''آتے ہی بڑی اچھی تواضع ہوگئی تمہاری مزا آ گیا۔'' درخشاں نے تمسخرانہ مسکراہٹ کے ساتھ دل جلانے والے لہجے میں کہا۔ روبی، سونی نفی میں سر ہلاتی تاسف سے درخشاں کو دیکھ رہی تھیں۔
''عبایا کا کیا حال ہو گیا ہے کون تھا وہ بدبخت؟'' سونی نے عبایا کو دیکھتے غصے سے کہا۔ وہ صحن سے آتی آئنور کی آواز پہلے ہی سن چکی تھی۔
''کسی امیر باپ کی اولاد ہی ہوگا۔ منحوس رکتا تو حشر کر دیتی اس کا۔'' آئنور نے عبایا کو سائیڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔
''ویسے تصور کرو کیا منظر ہوگا جب روشنی بی بی خراماں خراماں آ رہی ہوں گی اور کار ان کے منہ اور عبایا پر کیچڑ اڑاتی گزر گئی ہوگی۔''

درخشاں ڈرامائی انداز میں منظر کشی کر رہی تھی۔ درخشاں کی ہنسی پر روشنی نے لب دباتے ہوئے اسے تاسف سے دیکھا۔

''کتنی فضول گوئی کرتی ہیں آپی! آپ کو ذرا احساس نہیں کہ روشنی آپی کو کتنی انسلٹ محسوس ہوئی ہوگی۔''

''میں نے کہا ہے کالج کا راستہ ناپنے کا میں کیوں احساس کروں مجھے کون سا کسی نے آگے پڑھنے دیا۔ مڈل سے ہی اٹھا لیا۔'' درخشاں نے چڑ کے کہا۔

''اپنی نالائقی کا الزام کیوں کسی پر تھوپ رہی ہیں۔ آپ نے ساتویں تک پرموشن پاس سے آگے کب کوئی رینک لیا ہے۔'' سونی نے اسے یاد دلایا اور حسب توقع درخشاں بھڑک اٹھی۔

''منہ بند رکھو اپنا۔ دونوں چمچی ہو اس کی۔'' درخشاں رسالہ پٹخ کر آگ بگولہ ہوگئی۔

''ختم کرو اس بحث کو پانی ہی پلا دو سونی۔'' ہاتھ اٹھا کر بحث سمیٹتے ہوئے آئنور نے سونی کو منظر سے ہٹانے کا بہانہ ڈھونڈا۔ سونی چلی گئی۔ آئنور گہری نظروں سے عبابا پر کیچڑ کو دیکھ رہی تھی۔ اسے ایک بار پھر وہ ذلت بھرا لمحہ یاد آ گیا۔

☆.....☆

ہاجرہ پریشانی کے تاثرات لیے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ درخشاں رسالے میں مگن تھی۔ روبی کتابوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ آئنور سستے سے لان کے سوٹ میں گیلے ہاتھ صاف کرتی ہاجرہ کو دیکھ رہی تھی۔ سونی روٹی اور آلو پالک کی سبزی لیے اندر داخل ہوئی۔

''کھانا کھا لو۔ تمہیں بھوک لگی ہوگی۔'' سونی نے کھانا پلنگ پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ابا کس بات پر غصہ کر رہے تھے؟'' آئنور نوالہ بناتے ہاجرہ کے ستے چہرے کو دیکھا ہے۔

''غصہ کرنے کے لیے تمہارے ابا کو کسی بات کی ضرورت پڑتی ہے۔'' ہاجرہ الٹا اسی سے پوچھنے لگیں۔

''عمر گزر گئی مگر تمہارے ابا کا مزاج نا بدلہ۔ ساری زندگی اولاد دیرینہ نا ہونے کا طعنہ سہا۔ روکھی سوکھی کھا کر گزارا گیا مگر آج بھی ان کا رویہ برا ہی ہے۔ معمولی تنخواہ لا کر دیتے ہیں۔ کھینچ تان کر بمشکل گھر چلاتی ہوں۔ اس پر سے روز روز چکن مٹن کی فرمائش کہاں سے پوری کروں۔'' ہاجرہ افسوس سے دکھڑا رو رہی تھیں۔

''چھوڑیں ان کی تو عادت ہے۔'' آئنور نے انہیں بہلایا۔ ہاجرہ کے چہرے پر متفکر تاثرات تھے۔

☆.....☆

عرشان ولی نائمز کے درمیان لیپ ٹاپ پر بزی تھا۔ پرسوچ انداز میں انگلیوں سے بال سنوارتے چیئر کی پشت سے ٹیک لگائی۔ نظریں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر جمی تھیں۔

''May i come in sir?'' ولید آفس کے دروازے پر کھڑا شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ عرشان ولی نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ پھر بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''بالکل نہیں۔''

''جو حکم آپ کا۔'' ولید مسکراتے ہوئے اس تک آیا۔

''ابا نے آفس سے نکال دیا کیا؟'' عرشان چھیڑا۔

''جانے وہ دن کب آئے گا ڈکٹیٹر والد کے ساتھ کام کرنا آسان تھوڑی ہے۔'' مصنوعی حیرت سے کہتے ولید اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

''انکل نے سن لیا تو کھڑے کھڑے کورٹ مارشل کر دیں گے تمہارا۔ کچھ لو گے؟'' ڈراتے ہوئے عرشان نے انٹرکام اٹھایا۔

''سینڈوچ، پیزا فاسٹ فوڈ میں جو دل چاہے منگوا لو۔ میں آج کل ڈائیٹنگ پر ہوں۔'' ولید نے آرام سے گوش گزار کر کے نفی میں سر ہلاتے عرشان انٹرکام پر ہدایت دی۔

''چائے کے ساتھ بسکٹ بھیج دیں۔ یہ پیزا اور فاسٹ فوڈ کھا کر کون سی ڈائیٹنگ ہوتی ہے۔'' انٹرکام سے فری ہو کر وہ ولید کی طرف متوجہ ہوا۔

''میری تو ایسی ہی ہوتی ہے۔ تمہارے سکس پیکس دیکھ کر میں جل سکتا ہوں۔'' ولید نے آہ بھری۔

''آ جاؤ تم، کرو ورک آؤٹ، سکس یا ایٹھ پیکس آ جائیں گے۔'' عرشان نے دعوت دی۔

''توبہ کرو، میرے ناتواب کندھے بوجھ اٹھانے کے اہل ہیں۔ مجھے کون سا بروک لیز ریار ومن ایٹ لگنا ہے۔'' ولید نفی میں سر ہلاتے گویا تھا۔ عرشان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

پیون چائے اور بسکٹ لے آیا۔ عرشان ولی کی نظریں سامنے رکھے کپ پر تھیں۔ جس کے اوپری اور بیرونی سطح پر چائے کے نشانات تھے۔

''چائے کو کپ کے اندر ہی ڈالتے ہیں۔ کپ کو شاور دینے کی ضرورت کیوں پڑ گئی آپ کو؟'' عرشان ولی نے پیون کو سنجیدگی سے دیکھا۔ بسکٹ کھاتا ولید کھانسنے لگا۔

''سوری سر! میں ابھی دوسری چائے لے آتا ہوں۔'' پیون گھبرا کر تیزی سے کپ اٹھا کر نکل گیا۔

''تمہاری حد درجہ perfaction سے کبھی کبھی خوف آتا ہے۔ کچھ crezy نہیں ہوتے جا رہے تم۔''

''اس میں جنونی پن کہاں سے آ گیا۔ کپ دیکھا تھا تم نے پینے لائق تھا وہ۔'' وہ مصر تھا۔ گردن کو ہلکا سا خم دے کر اسے دیکھ رہا تھا۔

''بہت مشکل انسان ہے بھئی تو۔ بسکٹ کی بائیٹ لیتے ولید نے کہا۔

''جی، جی آپ برائے مہربانی بسکٹ سیدھا پکڑ کر کھائیں۔'' عرشان نے اس کے ہاتھ میں موجود بسکٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ولید چونک کر بسکٹ کا معائنہ کرنے لگا۔

''کھانے پینے یا زندگی کے ہر معاملات میں اگر ہم تھوڑا سا خود پر نظر رکھیں تو برا کیا ہے۔ انسان اور جانور کے کھانے پینے اور زندگی گزارنے میں فرق نظر آنا چاہیے۔'' ولید بسکٹ پلیٹ میں رکھتے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''یہ لے میرے بھائی۔ رکھ دیا بسکٹ بھول گیا تھا۔ فوجی کی روح تیرے اندر ہے۔ چمچے کی آواز نہ ہو بسکٹ سیدھا کھاؤ اف۔'' ولید نے جھرجھری لی۔ عرشان نفی میں سر ہلاتے مسکراتا رہا۔ پیون چائے لے کر آ گیا۔

☆.....☆

''درخشاں! کچن میں مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ برتن دھو لو۔'' ہاجرہ سلائی مشین میں جھکی سوئی میں دھاگا ڈالنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''اماں آپ کو ذرا کچھ احساس ہے صبح میں نے کپڑوں کا ڈھیر دھویا ہے۔'' درخشاں تیزی سے پلنگ تک آ کر دھپ سے بیٹھ گئی۔

''ہاتھ دیکھیں میرے کل ہی میں نے کیوٹکس لگائے تھے جو میں پچھلی عید پر لے کر آئی تھی۔ کیوٹکس بھی خراب ہو گئے۔'' وہ ہاتھ دکھاتی بولی کیوٹکس جگہ جگہ سے اتر گئی تھی۔

''کپڑوں کی بھی تم نے خوب یاد دلائی۔ روبی سونی نے برابر مدد کی تھی۔ ہانڈی میں نے بنائی۔ پچھلے چار گھنٹوں سے تم پلنگ پر رسالہ پڑھ رہی ہو۔'' ہاجرہ اسے غصے سے دیکھتی سلائی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''آپ نے پہلے کبھی میرا احساس کیا ہے جواب کریں گی۔ آپ سب کو آئنور نظر نہیں آئی جو کالج کے بہانے سارا دن باہر گزار کر آئی ہے۔ اسے برتن دھونے کا کہیں۔ جب سے آئی ہے روبی سونی اس کی خاطر مدارت میں لگی ہوئی ہیں۔'' روبی، سونی بھی پلنگ پر آ کر بیٹھ گئیں۔ درخشاں انہیں گھورتی رہی۔

''نا میں پوچھتی ہوں تمہیں آئنور سے بیر کیوں ہے۔ صبح وہ سب کا ناشتا بنا کر کالج جاتی ہے۔ سارا دن کالج میں مغز ماری کر کے گھر آتی ہے۔ تو تمہیں وہ کھٹکتا ہے۔ تھوڑی دیر میں کوچنگ سینٹر پڑھانے جائے گی۔ گھر میں چھوٹا سا پارلر کھول کر دو پیسے جمع کر کے میرے ہاتھ پر رکھتی ہے۔ گھر کی آمدنی میں اس کے چند ہزار بہت اہمیت رکھتے ہیں۔'' ہاجرہ غصے سے اس کے بگڑے منہ کو دیکھتے بولیں۔

''ہاں آپ کو تو اس نے چند ہزار کے عوض اپنا بنا رکھا ہے۔ جسے دیکھو اس کے گن گاتا ہے۔'' درخشاں منہ بنا کر بولی۔ آئنور کمرے کی چوکھٹ پر آ کھڑی ہوئی۔

''تم بھی کچھ ایسا کرو کہ سب تمہارے گن گائیں۔ ہر وقت تو کسی نا کسی کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔ موازنہ کے علاوہ تم نے کچھ سیکھا بھی ہے۔'' ہاجرہ چڑ کے آئینہ دکھاتی بولیں۔

''رہنے دیں اماں! انہیں کبھی اپنی خامی اور دوسرے کی خوبی نظر نہیں آتی۔'' سونی ترپائی کا کام کرتے انہیں سمجھاتے بولی کے وہ ناحق اپنا خون جلا رہی ہیں۔

''بہت زبان چلنے لگی ہے۔ مزید کیا تو کچھ دے ماروں گی۔'' درخشاں آگ بگولہ ہوگئی۔ سونی خاطر میں نالاتے گردن جھٹکتی بولی۔

''ہونہہ!''

''میں دھو دیتی ہوں برتن۔ مجھے کہہ دیا ہوتا درخشاں! اماں کو بلاوجہ بھگنے کی کیا ضرورت تھی۔'' آئنور نرمی سے بولی۔

''آجاؤ ڈراما کوئن تمہاری ہی کمی تھی۔'' چراغ پا ہوتے ہوئے درخشاں اسے گھورتی بولی۔

''میں دھو دیتی ہوں برتن مجھے کہہ دیا ہوتا۔ بڑی آئیں مظلوم ہیروئن۔'' آئنور کی نقل کرتے تمسخرانہ لہجے میں بولی۔

''کتنی لمبی زبان ہوگئی ہے درخشاں تیری۔ سسرال میں کیا کرے گی؟'' ہاجرہ سر پر ہاتھ رکھے نفی میں ہلاتی رہیں۔

''سسرال کی بھی خوب کہی۔ اماں! کون آتا ہے اس کھنڈر میں رشتہ لے کر یہاں ہے کیا کسی کو دینے کے لیے۔ کوئی بھولے بھٹکے رشتہ آ بھی جائے تو بیوٹی پارلر کی ساری کریم اپنے منہ پر ملنے والی آئنور بی بی کی خوب صورتی کی چکا چوند سے رشتے والے ان کے طلب گار ہو جاتے ہیں۔'' درخشاں کے لہجے میں زمانے بھر کی نفرت تھی۔ روبی سونی افسوس سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''تم ابھی تک پچھلے واقعے کو کرید رہی ہو۔ جب کہ آئنور کا قصور نہیں تھا۔ رشتے والی نے اسے زبردستی بلایا تھا کہ اپنی ساری بیٹیوں کو دکھائیں۔'' ہاجرہ اس کی بدگمانی دور کرنا چاہتی تھیں۔ روشنی ان سنی کرتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''غریبی کا ذائقہ زبان سے ساری مٹھاس ختم کر دیتا ہے۔ درخشاں کا بھی قصور نہیں ہے۔ جو حالات ہم بچپن سے دیکھتے آ رہے ہیں اس میں حیرت ہے کہ ہم ابھی تک پاگل کیوں نا ہوئے۔ ہوش سنبھالتے ہی اولاد نرینہ نا ہونے پر اماں کو ابا کے ہاتھوں پٹتے دیکھا۔ وہ بے چارے بھی ہر بار اس آس میں رہے کہ بیٹا ان کا ہاتھ بٹانے آئے گا مگر اللہ کو منظور نا ہوا۔ ہم بہنیں ابا کو اپنی ناتمام خواہش کی قاتل لگتی ہیں تب ہی تو وہ ہم سے سیدھے منہ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔

بے چاری اماں نے لاکھ جتن کر کے ہمیں پالا۔ درخشاں کی شادی بھی اچھی جگہ ہو جائے تو شاید وہ ساری محرومی بھول جائے۔ میں کسی امیر بندے سے شادی کروں گی جو مجھے اور میری فیملی کو آسائشات سے بھری زندگی دے۔ روبی سونی کو بہت اچھا جہیز دوں گی۔'' برتن دھوتی آئنور کی سوچیں پرواز کر رہی تھیں۔ برتن دھل گئے تھے۔ نل بند کر کے ہاتھ خشک کرتی وہ ان دیکھے ہمسفر کو سوچنے لگی۔

☆.....☆

بلیک جیکٹ اور ٹراؤزر میں کٹ بیگ شولڈر کے پیچھے ڈالے ایک ہاتھ سے کٹ بیگ کے اسٹیپ پکڑے عرشان ولی گلاسز چڑھائے جم میں داخل ہوا۔ کٹ بیگ مشین کے پاس رکھ کر وہ جیکٹ اتارنے لگا۔

''واہ champ بڑی اچھی باڈی بنا رکھی ہے۔'' جم کا ایک ممبر ایکسرسائز کرتے توصیفی نظروں سے دیکھتے اسے سراہ رہا تھا۔ بلیک بنیان میں اس کی باڈی کے کٹس نمایاں ہو رہے تھے۔

''تھینکس بڈی!'' مسکراتے ہوئے گلاسز کٹ بیگ میں ڈالتے ضروری سامان نکال کر وہ مشینوں کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا ورک آؤٹ کئی گھنٹوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ ابھی وہ شولڈر کی ایکسرسائز کر رہا تھا کہ قریب رکھا سیل فون بجنے لگا۔ ایکسرسائز روک کر وہ سیل فون کے ساتھ ٹاول بھی اٹھاتا۔ اسکرین پر موجود نمبر کو دیکھتے کال بیک کرنے لگا۔

''ہیلو!'' ٹاول سے پسینہ صاف کرتے وہ گویا تھا۔

''ہیلو عرشان! کہاں ہو اس وقت؟'' دوسری طرف سے زویا کی لہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''Its time of gym تم اور کاشان نہیں آئے۔'' عرشان نے استفسار کیا۔ ٹاول اٹھا کر پھینکتے اس نے کٹ بیگ سے پانی کی بوتل نکالی اور اس کا کارک کھولنے لگا۔

''میں پارلر سے ابھی آئی ہوں۔ آج ذیشان کی پارٹی میں جانا ہے نا۔ کاشان فون پر کسی لڑکی کو الو بنانے میں لگا ہوا ہے۔'' زویا نے ساتھ بیٹھے کاشان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم آ رہے ہو نا پارٹی میں؟'' زویا مدعے کی طرف آئی۔

''ہاں کوشش کروں گا۔''

''ہاں کوشش نہیں تم پکا آ رہے ہو۔ ورنہ میں بور ہو جاؤں گی۔ ایک تم ہی تو ہو جس کی کمپنی میں، میں بور نہیں ہوتی۔'' زویا نے معنی خیزی سے اٹھلاتے ہوئے کہا۔

''او کے پھر پارٹی میں ملتے ہیں۔'' عرشان ولی نے پانی کی بوتل بند کرنے کے ساتھ کال بھی ڈسکنیکٹ کر دی۔ وہ ایک بار پھر ایکسرسائز میں مشغول ہوگیا۔

☆.....☆

زویا صوفے پر بیٹھی کیوٹکس لگے نیلز کو تنقیدی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔ کاشان دوسرے صوفے پر فون کان سے

لگائے بیٹھا تھا۔
''یار! تم اتنی جذباتی کیوں ہو۔ تمہیں پتا ہے میں تمہارے علاوہ کسی کو لفٹ نہیں کراتا۔ ٹرسٹ می بے بی!''
کاشان شدومد سے فون پر لگا ہوا تھا۔ زویا ایک نظر اس پر ڈال کر نفی میں سر ہلاتی رہی۔
''یار! وہ علیزے خود پاگل تھی میرے پیچھے۔ میں تو جان چھڑا رہا تھا۔ جب تم نے ہمیں ساتھ دیکھا۔'' زویا کو آنکھ مارتے وہ دلجمعی سے جھوٹ پر جھوٹ بول رہا تھا۔
''او کے! اب میں اپنی صفائی مزید نہیں دے رہا تمہیں مجھ پر ٹرسٹ نہیں ہے تو پھر بائے۔'' غالباً دوسری جانب سے نخرا برقرار تھا تب ہی نروٹھے پن سے کاشان نے کال کاٹ دی۔
''یہ لڑکیاں نا۔ جل جل کے مر جائیں گی کسی دن۔'' کاشان نے سیل فون دھپ سے رکھ دیا۔
''پھر پکڑے گئے۔'' زویا نے مذاق اڑاتے ہوئے نیلز پر پھونک مارتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں علیزے کے ساتھ ڈنر کر کے نکلا تو سامنے شزا مل گئی جسے میں نے ایک گھنٹا قبل ہاسپٹل میں انکل کی عیادت کا کہہ کر اس کے ساتھ ڈنر سے انکار کیا تھا۔'' کاشان نے ہنس کے کہا۔ زویا بے ساختہ ہنسی۔
''منا، منا کے تھک گیا اب دیکھنا خود فون کرے گی۔ میں ناراض جو ہو گیا ہوں۔'' وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا۔
''لڑکیاں کیسے پھنس جاتی ہیں تمہارے جال میں۔'' زویا حیرانی کا اظہار کرتی بولی۔
''وہ دور گیا مائی ڈیئر آج کل لڑکیاں خود پھنسنے کو بے چین پھرتی ہیں۔ بس ذرا ہوشیاری سے کام لینا ہوتا ہے۔'' کاشان کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔
''میری کلاس فیلو ہے بہت Good looking اسے پھنسا کے دکھاؤ تو مانوں۔'' زویا کو بھی جیسے اس کھیل میں مزا آنے لگا تھا تب ہی کاشان کو چیلنج کر بیٹھی۔
''آئنور کی بات کر رہی ہو؟'' کاشان نے یاد کرتے ہوئے کہا۔
''ہاں بہت نخرا دکھاتی ہے۔ ذرا اسے بھی دھول چٹا کے دکھاؤ تو مانوں۔''
''چیلنج کر رہی ہو؟'' کاشان نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا۔
''ایسا ہی سمجھ لو۔'' زویا نے لاپروائی سے کہا۔
''او کے! Ok done۔'' اسی اثناء میں کاشان کا سیل فون بجنے لگا۔ علیزے کالنگ پر کاشان نے زویا کو جتاتی نظروں سے دیکھا۔
''دیکھا آ گئی نا کال۔''
''Carry on۔'' زویا لاپروائی سے مسکراتی لاؤنج سے نکل گئی۔ کاشان اب روٹھنے کی اداکاری کر رہا تھا۔

☆.....☆

''اماں مجھے تین سو روپے دیں مجھے نگٹس کھانا نہیں۔'' روبی ہاجرہ کے گھٹنے کو ہاتھ لگاتے گھگیا رہی تھی۔
''پاگل ہوئی ہے جو موتی نگٹس پر تین سو خرچ کروں۔ پیسے ہیں کہاں میرے پاس جو ہوتے تو چکن لا کر سالن نا بنا لیتی۔ تیرا باپ دوپہر بھی ہنگامہ کر کے گیا ہے۔ مونگ کی پتلی دال دیکھ کر جانے کیا حال کرے گا۔''
آئنور سوٹ کی ترپائی کرتی سنجیدگی سے دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ روبی نے سفارشی نظروں سے آئنور کو دیکھا۔
''اگلی بار کوچنگ کی سیلری سے میں تمہارے لیے نگٹس لیتی آؤں گی۔'' آئنور ملول دل کے ساتھ روبی کو

بہلاتی بولی۔ روبی کے چہرے پر پھیلی افسردگی سے اس کا کلیجہ کٹنے لگا۔

''امیروں کی میز انواع واقسام کی چیزوں سے بھری رہتی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ معصوم معصوم سی خواہشوں کو مہینے کی پہلی تاریخ تک تھپکتے رہتے ہیں۔'' آئنور لب کاٹتی تلخی سے سوچ کے رہ گئی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ روبی نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دو خواتین داخل ہوئی تھیں۔

''شکر ہے تم گھر پر ہو ہمیں لگا تھا کوچنگ چلی گئی ہوگی۔'' خواتین اس کی کلائنٹ تھیں جو اکثر پارلر میں زیادہ پیسے بچانے کی غرض سے آئنور سے سروسز لیتی تھیں۔ آئنور وہی کام پارلر سے کم ریٹ پر کرتی تھی کہ نا سے ہاں تو تھا۔ وہ اتنی ہی محنت کرتی تھی جتنی پارلر کی بیوٹیشن کرتی تھی مگر لوگ گھر میں پارلر سے کہہ کر مزید پیسے کم کرنے کا کہہ کر راضی کر لیتے تھے۔

''ابھی ٹائم ہے آپ بتائیں کیا کروانا ہے۔'' آئنور کی کوچنگ ٹائمنگ میں تھوڑا وقت تھا ایسے میں آمدنی کی صورت نظر آئی تو وہ جلدی سے کھڑی ہوگئی۔

''پارٹی میک اپ کروانے ہیں دونوں کو۔ خالہ کے بیٹے کی بارات ہے آج۔'' ان میں سے ایک خاتون نے آنے کی وجہ بتائی۔

''دیکھو لوڈریس میک اپ بہت سوفٹ ہونا چاہیے۔'' دوسری خاتون نے ڈیمانڈ بتانا شروع کر دی۔

''آپ آیئے انشاء اللہ مطمئن ہو کر جائیں گی۔'' آئنور نے پیشہ ورانہ انداز میں انہیں جواب دیا اور خاتون کو لے کر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''چل شکر ادا کر رات کو چکن کی ڈش اور تیرے نگٹس پکے ہوگئے۔ لیکن نگٹس گھر میں بنوانا میں چکن زیادہ لے آؤں گی۔'' ہاجرہ نے خوش ہوتے ہوئے روبی سے کہا جس کے چہرے کی رونق بھی آنے والی خواتین کی وجہ سے لوٹنے لگی تھی۔

''ہاں میں سونی سے ترکیب لکھواتی ہوں۔ ہماری اسکول فیلو لے کر آئی تھی۔ بہت مزے کے تھے۔'' روبی اندر کی طرف بھاگی۔

☆.....☆

جم سے واپسی پر عثمان ولی کی گاڑی ریڈ سگنل پر کھڑی تھی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان اردگرد نظر دوڑا رہا تھا۔ فقیر الحال بچہ گود میں چھوٹی بچی کو اٹھائے اس کی کھڑکی تک آیا۔ اس سے پہلے وہ بچہ کئی گاڑیوں کے شیشے بجا چکا تھا۔ بیشتر نے جھڑک دیا تھا۔ اس نے سارا سین ملاحظہ کیا تھا۔

''صاحب کھانا کھلا دو۔'' عثمان ولی نے اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ڈش بورڈ سے والٹ اٹھا کر ہزار کا نوٹ نکالا اور بچے کی طرف بڑھا دیا۔

''لو۔'' بچہ حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی گود میں مچلتی بچی رونے لگی تھی۔

''رکھ لو۔'' عثمان نے اصرار کیا۔ بچہ تذبذب کے عالم میں ہاتھ بڑھاتا بولا۔

''بڑی بڑی گاڑیوں میں بیٹھنے والوں کے دل بہت چھوٹے ہوتے ہیں صاحب جی!'' چھوٹا سا بچہ فلسفہ بول رہا تھا۔ بھوک نے اس سے اس کی معصومیت چھین لی تھی۔

عثمان ولی کو اس کی زبان کی تلخی اور نگاہوں کی خفگی امیروں کے منہ پر تمانچہ لگا۔ سگنل گرین ہو چکا تھا۔ بچہ جا چکا تھا لیکن عثمان ولی جانے کب تک پر سوچ انداز میں سڑک کو دیکھتا رہا۔

(جاری ہے)

رداکی ڈائری

مہوش جواد کی ڈائری سے

ساحر علی ساحر کی غزل

اسے جس روز بھی یارو سنورتے ہم نے دیکھا ہے
طلوعِ صبح کا منظر ابھرتے ہم نے دیکھا ہے
عجب تھا اس کی انگڑائی کا عالم پیش منظر میں
بہاروں کو قطاروں میں اترتے ہم نے دیکھا ہے
بہت ہی ناز کرتا تھا جو اپنی سرفرازی پر
حسیں وہ چاند دریا میں اترتے ہم نے دیکھا ہے
کوئی تو شخص بھی ہوتا جسے ہم ہمسفر کہتے
جسے دیکھا اسے رستہ بدلتے ہم نے دیکھا ہے
ملائی روشنی سے جب نظر تو نے میرے ہم دم
تیری آنکھوں میں چندا کو سنورتے ہم نے دیکھا ہے
ندی تھی پر سکوں پانی بھی تھا ٹھہرا ہوا ساحر
اچانک ایک پتھر سے بپھرتے ہم نے دیکھا ہے

مہرین کنول کی ڈائری سے

ناظر کاظمی کی خوب صورت غزل

بہت افسردہ لگتے ہیں مجھے اب یار کے قصے
گل و گلزار کی باتیں لب و رخسار کے قصے
یہاں سب کے مقدر میں فقط زخم جدائی ہے
کبھی باتیں فسانے ہیں وصالِ یار کے قصے
بھلا عشق و محبت سے کسی کا پیٹ بھرتا ہے
سنو تم کو سناتا ہوں کاروبار کے قصے
میرے احباب کہتے ہیں یہی اک عیب ہے مجھ میں
سر دیوار لکھتا ہوں پاسِ دیوار کے قصے
میں اکثر اس لیے لوگوں سے جا کر خود نہیں ملتا
وہی بیکار کی باتیں وہی بیکار کے قصے

شہلا گل سحر کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

وہ ساتھی وہ جگنو وہ چاند میرا
جانے کہاں کھو گیا ہم مزاج میرا
میرے اندر سارے موسم جانتا تھا
وہ میری ساری باتیں مانتا تھا
میرے اشکوں کو ہنسی کے
گھنگھروں میں بدل لیتا تھا
دے کر سکھ کی سوغاتیں
وہ دکھوں کے دام لیتا تھا
مجھے اسیر اس کی چاہت سے
ملا سکون اس کی قربت سے
ہے! اتنا یاد
جب وہ مجھ سے بچھڑا تھا دسمبر
پلکوں پر ساون ٹھہرا تھا
دوریوں نے گہرے سائے ڈالے
بدلتے موسموں نے اٹوٹ بندھن
توڑ ڈالے
رہا رابطہ پھر یادوں کا
رہا اسیر دل اس کی یادوں کا
مگر گزشتہ برس یہ کڑی

بھی ٹوٹ گئی
عمر بھر کی رفاقت پل بھر میں
ٹوٹ گئی
دسمبر کو پلٹنا تھا
پلٹ آیا
نہ کوئی کارڈ نہ کوئی خبر
نہ کوئی نامہ بر آیا

رابعہ افضال کی ڈائری سے

وصی شاہ کی نظم

جتنی دعائیں آتی تھیں
سب مانگ لیں ہم نے
جتنے وظیفے یاد تھے سارے
کر بیٹھے ہیں
کئی طرح سے جی دیکھا ہے
کئی طرح سے مر بیٹھے ہیں
لیکن جاناں!
کسی بھی صورت
تم میرے ہو کر نہیں رہتے

ثوبیہ جواد کی ڈائری سے

پروین شاکر کا خوب صورت کلام

میں نے ساری عمر
کسی مندر میں
قدم نہیں رکھا
لیکن جب سے تیری دعا میں
میرا نام شریک ہوا ہے
تیرے ہاتھوں کی جنبش پر
میرے اندر کی داسی کے
اُجلے تن میں
گھنٹیاں بجتی رہتی ہیں

آنسہ احسان اللہ کی ڈائری سے

نوشین اقبال نوشی کی نظم

تعلق توڑنا چاہے
تو مجھ کو چھوڑنا چاہے
تو میری شرط اتنی ہے
تمہیں جو دے چکا ہوں میں
مجھے لوٹا دو وہ سب کچھ
میرے نامے وہ چاہت کے
وہ سب تحفے محبت کے
وہ بھیگی ڈائری میری
وہ ساری شاعری میری
سبھی وہ پھول اور تتلیاں
وہ میٹھی پیار کی باتیں
کہو لوٹا سکو گے؟
میرے وہ قیمتی لمحے
جو تجھ کو سوچتے گزرے
وہ پل جو ایک قیامت تھے
جو رستہ دیکھتے گزرے
خدا کو بھول کر وہ دن
جو تجھ کو پوجتے گزرے
بتاؤ لوٹا سکو گے؟

مسکان نعیم کی ڈائری سے

خوبصورت نظم

شام ہوئی اور سورج ڈوبا
سوچ میں تھا جو روشن تارا
اِک پل میں وہ ایسے ٹوٹا!
جیسے کانچ کا ننھا برتن!
جیسے مٹی کا کوئی کنگن

.....☆.....

اشعار

فرزانہ شوکت ـــــــ کراچی

حضور یار میں حرف التجا کے رکھے تھے
چراغ سامنے جیسے ہوا کے رکھے تھے
مٹا سکی نہ انہیں روز و شب کی بارش بھی
دلوں میں نقش جو رنگ حنا کے رکھے تھے

سفینہ خورشید ـــــــ کوٹری

چاہتوں کے راستوں میں محبت کے دیپ جلائیں گے
جب اپنوں نے ٹھکرایا تو غیروں کے گھر روشن کر جائیں گے

سیدہ عروج فاطمہ ـــــــ ملتان

کیا بعد مرنے کے بھلا دو گے رنجشیں ساری؟
کیا تم نہیں میرا آخری دیدار کرو گے؟
اس وقت تو دشمن بھی آجاتے ہیں
کیا تب بھی نہیں معاف کرو گے؟

عانیہ نیازی ـــــــ ربوہ

ہمیشہ کے لیے چہرے نقابوں میں نہیں رہتے
سبھی کردار کھلتے ہیں کہانی ختم ہونے پر

صبا سحر ـــــــ ہارون آباد

میں بھی ہوں اگر خاموش آج ہنسا تو بھی نہیں
مجھ سے بچھڑ کے کسی سے ملا تو بھی نہیں

نور بانو ـــــــ کوئٹہ

کوئی حرف وفا نہ حرف سادہ
میں خاموشی کو سننا چاہتی ہوں
میں بچپن کے کسی لمحے میں رک کر
کوئی جگنو پکڑنا چاہتی ہوں

نوشین مدثر ـــــــ لاہور

چند دن تو اگر میرے ساتھ رہے
کس قدر حسیں پھر سفر حیات رہے
جہاں چاہے تو چلا جا اے ہمسفر
کوئی منتظر ہے اتنا مگر یاد رہے

امبرین حیدر ـــــــ اسلام آباد

کوشش کے باوجود بھی تو بھولتا نہیں
تیرے بغیر کیا کروں کچھ سوجھتا نہیں
ہوتی ہے صبح و شام مگر اس کے باوجود
ہے چاند تیری یاد کا جو ڈوبتا نہیں

رابعہ منیر ـــــــ سرگودھا

اک ناتمام خواب مکمل نہ ہو سکا
آنے کو زندگی میں بہت انقلاب آئے

عمارہ شکیل ـــــــ کراچی

وہ جذبوں کی تجارت تھی دل کچھ اور سمجھا تھا
اسے ہنسنے کی عادت تھی دل کچھ اور سمجھا تھا
مجھے اس نے کہا آؤ نئی دنیا بساتے ہیں
اسے سوجھی شرارت تھی یہ دل کچھ اور سمجھا تھا

نور احمد ـــــــ ملتان

تمہارے ساتھ ہی موسم بھی رُخ بدلنے لگے
ہوا تھمی ہے تو بارش کے تیر چلنے لگے
راہِ حیات میں یوں تم نے میرا ساتھ دیا
کہ جیسے چاند مسافر کے ساتھ چلنے لگے

شازیہ رحمت ـــــــــ سرگودھا
کچھ دنوں کی یہ ملاقاتیں بہت اچھی لگیں
اس سے جو کچھ ہوسکیں باتیں بہت اچھی لگیں
بعد مدت اس کی دعوت پر جو اس کے گھر گیا
پھر اسی گھر میں مداراتیں بہت اچھی لگیں

حنا علی ـــــــــ ملتان
رسم سجدہ بھی اٹھا دی ہم نے
عظمتِ عشق، بڑھا دی ہم نے
دل کو آنے لگا بسنے کا خیال
آگ جب گھر کو لگا دی ہم نے

ثمرین جنید ـــــــــ کراچی
زرد موسم کے اجال لمحوں میں
ہم رو پڑے یونہی ہنستے ہنستے
یارب! اب تو کوئی تعبیر بخش دے
کہ تھک گئیں آنکھیں خواب بنتے بنتے

بشریٰ عامر ـــــــــ لندن
یہ دل اس قدر اداس بھی پہلے کبھی نہ تھا
غم میرا ایک رفیق تو تھا زندگی نہ تھا
بکھری ہوئی تھی شہر میں چہروں کی بازگشت
جس شخص کی تلاش تھی بس اک وہی نہ تھا

نگہت توقیر ـــــــــ چیچہ وطنی
اتنا آساں بھی نہیں اپنی ہستی سے گزر جانا
اترا جو سمندر میں تو دریا بہت رویا
جو شخص نہ رویا تھا تپتی ہوئی راہوں میں
سایہ دیوار میں بیٹھا تو بہت رویا

شمائلہ ملک ـــــــــ کراچی
ملا تھا ہجر کے رستے میں صبح کی مانند
بچھڑ گیا تھا مسافر سے رات ہونے تک
میں اس کو بھولنا چاہوں تو کیا کروں آخر
وہ مجھ میں زندہ ہے میری ذات ہونے تک

مریم نواز ـــــــــ فیصل آباد
کیا خبر کون سی خوشی کے لیے
دل یونہی گنوائے جاتا ہے
رنگ پیلا ہے تیرا کیوں ناصر
تجھے کیا رنج کھائے جاتا ہے

خدیجہ رحمن ـــــــــ گجرات
ہجر کی تمازت سے وصل کے الاؤ تک
لڑکیوں کے جلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
بات جیسی بے معنی بات اور کیا ہو گی
بات سے مکرنے میں دیر کتنی لگتی ہے

صائمہ ظہیر ـــــــــ کراچی
ابھرتے ڈوبتے سورج سے توڑ لوں رشتہ
میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سحر نہ کروں
اب اس سے بڑھ کے بھلا کیا ہو احتیاط وفا
میں تیرے شہر سے گزروں تجھے خبر نہ کروں

حفصہ کنول ـــــــــ ٹوبہ ٹیک سنگھ
وہ میرا غرور لے گیا ہے
عاجزی مفت میں نہیں ملتی مجھے

سباس گل ـــــــــ رحیم یار خان
یہ جو بیکار سے نظر آتے ہیں ہم لوگ یہاں
کوئی آنکھوں میں سجاتا تو ستارے ہوتے

راؤ تہذیب حسین تہذیب ـــــ رحیم یار خان
اس کے منہ سے پھول جھڑتے تھے سدا
جب کبھی وہ پیار سے لب کھولتا
وہ یقیناً خود کسی الجھن میں تھا
ورنہ مجھ سے یوں کبھی نہ بولتا

مہوش اویس ـــــــــ ڈی آئی خان
مجبوریوں کے نام پر دامن چھڑا گئے
وہ لوگ جن کی باتوں میں دعوے ہزار تھے

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

کل اور آج

ایک زمانے میں ہم قد آدم آئینوں میں اپنے آپ کو ٹھہر کر دیکھتے تھے اور اب آنکھ چرا کے چپکے سے نکل جاتے ہیں۔ ہم جب خوش شکل تھے تو نرگسیت پسند ہونے کے طعنوں کے باوجود کہتے تھے کہ ہاں ہم خوش شکل ہیں اور اب اگر بدشکل ہو چکے ہیں تو بھی اقرار کرتے ہیں۔

مصنف: مستنصر حسین تارڑ
عانیہ نیازی۔ ربوہ

ڈپریشن

ڈپریشن حاصل اور خواہش کے درمیان فاصلے کا نام ہے۔ ڈپریشن انسان کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ چاہتا کچھ اور ہے اور اسے ملتا کچھ اور ہے اور جو کچھ اسے ملتا ہے اس کو وہ پسند نہیں کرتا، ایثار کی تمنا ہو جائے تو ڈپریشن ختم ہو جائے گا۔

واصف علی واصف
نور بانو۔ کوئٹہ

محبت

یہ محبت بھی انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔ آپ عرش سے فرش پر آ گرتے ہو۔ آپ کی عزت نفس، انا کہیں گم ہو جاتی ہے یا آپ اسے تھپکی دے کر سلا دیتے ہو اور آپ اپنے محبوب کے رحم و کرم پر ہوتے ہو کہ وہ آپ کی جھولی میں تھوڑی سی محبت ڈال دے اگر محبوب ایسا کرتا ہے تو آپ ہواؤں میں اڑنے لگتے ہیں۔ محبوب کی ذرا سی نظر التفات آپ میں زندگی بھر دیتی ہے اور محسوس ہوتا ہے دنیا میں آپ سے زیادہ کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ زندگی آپ سے زیادہ کسی کے لیے خوب صورت نہیں ہے۔

رضوانہ آفتاب۔ کراچی

اس ماہ کی ہری مرچیں

☆ آج کا کام کل پر چھوڑ دیجیے۔ ہوسکتا ہے کہ کل اس کام کو کرنے کے لیے مشین ایجاد ہو جائے۔

☆ ڈاکٹر نے خوب صورت مریضہ سے کہا۔ آپ کی خوراک ٹھیک نہیں ہے لہٰذا آج رات کا کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں۔

☆ بلاشبہ محبت اندھی ہوتی ہے لیکن وہ ہیرے اور معمولی نگینے کی انگوٹھی میں فرق محسوس کرسکتی ہے۔

☆ آپ کے بچے کتنا آگے جاسکتے ہیں اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ نے گاڑی میں کتنا پیٹرول چھوڑا ہے۔

☆ ڈاکٹر صاحب کیا میرا آپریشن کامیاب رہے گا؟

☆ یہی دیکھنے کے لیے تو میں آپریشن کررہا ہوں۔

نجمہ نعیم۔سیالکوٹ

اس ماہ لفظوں کی روشنی

جو تم چاہتے ہو اسے پانے کی خواہش کبھی نہ کرو، کیونکہ جب وہ تمہارے ہاتھ آئے گی تو اپنا روپ کھو دے گی۔ چاہے وہ چیز ہو یا کوئی انسان۔

محبت ایسی شیرینی ہے جس کو چکھ لینے کے بعد دیر تک اس کا ذائقہ برقرار رہتا ہے۔

محبت وہ کھیل ہے جس میں عقل ہار جاتی ہے۔

جہاں عورت کا احترام ہوتا ہے وہاں خدا بھی خوش ہوتا ہے۔

ایک عورت کی تعلیم کنبے کی تعلیم ہے اور مرد کی تعلیم صرف اس کی تعلیم ہے۔

دوست کو اپنے حال سے اتنا ہی واقف رکھو کہ اگر وہ دشمن ہو جائے تو نقصان نہ پہنچا سکے۔

درویش وہ ہے جو کسی چیز کی طمع نہ کرے۔

شرک ظاہر بتوں کی پرستش اور شرکِ باطن مخلوق پر بھروسا رکھنا ہے۔

سنبل احمد۔ٹوبہ ٹیک سنگھ

اس ماہ کی نظم

کانچ بھری ان آنکھوں میں
آتی جاتی سانسوں میں
بہکی بہکی باتوں میں

اور
بھیگی بھیگی راتوں میں
نہ اپنا آپ منوایا کرو
میرے لفظوں میں نہ سمایا کرو
سنو
مجھے ایسے نہ تڑپایا کرو
اک التجا ہے بے بس سی
مجھے اتنا یاد نہ آیا کرو!

سحر مبین۔فیصل آباد

اس ماہ کے اشعار

مسافتوں کے سمندر میں اتر جانے کو جی چاہتا ہے
تمہارے لیے ہی جیتے ہیں اور تم پہ ہی مر جانے کو جی چاہتا ہے

رضوانہ آفتاب۔کراچی

☆

تیرا ساتھ خریدنے کے لیے ایم جے قریشی
روز تھوڑی تھوڑی زندگی بیچ دیتی ہوں

ثوبیہ جواد۔کھاریاں

اس ماہ کی شرارت

اگر میں آپ کو اچھی لگتی ہوں تو یہ آپ کی اچھائی ہے کہ میں آپ کو اچھی لگتی ہوں اور اگر میں آپ کو اچھی نہیں لگتی تو آپ کو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ اپنے اندر جلدی سے اچھائی پیدا کرلیں تاکہ میں آپ کو اچھی لگ سکوں۔

جہانہ آفتاب۔کراچی

اس ماہ میری ڈائری سے

نئے سال کی آمد نے پھر مجھے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔تم نے ہی تو کہا تھا کہ کبھی جو تم محسوس کرو گے تو مجھے حدِ قریب پاؤ گے اور سال کی آمد کی طرح میں تمہارے دل کے آنگن میں اتروں گا۔تمہاری بات مجھے آج تک یاد ہے،اس لیے تو جب آج میں پرانا کلینڈر اتار کر نیا لگا رہا تھا

تو دل نے بے اختیار پکار کر کہا ایک سال اور بیت گیا تمہارے بغیر.....میری سوچیں بار بار بھٹک رہی ہیں، دھندلی یادوں میں ایک جگنو کی طرح عید،خزاں، بہار اور برسات سب ہی فرقت میں بیت گئے۔ہم جب کسی کو دل سے چاہتے ہیں تو اس کی ذات ہی خوشی وغم کا محور بنتی ہے۔تمہاری یادوں میں 26 سال بیت گئے اور اگر تم جیسی ہستی بچھڑ جائے تو دن رات انتظار میں گزر جاتا ہے۔میں بھی ابھی تک اسی امید کے سہارے ہوں اور تمہارا بے چینی سے انتظار کررہا ہوں۔نئے سال نے پھر میرے اندر ایک نئی امنگ جگا دی ہے کہ شاید اس سال تم کسی دن اچانک میرے سامنے آجاؤ،کبھی نہ جانے کے لیے۔اگر ہم کو سال کے گزرنے کا ملال ہوتا ہے تو نئے سال کی خوشی بھی ہوتی ہے۔میرے دل میں بھی کئی نئے پھول کھلے ہیں۔اس کے امید سے اور لبوں پر بار بار یہی دعا آتی ہے

یہ سال تیرے واسطے خوشیوں کا نگر ہو
کیا خوب ہو ہر روز تیری عید اگر ہو
ہر رات مسرت کے نئے گیت سنائے
لمحات کے پیڑوں پہ بھی شبنم کا ثمر ہو

ایس امتیاز احمد۔کراچی

اس ماہ دکھ کا دن

14 فروری
ویلنٹائن ڈے
محبت کے اظہار کا دن
چاہت کے اقرار کا دن
جذبات لفظوں میں
بدل جاتے ہیں
سرخ گلاب
اظہار کا ذریعہ بنتے ہیں
تحفے وتحائف
حرص وہوس
ہنسی کے گھنگروں برہنہ سر
عزت کی چادر تار تار
کسی کی پگڑی
پاؤں کے نیچے کچلی گئی
روحیں ناپاک ہو جاتی ہیں
پھر بھی ایک عرصے سے
ابن آدم اور بنت حوا
گناہ کے کھیل میں پیش پیش ہیں
اور
رقصِ ابلیس جاری ہے

شہلا گل سحر۔کوہاٹ

اس ماہ کچھ دل نے سنا

☆ کچھ لکھاری ایسے ہوتے ہیں جن کے قلم سے نکل کر لفظ لفظ نہیں رہتے، احساسات اور جذبات میں ڈھل جاتے ہیں۔

☆ کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب خاموشی ہوتا ہے۔کیونکہ وہ سوال خود جواب ہوتے ہیں۔بلکہ اپنے جوابوں سے بھی زیادہ جامع، زیادہ مکمل اور زیادہ بلیغ ہوتے ہیں۔

☆ الفاظ کا تاج محل خواہ کتنا ہی حسین ہو، حقائق کا طوفان اس کو اس طرح بہا لے جاتا ہے جس طرح کوئی آندھی تنکوں کے ڈھیر کو۔

نور بانو۔کوئٹہ

.....☆.....

نورین ملک

خوشبو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابو عباس سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتلائیے جب میں وہ کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھے محبوب جانیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔''

(ابن ماجہ)

وہ جیت گئے

میں انہیں اندھا نہیں کہہ سکتی، کیونکہ وہ ہم سب سے زیادہ دیکھ چکے، دیکھ رہے ہیں کبھی تو اپنی نسل اپنا مذہب اپنا ملک بچانے کو جانیں وار دیں۔ اندھے تو وہ مسلمان بادشاہ وحکمران ہیں جو محلوں میں عیش وعشرت سے بیٹھے قبر اور حشر بھول گئے اندھے تو وہ ہیں وہ انسانیت کے علمبردار دنیا کے سپر پاورز خود کو دنیا کے وارث سمجھنے والے اندھے تو وہ ہیں۔ مگر کب تک حق تو انہیں ملے گا ہر شہید کا اٹھتا جنازہ گواہ ہے جس ملک جس مذہب کے لیے قربانی دی ہے اسی کے جھنڈے میں لپیٹ کر دفنایا جائے۔ حق تو تبھی مل گیا جیت تو تبھی ہو گئی قابضوں کی فوج کے سامنے آزاد ملک کے جھنڈے میں لا الہ الا اللہ کی صدا میں آخری سفر جیت ہی تو ہے۔ آزادی ہی تو ہے۔ سلام میرے مجاہدوں پر۔ مجاہد دیکھنا ہے اسلام کا سپاہی دیکھنا ہے تو برہان وانی شہید کا پرنور چہرہ دیکھو، یاسین ملک کی جدوجہد دیکھو جو سانس ہی آزادی کے لیے لیتا ہے۔ لکھنے تو بیٹھی تھی میں ایک افسانہ مگر زندگی میں شاید ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ لفظ سامنے گھوم رہے ہیں مگر ہاتھ وقلم کی گرفت سے باہر ہیں اور پھر کیسا افسانہ کیسی کہانی۔ کشمیر کی جلتی وادی خون اگلتی آنکھیں یہ کوئی افسانہ نہیں ہے۔ یہ تو وہ انسانیت سوز حقیقت ہے جس پر کوئی افسانہ نہیں بن رہا۔ ہماری زندگی بھر کی ناکامی ہماری کوتاہی ان جوان سال اور کبھی معصوم آنکھوں کو چھلنی کر رہی ہے۔ چند لمحوں کو آنکھیں بند کرو تو وحشت ہوتی ہے۔ ''ہائے'' وہ زندگی سے بھری خواب سجاتی، چمک بکھرتی اب صدا کی ویران آنکھیں جہاد کے علمبردار جانیں کشمیر دیکھیں جہاد کیا ہوتا ہے۔ عصمتیں لٹاتیں مائیں، بہنیں، بیٹیاں، بیویاں ظالم کے سامنے ڈٹی ہیں تا عمر زندگی کے رنگ اب کبھی محسوس نہ کر سکنے والے

میرے مجاہد میرے ہیرو میرے بھائی میں ان معصوم فرشتہ چہروں پر قربان۔

فرح ناز رفیق۔ کراچی

عجیب مخلوق

انسان عجیب مخلوق ہے خود تماشا ہے اور خود ہی تماشائی۔ انسان خود ہی میلہ لگاتا ہے اور خود ہی میلہ دیکھنے نکلتا ہے ہجوم میں ہر انسان ہجوم کا حصہ ہے اور ہر انسان اپنے علاوہ انسانوں کو ہجوم کہتا ہے تنہائیاں اکٹھی ہو جائیں تو میلے بن جاتے ہیں۔ ننھے چراغ جل کر چراغاں بن جاتے ہیں۔

مصنف: واصف علی واصف

عانیہ نیازی۔ ربوہ

انمول راز

☆ لوگ کہتے ہیں کسی سے بھی کسی بھی چیز کی واپسی کی توقع مت رکھو۔ لیکن سچ یہ ہے کہ جب ہم کسی سے بھی محبت کرتے ہیں قدرتی طور پر ہم ان سے تھوڑی سی محبت، خیال اور اخلاص کی امید یا توقع رکھ لیتے ہیں۔

☆ اکیلے رہنا زیادہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ کسی منافق کے ساتھ رہیں جو آپ سے نفرت کرتا ہو مگر ظاہر یہ کرے کہ وہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے۔

☆ اچھے اور بہتر لوگوں کا ساتھ ایک پرفیوم کی دکان کی طرح ہوتا ہے۔ بے شک آپ اس کو خریدیں یا نہیں لیکن آپ کو بہت سی خوشبو مل جاتی ہے۔

☆ صدقہ ہزاروں امکانی مصائب وآفات کا علاج ہے۔

☆ مشورہ لینا بری بات نہیں مگر اس پر بلا غور وتامل عمل کرنا برا ہے۔

☆ ہمیشہ حق بات کرو چاہے وہ تمہارے خلاف ٹھہرے۔

نوشین مدثر۔ لاہور

قیمت

ایک مرتبہ ایک دیہاتی اپنے گدھے کے ساتھ کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں اس کو ایک ہار ملا۔ دیہاتی نے ہار اٹھا لیا اور سوچا کہ کیوں نہ میں یہ ہار اپنے گدھے کو ہی پہنا دوں۔ چنانچہ اس نے ہار گدھے کو ہی پہنا دیا۔ اتفاق سے ایک جوہری کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس نے جو اتنے قیمتی الماس کا ہار گدھے کی گردن میں دیکھا تو فوراً دیہاتی سے بولا۔

''بھائی صاحب! کیا آپ اس ہار کو فروخت کریں گے؟''

دیہاتی یہ سن کر بہت خوش ہوا اور دل ہی دل میں سوچنے لگا۔

''مجھے تو مفت میں ہی ہار ملا ہے چلو میں اپنے پیسے ہی کھرے کر لیتا ہوں۔''

دیہاتی نے جوہری کو جواب دیا۔ ''جی ہاں میں یہ ہار فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی قیمت ایک ہزار اشرفی ہے۔'' جوہری بہت چالاک تھا۔ قیمت سن کر کہنے لگا۔ ''ایک ہزار تو نہیں میں تمہیں پانچ سو اشرفیاں دوں گا۔'' جوہری کے یہ کہتے ہی ہار ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا۔ جوہری بہت حیران ہوا۔ اس نے ان الماس کے ذروں سے سوال کیا۔

''تم کیوں بکھر گئے؟''

الماس کے ذروں نے بہت دکھ سے کہا۔ ''یہ

تو ایک دیہاتی تھا۔ کم عقل جاہل، اس کو میری اوقات کا علم نہیں تھا لیکن تم تو جوہری ہو جب تم نے سب جانتے ہوئے میری قیمت اتنی گرادی تو کیا میں پھر بھی ثابت رہ سکتا تھا۔

امبرین حیدر۔ اسلام آباد

سردار جی

ایک سردار سے کسی نے پوچھا۔ ''سردار جی! عقل بڑی یا بھینس۔''

سردار جی نے پگڑی اتار کر ذرا سا سر کھجایا پھر بولے۔ ''پہلے تاریخ پیدائش تو بتاؤ۔''

نور بانو۔ کوئٹہ

وجہ

ایک صاحب نے اپنے دوست سے کہا۔ ''آپ نے اپنے بیٹے کو وکیل بنانے کا فیصلہ کیا سوچ کر کیا۔''

''بھئی وہ بچپن سے ہی بہت جھگڑالو تھا۔ بہت بحث کرتا تھا۔ اپنا کام نکلوانے کے لیے عجیب عجیب دلیلیں ڈھونڈ کر لے آتا تھا۔ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑاتا تھا۔''

دھنک ناز کراچی

جان لیں

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹ بات ہے۔

☆ سچ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

☆ اپنی نیکیوں کے لیے پوشیدہ جگہ بناؤ جس طرح اپنی برائیوں کے لیے بناتے ہو۔

☆ پرخلوص محبت خدا کا تحفہ ہے اور محبت انسان کو صحیح راستہ دکھاتی ہے۔

☆ اگر کوئی شخص تمہیں اچھا لگے تو اچھا وہ نہیں ہے بلکہ اچھے تم ہو کیونکہ تم اس میں اچھائی تلاش کرتے ہو۔

☆ زبان سے ایسے پھول بکھیرو جس کی خوشبو سب کو مسرور کردے مگر اس سے ایسے کانٹے مت پیدا کرو جس سے کسی کو دکھ پہنچے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

انجانا دکھ

میں نے محبت کے آسمان سے
دُکھ کو برستے دیکھا ہے
میں نے عشق کا بادل
صرف گرجتے ہوئے
دیکھا ہے
میں نے اداس آنکھوں کو
شب دیجور میں برستے دیکھا ہے
میں نے محبت کی تپش میں
پھولوں جیسے چہروں کو
جھلستے ہوئے دیکھا ہے
میں نے مہکتے ہوئے گلابوں کو
کانٹوں کے دامن میں
مہکتے ہوئے دیکھا ہے
میں نے محبت کو
اکثر
دل کی گلیوں میں سسکتے ہوئے
دیکھا ہے

شہلا گل سحر صالح۔ کوہاٹ کینٹ

.....☆.....

ذرا ایسے سوچنا

اللہ نے جب مصطفیٰؐ کو بنایا ہوگا

اللہ نے جب مصطفیٰؐ کو بنایا ہو گا
پہلے دل بھر کے اُن کو دیکھا ہو گا
کیسی وہ گھڑی ہو گی کیسا وہ سماں ہو گا
جس سمے اللہ نے مصطفیٰؐ کو بنایا ہو گا
کاش وہ لمحہ میں نے ان آنکھوں سے دیکھا ہوتا
جس لمحے اللہ نے مصطفیٰؐ کو بنایا ہو گا
فرشتے بھی حیران و پریشان ہوئے ہوں گے
جب اللہ نے مصطفیٰؐ کو بنایا ہو گا
حوریں بھی حیرت سے تک رہی ہوں گی
جب اللہ نے مصطفیٰؐ کو بنایا ہو گا
کیسا وہ منظر ہو گا کیسا وہ وقت ہو گا
جس وقت اللہ نے مصطفیٰؐ کو بنایا ہو گا
خوابوں خیالوں میں وہ منظر سمایا ہے میری آنکھوں میں
وہ منظر جب اللہ نے مصطفیٰؐ کو بنایا ہو گا
وہ مٹی بھی خوش ہوئی ہو گی یقیناً
جس مٹی سے اللہ نے مصطفیٰؐ کو بنایا ہو گا

صغریٰ کوثر

میرے دل کا درد

اے نئے سال کے سورج
بتا یہ ناانصافی کیوں
تو سب کے لیے خوشیاں لے کر آیا
اور
میرے لیے دکھ کیوں؟
اے نئے سال کے سورج سن ذرا
میرا دل آج کتنا اکیلا ہے
میرے اِرد گرد پچھلے سال کی
یادوں کا میلا ہے
اے نئے سال کے نئے سورج
میری اک بات سن
جب تو غروب ہونے لگے تو مجھے
بھی ساتھ لیتے چل؟
ہاں
مجھے ساتھ لیتا چل؟

ثناء کنول اللہ دتہ

نظم

چاندنی رات ہے یہ دل بہت اداس ہے
نہ جانے کیا بات ہے
لبوں پر ہنسی آنکھوں میں آنسو چھپے ہزار ہیں
نہ جانے کیا بات ہے
قطرہ قطرہ زہر کی طرح دل کو ڈستی اس کی یاد ہے
نہ جانے کیا بات ہے
جو کبھی اجنبی تھا آج کیوں دل کے اتنے پاس ہے
نہ جانے کیا بات ہے
وہ شخص جو کبھی نہ تھا

میرا پھر کیوں اس سے ملنے کی آس ہے
نجانے کیا بات ہے
اس کے ساتھ ہوئی چند لمحوں کی ملاقات
مجھے آج بھی یاد ہے
نہ جانے کیا بات ہے
مجھے آج بھی اس کا جذبات سے
بھیگے لہجے میں کیا اعتراف محبت یاد ہے
نجانے کیا بات ہے
چاہ کر بھی میں اسے نہ بھول سکی
عجیب بے بسی کا مقام ہے
آج میرا یہ دل بہت اداس ہے
نجانے کیا بات ہے

رابعہ افضال خان

غزل

گو کہ آنکھوں میں تیر زندہ ہیں
روشنی کے سفیر زندہ ہیں
مت اندھیرے سے خوف کھاؤ تم
کچھ محبت کے پیر زندہ ہیں
روز ہوتا ہے پیار کا سودا
کچھ ابھی بے ضمیر زندہ ہیں
وقت کے گھاؤ کس کو دکھلائیں
زندگی کے اسیر زندہ ہیں
میر و غالب ندیم اور اقبال
مثلِ ماہِ منیر زندہ ہیں
تیرے عہدِ شباب میں ہم سے
ہے غنیمت فقیر زندہ ہیں

حکیم خان حکیم

مجھے نہیں معلوم

یہ کس کے عشق کا قصہ ہے
مجھے نہیں معلوم
بس اتنا یاد ہے ظریف احسن
پھولوں میں بسا کرتے تھے
خوابوں کو بنا کرتے تھے
حجابوں میں رہا کرتے تھے
راتوں کو جگا کرتے تھے
زلفوں میں رہا کرتے تھے
یہ کس کے عشق کا قصہ ہے
مجھے نہیں معلوم
بس اتنا یاد ہے ظریف احسن
اک دوجے کے نام کو
مہندی سے لکھا کرتے تھے
خوب سجا کرتے تھے
اپنا کہا کرتے تھے
کس کے عشق کا قصہ ہے
مجھے نہیں معلوم

ظریف احسن

بچپن اور جوانی

ذرا یاد کر اپنے بچپن کو ناداں
کہ جس وقت تھا تو بہت بھولا بھالا
تو گھر میں تھا سب کی ہی آنکھوں کا تارا
تجھے باپ نے کتنی شفقت سے پالا
کبھی تجھ پر کوئی مصیبت جو آئی
حلق سے اتر تا نہ ان کے نوالا
زمانے کے سرد گرم سے بچایا
تجھے ماں نے دامن میں اپنے چھپایا
تیرا تھام کر ہاتھ چلنا سکھایا
ترے واسطے وقت اپنا گنوایا
ہوئی کچھ بڑی جب جسامت تری تو
جوانی نے تجھ کو نئے رنگ میں ڈھالا

نہیں ٹکتے پاؤں زمیں پر ترے اب
جوانی کا تیری چلن ہے نرالا
تو کرتا ہے اب بات آنکھیں دکھا کر
جوانی نے تجھ کو ہے دھوکے میں ڈالا
چلاتا ہے کیوں ان کے دل پر تو خنجر
جنہوں نے تجھے ناز نخرے سے پالا
اگر تجھ سے ماں باپ راضی ہوئے تو
خدا دے گا تجھ کو بھی فردوس اعلیٰ
غنیمت ہے اب بھی سنبھل جا ذرا تو
کہ غفلت سے اپنی نکل آ ذرا تو
تو بن اپنے ماں باپ کا اب سہارا
نہ ہو ان سے بڑھ کر تمہیں کوئی پیارا
محبت کی تم پر حقیقت کھلے گی
تمہیں ان کی خدمت سے جنت ملے گی

صابر حسین صابر

تو میرے ساتھ پل پل

برسوں گزر جانے کے بعد بھی
جاناں
تیرے ساتھ بیتا ہر منظر
میری ذات کے آئینے میں
اس طرح محفوظ ہے
جیسے!
کل کی بات ہو
کیونکہ! ہر سال کی ابتداء میں
تیرے ساتھ گزری ساری گھڑیوں کو
سارے خوابوں کو
سوکھے گلابوں کو
مہکتی ہر شام کو
تیری میٹھی باتوں کو
یادوں کی دھوپ لگا دیتی ہوں
نئے سال کے ہر لمحے میں
تیری ساتھ بیتی
ہر ساعت کی
خوشبو سے
من کے سونے آنگن کو
مہکا دیتی ہوں

شہلا گل سحر

نظم

شکستہ ذات کے ٹکڑے
چبھتے ہیں آنکھوں میں
مجھے سونے نہیں دیتے
ہجر و فراق کے صدمے
بظاہر ہنس رہی ہوں میں
مگر یہ بھی حقیقت ہے
مسلسل مر رہی ہوں میں
میرے کمرے میں چھائی ہے
گھٹن تیرے وعدوں کی
کسی سے پھر مت کہنا
مجھے تم سے محبت ہے

سیدہ عروج فاطمہ

نظم

جس طرح آئینہ ٹوٹ کر جڑنے سے
لکیر نظر آتی رہتی ہے
اسی طرح
جب چاہتوں اور رشتوں میں بھی
دراڑ پڑ جائے تو
کشش باقی نہیں رہتی
تمہیں میں بتا دوں
کہ چاہتوں کے رشتوں میں

گرہ نہیں لگتی
لگ بھی جائے تو اس میں
وہ کشش نہیں رہتی
اک پھیکا پھیکا سا رابطہ تو رہتا ہے
تازگی نہیں رہتی
روح کے تعلق میں زندگی نہیں رہتی
بات وہ نہیں رہتی
لاکھ بار مل کے بھی دل نہیں ملتے
ذہن کے جھروکوں میں
یادوں کے دریچوں میں
تتلیوں کے رنگوں میں
پھول نہیں کھلتے
اسی لیے میں کہتی ہوں اس طرح
کی باتوں میں
احتیاط کرتے ہیں
اس طرح کی باتوں سے
اجتناب کرتے ہیں

فرزانہ شوکت

غزل

تجھ سے دور رہ کے بھی ہم بھلا نہ سکے
تیرے تھے پھر بھی تجھے ہم اپنا بنا نہ سکے
دل کے ارمان آنسوؤں میں بہہ گئے آخر
ہم تاریکیوں میں پھر کوئی چراغ جلا نہ سکے
تجھ سے گلہ کیا کریں ہم تیری بے وفائی کا
بگڑے ہوئے حالات سے ہم نبھا نہ کر سکے
ملے تھے ہمیں بہت سے زخم تیری محبت میں
چیر کے شکستہ دل ہم یوں بھی تجھے دکھا نہ سکے
تیری یادوں سے دامن چھڑاؤں پھر میں کیسے جاوید
اسیر تھے تیری زلفوں کے ہم نظروں کو بچا نہ سکے

محمد اسلم جاوید

نظم

تم پل پل ہر پل
یاد کی صورت
ساتھ ہو
تم اجنبی ہو کر
میرے ساتھی
سب سے خاص ہو
ہر نشے کی
دوا تم ہو
جانے کیا تم میں
نشہ ہے
کہ دل و دماغ
پہ چھایا ہے
تم بن مجھ میں اک کمی سی ہے
کہ تم بن زندگی
ادھوری سی ہے

زروہ وصمان

غزل

واقعے روز نئے شہر میں ہو جاتے ہیں
لوگ ملنے سے بہت پہلے ہی کھو جاتے ہیں
زندگی روز محبت سے گلہ کرتی ہے
عشق کے شور میں ہم چپکے سے سو جاتے ہیں
یاد آتی ہے کوئی بھولی سی صورت جب بھی
کئی آنسو میرا چہرہ بھگو جاتے ہیں
عشق کی آگ میں جلنے کا قرینہ ہے انہیں
زخم بھرنے سے جو پہلے اسے دھو جاتے ہیں
ڈھونڈنے نکلو تو ڈھونڈ انہیں ہر پل امتیاز
ایسے چہرے کہ جو ہنسنے میں بھی رو جاتے ہیں

ایس امتیاز احمد

غزل

مسئلہ کچھ بھی نہیں وہ بھی نہیں تو بھی نہیں
مری حیات مجھے اب تو آرزو بھی نہیں
بہت نادان ہو جو چودھویں کا چاند کہو
اسے جو یار کے جیسا ہے گر یہ ہو بہو بھی نہیں
نظر کے سامنے رہ کر بھی منتظر ہی رہے
تری نگاہ نے کی ہم سے گفتگو بھی نہیں
شکستہ گرچہ میں بھی غالب خستہ کی طرح
مگر تو دیکھ مرے ہاتھ میں سبو بھی نہیں
نہیں دیدار تیرا تجھ سے ملاقات نہیں
یہی نہیں ہے فقط قسمتوں میں تو بھی نہیں
کسی کی محفلوں میں ساز بھی آواز بھی ہے
مرے ظلمتِ کدے میں کوئی پاؤ ہو بھی نہیں
اگرچہ پھرتا ہوں میں چاک گریبان کیے
مجھے قاصر کسی لیلیٰ کی جستجو بھی نہیں

قربان علی قاصر

نظم

تیری تلخ کلامی
تیری بے رخی
اثر کر گئی
دل میں میرے آج
محبت تڑپ تڑپ کے مر گئی

جہانہ آفتاب

غزل

زمانے بھر میں مشہور تھی سمجھداری اس کی
مجھ سے بچھڑا تو کہاں رہ گئی تھی دانائی اس کی
مجھے دیکھ کے اب راہ بدل لیتا ہے جو
کبھی میرے ساتھ بہت تھی شناسائی اس کی
تعلق ہی نہیں رہا تو گلے شکوے بھی رہنے دو
چل چھوڑ اب کیا کرنی برائی اس کی
وہ بھی اس رات بھلا کے سو گیا تھا مجھے
رات بھی مجھے بھی یاد نہ آئی اس کی
مجھے دیکھ کے اسے کچھ تو یاد آیا ہو گا
یونہی بے وجہ تو آنکھ نہیں بھر آئی اس کی

حفصہ کنول

محبت یوں نہیں کرنا

دوبارہ پھر نہیں کرنا، اگر یہی محبت ہے
کہ دن بھر کام ہی کرنا ہے
نہ شب کو یاد کے موسم کی اُنگلی
تھامنے کا وقت مل پانا
تو بس چاہت، محبت کا فقط تم ڈھونگ کرتے ہو
دوبارہ یہ نہیں کرنا
محبت کا کوئی وعدہ، کوئی دعویٰ
دوبارہ پھر نہیں کرنا
فقط تم کام ہی کرنا
رقم بڑھتی رہے جس سے
وہ کاروبار تم کرنا
محبت کا کبھی کبھی نام مت لینا
دوبارہ پھر نہیں کرنا
محبت یوں نہیں کرنا

سباس گل

نظم

کچھ یہ وقت ایسا، کچھ یہ حالات ایسے
کچھ آگے رستہ ہے دشوار
منزل نہیں کوئی اپنی
مجھے ہے پہنچنا
ساتوں آسماں کے پار

نور الصباء

☆

سندیس

جہانہ آفتاب ـــــ کراچی

السلام علیکم! پیاری صالحہ آپی! امید واثق ہے کہ آپ بخیریت ہوں گی۔ سب سے پہلے تو اپنی طویل غیر حاضری پر کان پکڑتے ہوئے معذرت۔ یقین ہے آپ نے میری غیر حاضری کو محسوس کیا ہوگا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں کئی ماہ و سال ردا سے دور رہی لیکن یقین جانیے آپی اتنے لمبے عرصے کی دوری کے باوجود میرے دل میں ردا کے لیے وہی اپنا پن اور وہی محبت موجود ہے جیسی محبت اور اپنائیت پہلے تھی۔ ان دوریوں نے ردا کی قدر میرے دل میں مزید بڑھا دی ہے۔ ردا نے مجھے میرے نام سے پہچان دی اگر آج مجھے کوئی ایک انسان بھی میرے نام سے جانتا ہے تو اس کا کریڈٹ میں ردا کو دیتی ہوں۔ آپ نے میری تحریروں کو ردا میں جگہ دی تو لوگوں نے مجھے جانا۔ میں خواہ کتنی ہی بلندی پر کیوں نہ چلی جاؤں میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھوں گی کہ مجھے آپ نے ایک پلیٹ فارم فراہم کیا ہے۔ ایک ایسی بنیاد دی جس بنیاد پر اینٹ رکھ کر میں عمارت بنانے کے قابل ہوئی۔ میں تہہ دل سے آپ کی مشکور ہوں تاحیات آپ کا یہ احسان یاد رکھوں گی اور احسان کا بدلا چکا نہیں سکتی لیکن میری اپنی سی پوری کوشش ہوگی کہ میں تاعمر ردا کے ساتھ جڑی رہوں۔ آپ کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا۔ ردا کے تمام لکھنے اور پڑھنے والوں کو ڈھیر سارا پیار اور دعائیں اب انشاء اللہ ردا سے مستقل جڑی رہوں گی۔ آپی اپنا بہت خیال رکھیے گا میری طرح بہت سی نئے لکھنے والوں کو آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔ اللہ پاک آپ کو اس بھرپور تعاون کے لیے جزائے خیر عطا کرے، بہت ساری دعاؤں کے ساتھ اب اجازت چاہوں گی۔

سیدہ عروج فاطمہ ـــــ ملتان

السلام علیکم! پیاری صالحہ آپی اور تمام اسٹاف ممبران کو میری طرف سے سلام۔ کل میری سالگرہ تھی اور سب سے پہلا سرپرائز گفٹ مجھے ردا ڈائجسٹ کی صورت میں ملا۔ اس کے لیے میں سپاس گزار ہوں۔ دسمبر کے شمارے میں اپنی نظم پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ دسمبر میں آنے والی سالگرہ سے زیادہ خوشی مجھے ردا ڈائجسٹ ملنے پر ہوئی۔ صالحہ آپی آپ کے اخلاق کے بارے میں بہت سنا تھا میں نے کہ آپ بہت شفیق ہیں اور ادارے سے منسلک ہونے کے بعد میں بھی سو فیصد متفق ہوں کہ ردا ڈائجسٹ کبھی بھی اپنے رائٹرز کو فراموش نہیں کرتا ہے۔ صالحہ آپی محبت سے گندھی ہوئی شخصیت ہیں۔ آپ کی محبت بھری زندگی کے لیے ڈھیروں دعائیں۔ اللہ پاک ردا

ڈائجسٹ کو ہمیشہ اسی طرح کامیابیوں سے نوازتا رہے۔ تمام اسٹاف ممبران کے لیے بھی بہت سی دعائیں اور نیک تمنائیں۔

☆ سویٹ سیدہ عروج! ردا آپ کا اپنا ردا ہے۔ اس لیے لکھنے کا عمل جاری رکھیے۔

شبینہ قیصر ـــــ راولپنڈی

پیاری صالحہ آپی اور ردا کی تمام قارئین بہنیں امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ نئے سال کا پہلا شمارہ اپنی تمام تر رعنائی کے ساتھ میرے سامنے ہے۔ ماڈل دلہن بنی بے حد اچھی لگی۔ آپی کا اداریہ ''گوشہ آگہی'' بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گیا۔ اللہ کرے یہ نیا سال پاکستان اور پاکستانیوں کے لیے بہت اچھا ہو۔ ''ردائے جنت'' معلومات میں اضافے کا ذریعہ بنا۔ ''ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم'' ایک اچھی کاوش تھی۔ واقعی یہ لوگ نایاب تھے۔ ہر ایک اپنی جگہ ہیرا تھا۔ افسانوں میں شازیہ مصطفیٰ کا ''ماں'' ایک ماں کی مجبوری کا احاطہ کرتا ہوا اچھا لگا۔ ثناء کنول کا ناولٹ، محبت، عزت اور دہلیز کا تعلق بڑے اچھے انداز میں واضح کر گیا۔ لڑکیاں جب محبت کی خاطر اپنی دہلیز پار کرتی ہیں تو یقیناً اپنی عزت گنوا دیتی ہیں۔ سلسلے وار ناول اچھے جا رہے ہیں۔ ردا کے تمام سلسلے بہتری کی جانب گامزن ہیں۔ آپ کی بہترین صحت اور لمبی عمر کے لیے دعا گو ہوں۔

گیتی آراء ـــــ کراچی

پیاری آپی اور نورین السلام علیکم! سب سے پہلے تو آپ سب کو ہماری طرف سے نئے سال کی دلی مبارک باد۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ سب کو ایسی ہزاروں کروڑوں خوشیاں اور ساعتیں دیکھنا نصیب کرے، آمین۔ 11 جنوری کو نئے سال کا پہلا ردا ملا تو بے اختیار دل سے صدا آئی، 'شکریہ آپ کی عنایت کا' ورنہ اس تاریخ کے بعد تو ہم پر مایوسی کے دورے پڑنے لگتے ہیں کہ اس ماہ ہماری جان اور پیارا رسالہ گول ہو گیا کیا؟ بہرحال اب بات ہو جائے ماہ جنوری کے ردا کی جو کہ پہلے ہی بہت لیٹ ہو گیا تھا اور ہمیں سندیسے میں بھی شامل ہونا تھا سو جلدی جلدی سب سے پہلے فہرست پر نظر ڈالی۔ افسانوں کی ایک لمبی لسٹ اور انٹرویو دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ امجد صابری اور جنید جمشید کی یادیں دکھی کر گئیں۔ مہرین کنول نے ''محبت کے انداز'' میں بہت خوب صورتی سے خوابوں کی دنیا میں رہنے والوں کو حقیقت سے آشنا کرا دیا۔ حنا اشرف نے ''نیا سال نئی خوشیاں'' میں دوستی کے حوالے سے ایک خوب صورت اہم پیغام ہم تک بلکہ ہم سب تک پہنچا دیا۔ زنیرہ نے ''کرو بیاں'' میں بتا دیا کہ ابھی ہماری دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی۔ فرح ناز کی ''حسین شرارت'' میں ازمیر کی شرارت خاصی دلچسپ رہی۔ شہلا گل ''نئی رت نئی صبح نیا سال'' میں بہت خوب صورتی سے رشتوں کی اہمیت اور گھر کی اہمیت، شوہر بچوں کی اہمیت کا احساس جگا گئی۔ صبا سعید کی ''محبت تم سے ہوئی'' کیا اچھی رومانی کہانی تھی۔ عائشہ مری کی ''دامن دل'' کی بے بسی دکھی کر گئی۔ افسانہ کاوش کی ''بہو بیگم'' ساس سسر اور نندوں سے برا رویہ رکھنے والی خواتین کے لیے ایک سبق آموز کہانی تھی۔ تہمینہ بانو ''عورت کا مقام'' اسے دلانے میں پوری طرح کامیاب ہو گئیں۔ روشانے کی ''دیدہ عبرت نگاہ'' بالآخر اپنے اختتام کو پہنچی۔ باقی تمام مستقل سلسلے بھی خوب تر تھے۔ ☆☆

دوستوں کے نام پیغام

عائشہ ذوالفقار کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو؟ مجھے آپ کی اسٹوریز پڑھنا بہت اچھا لگتا ہے۔ ''اُڑ جا اب تیری باری'' بہت منفرد اور نایاب اسٹوری تھی جسے کم از کم میں تو کبھی نہیں بھلا سکتی۔ میری زندگی کی یہ پہلی اسٹوری تھی جسے پڑھتے ہوئے میری آنکھوں میں پانی اور چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ جب آخر میں ماریہ اپنے پاپا سے اپنی شرطیں منوا رہی ہوتی ہے اور عارش کھڑا ہنس رہا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ اللہ پاک آپ کو ایسے ہی اچھی اچھی کہانیاں لکھنے کی توفیق دے، آمین۔

حفصہ کنول۔ فیصل آباد

ردا دوستوں کے نام

السلام علیکم رفقائے ردا کو پرخلوص سلام سکھیوں سے قلمی ملاقات کو مدتوں بیت گئے کچھ انہونیاں زندگی میں بہت بے ربطگی اور اداسی گھول دیتی ہیں۔ میرے پیارے جواں سالہ بھائی کی اچانک وفات نے گویا ہماری زندگی صرف سانس لینے تک محدود کردی ہے۔ پچھلے ماہ کی ذہنی کیفیت میں ردا کے مطالعے سے غافل رہی۔ دو دن قبل سب میگزین ایک ساتھ دیکھے۔ سکھیوں کی باتیں دل کو چھو گئیں جن پیاریوں نے یاد کیا اور جنہیں ہماری یاد نہ آئی ان سب کو میں نے بہت یاد کیا۔ انشاء اللہ جلد باہم ہوں گے۔ رابعہ افضال تمہارے لیے تو الفاظ بھی کم ہیں۔ کیسے بتلاؤں تمہارا یاد کرنا مجھے کتنی خوشی سے ہمکنار کر گیا ہے اور سبھی سکھی سہیلیوں سے التماس ہے میری اور میری فیملی کے صبر و سکون اور میرے بھائی کی مغفرت کے لیے دعا کیجیے گا۔

فریدہ فرید۔ پاکپتن

سب اپنوں کے نام

السلام علیکم! سب کو میری طرف سے ڈھیروں دعائیں۔ عالیہ مس آپ کو دنیا و آخرت میں کامیابی نصیب ہو اور ہمارے تمام اساتذہ کرام کو بھی جو ہمیں اتنی محنت سے پڑھاتے ہیں اب بات ہو جائے ردا کے تمام رائٹرز و قارئین کی تو آپ سب کو بہت بہت سلام اور ڈھیروں دعائیں۔

مریم نواز۔ فیصل آباد

سائرہ خان کے نام

السلام علیکم! خالہ جانی آپ کو عمرے کی سعادت حاصل کرنے پر بہت بہت مبارک باد۔ ہم سب آپ کے لیے بے حد خوش ہیں۔ امی بھی آپ کو مبارک باد کہہ رہی ہیں اور شاید وہ آپ کے پاس ملتان بھی آئیں۔

عائشہ نور۔ کراچی

ڈیئر ہسبینڈ کے نام

میری زندگی میں خوشیوں اور رونق کی وجہ صرف اور صرف آپ ہیں۔ آپ کی وجہ سے زندگی خوب صورت اور حسین لگنے لگی ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ کا میرا ساتھ تاعمر یونہی محبتوں اور خوشیوں بھرا رہے۔ ہیپی ویلنٹائن ڈے مائی ڈیئر اینڈ لونگ ہسبینڈ۔ اللہ سے دعا ہے میری کہ آپ یونہی کامیابی اور ترقیاں کرتے رہیں اور یونہی ہر رشتے میں ہمیشہ پرفیکٹ رہیں، آمین۔

مریم احمد۔ لاہور

عینی کے نام

وقت دعا میں اک دعا کروں
میں رب سے اک التجا کروں
تو خوش رہے
تو شاد رہے
تیرے دل کا آنگن آباد رہے
تو ہر پل یونہی ہنسا کرے
رد کبھی دعا نہ ہو
تیرے لب پہ کوئی صدا نہ ہو
تجھے بن مانگے وہ عطا کرے
تیری معاف ہر اک خطا کرے، آمین

نوشین مدثر۔ لاہور

مدیحہ خورشید کے نام

پیاری دوست مدیحہ خورشید تمہاری سالگرہ یکم فروری کو ہے۔ اس لیے تمہیں ردا کے ذریعے وش کر رہی ہوں۔ پیاری مدیحہ اللہ تمہیں اتنی خوشیاں دے کہ تمہارا دامن کم پڑ جائے اور جو تمہاری وش ہو اللہ تعالیٰ پوری کرے، آمین۔

ثناء اعجاز۔ سیالکوٹ

ہسبینڈ کے نام

خدا کرے کہ تجھ کو
ہر پل خوشی ہو میسر
کوئی آنچ نہ آئے
تو ہمیشہ مسکرائے
جو آئے کبھی کوئی غم تو
تو میں اپنے دل کو کھولوں
اور تیرے سبھی دکھوں کو
اپنے اندر سموں لوں

صائمہ ظہیر۔ کراچی

ڈیئر فرینڈز کے نام

کچھ سال کچھ لمحے
کچھ بیتے کھیل کھلونوں میں
کچھ گزرے جوانی کے جھمیلے میں
کچھ غم کے اندھیروں میں ڈوب کر
کچھ ہنسی خوشی کے میلے میں
کچھ بھیڑ میں گزرے ہیں تو پھر
کچھ تنہائی میں اکیلے میں
لیکن کبھی یہ سوچا ہے
کچھ سال ایسے بھی تو ہوں
جن کا ہر اک لمحہ
گزرے صرف عبادت میں
جس نے ہم کو خوشیاں دیں
صرف اس خدا کی چاہت میں

ثمرین ارشد۔ کراچی

.....☆.....

کیچپ

مصالحے دار فش فنگرز

اجزاء

مچھلی کے فلے	:	دو عدد
پسا ہوا لہسن	:	ڈیڑھ چائے کا چمچ
کری پاؤڈر	:	ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس	:	2 کھانے کے چمچے
میدہ (چھنا ہوا)	:	ایک پیالی
پسی ہوئی سفید مرچ	:	آدھا چائے کا چمچ
نمک	:	حسب ذائقہ
تیل	:	تلنے کے لیے
ٹماٹو کیچپ	:	سجانے کے لیے

ترکیب: مچھلی کے فلوں کو لمبی پٹیوں میں کاٹ لیں۔ ان پر لہسن، کری پاؤڈر، لیموں کا رس اور نمک ملائیں، اسے پلیٹ پر پھیلا کر 15 منٹ کے لیے رکھ دیں۔ میدے میں سفید مرچ ملا لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں، مچھلی کے فلے میدے میں لپیٹیں اور کڑاہی میں سنہری تل کر نکال لیں۔ مزیدار مچھلی ٹماٹو کیچپ سے سجا کر پیش کریں۔

مصالحہ فرائیڈ مچھلی

اجزاء

سُرمئی یا روہو مچھلی کے فلے	:	آدھا کلو
لال مرچ پاؤڈر	:	ایک چائے کا چمچ
سفید سرکہ	:	ایک چائے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ	:	دو چائے کے چمچ
تیل	:	فرائی کرنے کے لیے
پسا ہوا زیرہ	:	دو چائے کے چمچ
اجوائن	:	ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ پاؤڈر	:	ایک چائے کا چمچ
بیسن	:	تین کھانے کے چمچ
کُٹی ہوئی کالی مرچ	:	ایک چائے کا چمچ
لیمن جوس	:	ایک کھانے کا چمچ
چاٹ مصالحہ	:	ایک چائے کا چمچ
نمک	:	حسب ذائقہ

ترکیب: مچھلی کو صاف کر کے لیمن جوس اور نمک لگا کر دھو لیں اور اچھی طرح خشک کر لیں۔ پھر ایک پیالے میں زیرہ، کالی مرچ، لال مرچ، اجوائن، لیمن جوس، سرکہ، گرم مصالحہ، چاٹ مصالحہ، ادرک لہسن، نمک اور بیسن ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں۔ اب اس مصالحے کو مچھلی کے فلوں پر لگا کر تقریباً تین گھنٹوں کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ پین میں تیل گرم کر کے مچھلی کے ٹکڑوں کو شیلو فرائی کر لیں، جب گولڈن براؤن اور کرسپی ہو جائیں تو نکال کر کیچپ کے ساتھ کھانے کے لیے پیش کریں۔

فرائی مچھلی

اجزاء

مچھلی	:	دو کلو
انڈے	:	چار عدد
ثابت دھنیا	:	تین چمچ
اجینو موتو	:	دو چمچ
نمک	:	حسب ذائقہ
بیسن	:	آدھا کلو
سفید زیرہ	:	تین چمچ
سرکہ	:	آدھا کپ
سفید مرچ	:	دو چمچ
لال مرچ	:	تین چمچ

ترکیب: سب کا پیسٹ بنا لیں اور مچھلی پر لگا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں اور بعد میں ڈیپ فرائی کر لیں۔ فرائی مچھلی تیار ہے۔

فش کوفتہ کری

اجزاء

مچھلی (بغیر کانٹے)	:	ایک کلو
کٹی ہوئی پیاز	:	دو سے تین عدد
کٹی ہوئی ہری مرچ	:	پانچ عدد
انڈا	:	ایک عدد
نمک	:	حسب ذائقہ
لیموں	:	ایک عدد
پسا ہوا دھنیا	:	آدھا چائے کا چمچ
پسا ہوا زیرہ	:	ایک چائے کا چمچ
ہلدی	:	آدھا چائے کا چمچ
پسا ہوا لہسن	:	آدھا چائے کا چمچ
ٹماٹر کا گودا	:	آدھا کپ
آئل	:	حسب ضرورت

ترکیب: مچھلی کے گوشت کو پیس لیں۔ فرائی پین میں ایک کھانے کا چمچ آئل گرم کر کے اس میں تھوڑی سی پیاز، ہری مرچ اور ہرا دھنیا ڈال کر تھوڑی دیر پکائیں۔ جب یہ نرم ہو جائیں تو نکال کر الگ رکھ دیں۔ ایک پیالے میں مچھلی کا گوشت، انڈا، لیموں کا رس اور پیاز کا آمیزہ شامل کر کے کوفتے بنا لیں۔ کڑاہی میں آئل گرم کریں اور ڈبل روٹی کا چورا لگا کر کوفتے فرائی کریں۔ دیگچی میں آئل گرم کر کے پہلے پیاز سنہری کر لیں پھر ادرک، لہسن، پسا ہوا دھنیا، زیرہ، لال مرچ، ہلدی اور ٹماٹر شامل کر کے بھون لیں۔ کوفتے ڈال کر مزید دس منٹ تک پکانے کے بعد اتار لیں۔ نان یا سادہ چاولوں کے ساتھ پیش کریں۔

اسپائسی فش کری

اجزاء

فلے فش	:	آدھا کلو
تیل	:	تین کھانے کے چمچے
ایک پیاز	:	باریک کٹی ہوئی
کلونجی	:	ایک چائے کا چمچ
ثابت سوکھی لال مرچ	:	چھ عدد
باریک کٹا لہسن	:	دو چائے کے چمچے
کٹے ٹماٹر	:	دو عدد
پسا کھوپرا	:	تین کھانے کے چمچے
نمک	:	حسب ذائقہ
پسا دھنیا	:	ایک چائے کا چمچ
پسا زیرہ	:	ایک چائے کا چمچ
پسی لال مرچ	:	ایک چائے کا چمچ
لیموں کا رس	::	دو کھانے کے چمچے
باریک کٹا ہرا دھنیا	:	دو کھانے کے چمچے

ترکیب: ایک پین میں تین کھانے کے چمچے تیل گرم کریں اور باریک کٹی ایک عدد بڑی پیاز ڈال کے بھونیں۔ پھر اس میں ایک چائے کا چمچہ کلونجی، چھ عدد ثابت سوکھی لال مرچ اور دو چائے کے چمچے باریک کٹا لہسن ڈال کر دو سے تین منٹ پکا لیں۔ اب اس میں دو عدد کٹے ٹماٹر، تین کھانے کے چمچے پسا کھوپرا، حسب ذائقہ نمک، ایک چائے کا چمچہ پسا دھنیا، ایک چائے کا

چمچ پیاز یرہ اور ایک چائے کا چمچ پسی لال مرچ شامل کر کے دس منٹ پکائیں۔ پھر اس میں فلفش اور پانی ڈال کر مچھلی گلنے اور پانی خشک ہونے تک پکائیں۔ اب اس میں دو عدد کھانے کے چمچے لیموں کا رس اور دو کھانے کے چمچے باریک کٹا ہوا ہرا دھنیا ملائیں۔ گرم اسپائسی فش چاول کے ساتھ سرو کریں۔

چائنیز سوپ

اجزاء:

چکن (بون لیس)	:	آدھا کلو
کارن فلور	:	کھانے کے تین چمچے
پیاز	:	ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)
انڈے	:	دو عدد (صرف سفیدی)
کالی مرچ	:	چائے کا ایک چمچہ
چائنیز نمک	:	کھانے کا ایک چمچہ
ہری مرچ	:	دو عدد
سویا ساس	:	کھانے کا ایک چمچہ
نمک	:	حسب ذائقہ

ترکیب: مرغی کے پیس اچھی طرح دھولیں۔ ایک ساس پین میں مرغی، باریک کٹی ہوئی پیاز، سیاہ مرچ، نمک اور پانی ڈال کر یخنی تیار کریں۔ گوشت گل جائے تو یخنی چھان کر الگ نکال لیں۔ ابلی ہوئی بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں۔ ایک پیالی پانی میں کارن فلور کو اچھی طرح سے حل کریں۔ یخنی میں کارن فلور کا آمیزہ اور چھوٹے چھوٹے گوشت کے ٹکڑے ڈال کر دھیمی آنچ پر چند منٹ تک پکائیں۔ جب سوپ آپ کی پسند کے مطابق گاڑھا ہو جائے تو انڈے کی سفیدی ملا دیں اور چمچ سے سوپ میں خوب اچھی طرح مکس کریں، مزے دار چائنیز سوپ تیار ہے۔

پشاوری گوشت

اجزاء

گوشت (بغیر ہڈی)	:	آدھا کلو
ٹماٹر	:	چار پانچ عدد
کالی مرچ پاؤڈر	:	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	:	آدھا چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	:	چار پانچ عدد
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا)	:	دو کھانے کے چمچے
ادرک پیسٹ	:	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	:	دو عدد (سلائس کاٹ لیں)
نمک	:	حسب ذائقہ
گھی	:	ایک کپ

ترکیب: کڑاہی میں گھی گرم کر کے پیاز اور ٹماٹر ڈال کر فرائی کرلیں اور گوشت ڈال کر بھونیں۔ کالی مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ادرک پیسٹ، نمک اور پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ پانی خشک ہو جائے تو مزید بھونیں آخر میں ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر سرونگ ڈش میں ڈال کر سرو کریں۔

فرائیڈ مٹر اور مرچیں

اجزاء

مٹر	:	ایک پاؤ
سبز پیاز	:	دو عدد
چینی	:	ایک چائے کا چمچ
سبز مرچیں	:	پچاس گرام
تیل	:	دو کھانے کے چمچ
نمک	:	آدھا کھانے کا چمچ

ترکیب: مٹر کو چھیل کر صاف پانی میں دھولیں۔ سبز مرچیں کاٹ لیں۔ گھی گرم کریں اور اس میں پیاز، سبز مرچیں ڈال کر مٹر فرائی کریں اب مٹر بھی ڈال دیں۔ تقریباً دو منٹ بعد چینی اور نمک بھی شامل کردیں۔ پانچ منٹ فرائی کریں نہایت لذت آمیز ڈش تیار ہے۔

☆

شہلا مشائق

سنگھار

سجنا سنورنا اور سولہ سنگھار کرنا خواتین کی دلچسپی کا ایسا موضوع ہے، جس سے ان کی دلچسپی کسی بھی وقت اور کسی عمر میں کم نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ خواتین کی خوب صورتی کو چار چاند لگانے کے لیے کچھ ٹوٹکے مندرجہ ذیل ہیں۔

1- اپنی سیاہ کہنی کو فریش لیموں کے کٹے ہوئے ٹکڑے کی مدد سے رگڑیں یہ قدرتی طور پر بلیچ کی طرح اثر دکھاتا ہے اس عمل کے بعد جلد کو موئسچرائزر کر لیا جائے تو یہ جلد کے خشک اثرات کو کم کرنے میں معاونت کرتا ہے۔

2- اپنے فاؤنڈیشن کو رنگدار موئسچرائزر میں تبدیل کرنے کے لیے اسے چہرے پر استعمال کرنے سے پہلے ہاتھ کی پشت پر چند قطرے فاؤنڈیشن کے ساتھ چند قطرے موئسچرائزر کے شامل کریں اور دونوں کو مکس کرنے کے بعد چہرے پر لگائیں۔ یہ طریقہ کار سردیوں میں زیادہ مفید ہے۔

3- باہر نکلنے سے پہلے اپنے ہینڈ بیگ میں منرل واٹر یا عرق گلاب کی بوتل ضرور رکھیں تاکہ آپ کی اپنی جلد تروتازہ رہے۔

4- حالیہ ریسرچ سے یہ تصدیق ہوئی ہے کہ سیدھا سونے سے جھریوں کی افزائش کم ہوتی ہے۔

5- ایک ٹب میں گرم پانی لیں اس میں 4 کھانے کے چمچے نمک شامل کریں اور اپنے پیر اس میں رکھ دیں یہ عمل آپ کے پاؤں کو ٹخنوں کی سوزش سے پاک رکھتا ہے۔

6- اگر آپ کے ناخن بے حد نرم ہیں تو انہیں اس وقت فائل کریں جب ان پر نیل پالش لگی ہوئی ہو اس طرح وہ ٹوٹنے سے محفوظ رہیں گے۔

7- اگر آپ آئی بروز بنوانے کی تکلیف سے گھبراتی ہیں تو آئی بروز بنوانے سے پہلے آئس کیوب کی مدد سے اس حصے کو نم کرلیں یہ عمل آپ کو تکلیف سے محفوظ رکھے گا۔

8- اپنے چہرے کو صحت مندی کی چمک عطا کرنے کے لیے رخساروں پر بلش آن استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ ناک کی اوپری جگہ ٹھوڑی اور کنپٹی پر برش کی مدد سے بلش آن لگائیں یہ آپ کے چہرے کو چمک دار کرے گا۔

9- جب آپ آنکھوں پر ڈارک کلر کے شیڈز کا استعمال کرتی ہیں تو اپنی آنکھوں کے نچلے حصے میں لوز پاؤڈر لگائیں تاکہ آئی شیڈز کے گرنے والے ذرات کی وجہ سے آپ کی جلد دھبوں سے محفوظ رہے۔

10- اگر آپ اپنے ہونٹوں کو بڑا دکھانا چاہتی ہیں تو ہلکے رنگوں اور چمک والی لپ اسٹک کا استعمال کریں اور اگر ہونٹ چھوٹے دکھانا چاہتی ہیں تو ڈارک کلر کی لپ اسٹک لگائیں۔

11- اپنے ناخنوں کو مضبوط بنانے کے لیے ایک پیالے میں زیتون کا تیل لیں اور اپنے ناخنوں کو اس میں ڈپ کردیں یہ عمل ہفتے میں ایک بار کرنے سے آپ کے ناخن ٹوٹنے سے محفوظ رہیں گے۔

12- اپنی مسکراہٹ کی خوب صورتی کو برقرار رکھنے کے لیے جلد از جلد اپنے ٹوتھ برش تبدیل کریں اس سے پہلے کہ برش خراب ہو اور آپ کے دانتوں کو تکلیف دے ہر تین ماہ بعد برش تبدیل کریں باقاعدہ صبح اور رات میں کم سے کم 2 منٹ تک برش کریں جو آپ کو تازگی کا احساس دیتا ہے۔

13- اگر آپ اپنے رخساروں کے لیے کوئی خصوصی کنٹورنگ پروڈکٹ استعمال نہیں کر رہی ہیں تو سادہ طریقے سے جو فیس پاؤڈر آپ استعمال کرتی ہیں اسی کے شیڈز سے دو یا تین نمبر گہرے شیڈز کا فیس پاؤڈر لیں اور اسے اپنے رخساروں پر استعمال کریں تو آپ کے گول رخسار پتلے اور لمبے دکھائی دیں گے۔

14- مسکارے کا استعمال ہمیشہ مصنوعی پلکیں لگانے سے پہلے کریں کیونکہ یہ انہیں مضبوطی سے جوڑے رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

15- اگر آپ بہت تھکی ہوئی نظر آ رہی ہیں تو کنسیلر کی تھوڑی سی مقدار اپنی آنکھوں کے بیرونی کناروں پر لگائیں اس عمل سے ایسا محسوس ہوگا جیسے آپ پوری رات سوئی ہیں۔

16- برائٹ سرخ رنگ کی لپ اسٹک لگانے سے آپ کا چہرہ جگمگا اٹھے گا۔

17- اپنی بھنوؤں کو بنانے سے پہلے جن بالوں کو آپ نکالنا چاہتی ہیں انہیں کنسیلر سے کور کرلیں۔

18- کبھی بھی بالوں کو خشک کرنے کے لیے ہیئر ڈرائر استعمال کرنے سے پہلے میک اپ نہ کریں کیونکہ ڈرائر کی گرمی سے آپ کا میک اپ خراب، دھندلا اور چکناہٹ زدہ ہوسکتا ہے۔

19- پاؤڈر آئی شیڈز کا رنگ اور بھی زیادہ پرکشش اور گہرا ہوسکتا ہے اگر آپ استعمال سے پہلے آئی برش کو ایک بار پانی میں ڈپ کرلیں یہ عمل آئی شیڈز میں مزید نکھار پیدا کرتا ہے۔

20- اگر آپ اپنی پلکوں کو نرم و ہموار اور گہرا بنانا چاہتی ہیں تو روزانہ سونے سے پہلے برش کی مدد سے اپنی پلکوں پر پیٹرولیم جیلی یا کسٹر آئل لگائیں اس عمل سے دن کے وقت آپ کی پلکیں قدرتی طور پر گھنی اور خوب صورت نظر آئیں گی۔

21- چہرے پر کریم کو بلش سے استعمال کرتے ہوئے اسے لکیروں سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کے اسٹروک کو اوپر سے نیچے کی طرف لگائیں تاکہ چہرے کے باریک بالوں میں رنگ کے دھبے لگنے سے محفوظ رہ سکیں۔

22- اکثر مسکارے کے استعمال سے آپ کی نچلی پلکوں پر مسکارا چپک جاتا ہے تو کوشش کریں چھوٹے اور پتلے برش کی مدد سے الگ الگ ہر پلک پر مسکارہ لگائیں۔

24- اکثر خواتین لپ اسٹک لگاتی ہیں تو لپ اسٹک دانتوں پر لگ جاتی ہے اگر لپ اسٹک لگانے کے بعد اپنی انگلی کو منہ میں رکھیں اور اپنے ہونٹوں کو دبائیں پھر انگلی باہر نکال لیں اس عمل سے آپ کے دانت پر لپ اسٹک لگنے سے محفوظ رہیں گے۔

25- وہ خواتین جو گلاسز کا استعمال کرتی ہیں اور قریب کی نظر کمزور ہے تو گلاسز کا استعمال آپ کی آنکھوں کو چھوٹا ظاہر کرتا ہے اس لیے آپ کو چاہیے کہ اپنی آنکھوں پر برائٹ اور بولڈ شیڈز لگائیں ساتھ ہی مسکارے کا زیادہ استعمال کریں اور اگر آپ دور کی آنکھوں کی کمزوری کے باعث گلاسز استعمال کرتی ہیں تو یہ آپ کی آنکھوں کو بڑا تاثر دیتے ہیں، آنکھوں پر کیا گیا میک اپ زیادہ نمایاں ہوکر نظر آتا ہے ایسی آنکھوں کے میک اپ کے لیے ایسے ہلکے اور غیر واضح رنگوں کا انتخاب کریں جو نمایاں ہوکر دکھائی نہ دیں۔

☆☆